

اسلام الفتاویٰ

حکیمُ الامّت مجدّ الامّت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ

بترتیب جدید

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ

بانی جامعہ دارالعلوم کراچی و مفتی اعظم پاکستان

مکتبہ دارالعلوم کراچی

www.ahlehaq.org

ملک الافغان

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب دہلی

بترتیب جدید

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دہلی

جلد اول

مکتبہ بزمی دار العلوم کراچی

باہتمام : محمد قاسم گلگتی
طبع جدید : شعبان المعظم ۱۴۳۱ھ جولائی ۲۰۱۰ء
فون : 5042280 - 5049455
ای میل : mdukhi@gmail.com

www.ahlehaq.org

ملنے کے پتے

- مکتبہ دارالعلوم احاطہ جامعہ دارالعلوم کراچی ﴿ناشر﴾
- ✽ ادارۃ المعارف احاطہ جامعہ دارالعلوم کراچی
- ✽ مکتبہ معارف القرآن احاطہ جامعہ دارالعلوم کراچی
- ✽ ادارہ اسلامیات ۱۹۰ انارکلی لاہور
- ✽ دارالاشاعت اردو بازار کراچی
- ✽ بیت الکتب گلش اقبال نزد اشرف المدارس کراچی

فہرست مضامین

﴿امداد الفتاویٰ جلد اول﴾

صفحہ	مضمون
۵۰ تا ۳۵	مصنف امداد الفتاویٰ حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ کی مختصر سوانح حیات
۵۷ تا ۵۱	مقدمہ امداد الفتاویٰ طبع جدید از حضرت مفتی محمد شفیع قدس سرہ
۶۰	مقدمہ از حضرت مصنف قدس سرہ

کتاب الطہارۃ

۶۳	وضو اور نواقض وضو
"	عورتوں کے لئے مسواک کا حکم
"	داڑھی کے مسح کرنے اور دھونے کا حکم
۶۴	وضو کے بعد انازلنا پڑھنا
۶۵	نماز جنازہ کے وضو سے نماز پنجگانہ کا حکم
"	صرف ایک داہنے ہاتھ سے وضو کرنے کا حکم
۶۶	قطرہ یا ریح کے خروج کا شبہ ناقض ہے یا نہیں
"	زخم کے منہ سے پیپ نکلنا
"	معذور کے وضو کا حکم
۶۷	غسل کے وقت کان سے عطر کا پھایہ نکالنا
"	بوقت معذوری وضو میں بائیں ہاتھ سے کام لینا
"	ناخنوں کی میل اور مٹی غسل و وضو سے مانع نہیں

- ۶۸ بہنے والا خون کتھا یا کسی دوا سے مستور ہو جائے تو اس کا اعتبار نہیں
- " صرف چوتھائی سر کے مسح کی عادت ڈالنا مکروہ ہے
- " سر کے مسح کے لئے نیا پانی لینا
- ۶۹ زخم کے پھایہ پر جو پیپ لگے وہ ناقض ہے یا نہیں
- " چوڑی مار کر بیٹھے ہوئے سو جائے تو وضو نہیں ٹوٹا
- ۷۰ قبر کے اوپر وضو کرنے کا حکم
- " مسح گردن کا حکم
- ۷۱ وضو میں اعوذ باللہ یا بسم اللہ پڑھنے کا حکم
- " بچہ کو دودھ پلانا ناقض وضو نہیں
- ۷۲ بغیر پیر دھوئے ہوئے وضو درست ہے یا نہیں

فصل فی الغسل

- ۷۳ عورت کے لئے غسل میں بالوں کی جڑیں تر ہو جانا کافی ہیں
- " غسل کے وقت عورت کو شرمگاہ کے ظاہری حصہ کا دھونا کافی ہے
- " بدن پر زخم ہوں تو غسل کرے یا تیمم
- ۷۵ غسل بیٹھ کر کرے یا کھڑے ہو کر
- " دانتوں کے اندر اگر منجن وغیرہ گھس جاوے تو غسل کا حکم
- " دانتوں کے خلا میں کوئی مسالہ بھرنا
- ۷۷ چونہ یا مسی کی تہ دانتوں پر جم جانے کا حکم
- " غسل کے بعد منی نکلنے کا حکم
- ۷۸ نیند سے بیدار ہو نیوالے پر غسل کے واجب یا غیر واجب ہونے کی تفصیل
- ۷۹ خواب دیکھنے یا کپڑے پر تری پانے سے وجوب غسل میں تفصیل
- ۸۰ شب عرفہ میں غسل کا حکم
- نابالغ لڑکی سے صحبت کی گئی تو اس پر غسل واجب نہیں شراب سے جو سرکہ بنا لیا جاوے
- ۸۱ وہ پاک ہے
- ۸۲ ودی کا حکم

- ۸۲ نیند سے بیدار ہونے کے کچھ دیر بعد رطوبت کا دیکھنا
- ۸۳ زخم پر کسی دوا کا چپک جانا غسل کے وقت اس کا حکم
- " معذور کے لئے آخر وقت میں نماز ادا کرنے کا حکم
- ۸۴ وجوب غسل کے لئے دفع منی شرط نہیں
- " بوقت غسل کان کے سوراخ میں پانی پہنچانے کا حکم
- " غسل خانہ میں بات چیت کرنے کا حکم
- ۸۵ بحالت جنابت بال کٹوانا مکروہ ہے

باب الماء الذی يجوز به الوضوء وما لا يجوز به

- ۸۵ مسقف حوض کے پانی سے وضو جائز ہے
- ۸۶ جس چیز کی نجاست معلوم نہ ہو اس کا پانی میں گرنا پانی کو ناپاک نہیں کرتا
- پانی خوشبودار ہو کر آب مطلق ہونے سے نہیں نکلتا

فصل فی البیر

- ۸۷ کنویں کے نل میں نجاست گر جانے کا حکم
- ۸۸ نل کے کنویں کے پاک کرنے کا طریقہ
- " سانپ جس میں خون ہو اس سے کنواں ناپاک ہو جائے گا
- ۸۹ کوءے کی بیٹ سے کنواں ناپاک نہیں ہوتا
- " کنواں بیت الخلا سے کتنی دور ہونا چاہیئے
- ۹۰ زمین دوز بیت الخلا یعنی گٹر کے قریب پانی کا کنواں بنانے کا حکم
- " مسئلہ مذکورہ
- ۹۱ مسئلہ مذکورہ
- " چیل اور گدھ کی بیٹ گرنے سے کنویں کا حکم
- " گوبر اور لید کنویں میں گر جانے کا حکم
- " مسئلہ مذکورہ
- ۹۳ اصلاح تسامح متعلقہ نمبر ۵۸ و ۵۹ مندرجہ ملحقات تتمہ اولیٰ امداد الفتاویٰ ص ۳۳۴
- ۹۴ نجس جوتے کا کنویں میں گرنا

۹۴ مسئلہ مذکورہ
۹۵ تین سو ذول بقول امام محمد نکالنے کی تحقیق

فصل فی الآسار (پس خوردہ)

۹۵ لعاب دہن لگا کر انگلی سے قرآن مجید کی ورق گردانی کا حکم
----	---

فصل فی التیمم

۹۶ مسجد کی زمین پر تیمم کرنے کا حکم
" جواز تیمم کے لئے پانی سے کتنی دوری شرط ہے
" جو قفل میں قید ہو اس کے لئے تیمم کا حکم
۹۷ سرد ملکوں میں تیمم کرنے کا حکم
۹۷ ریل میں تیمم جنابت کی شرط

باب المسح علی الخفین و غیرہما

۹۸ جرابوں اور سوتی موزوں پر مسح کا حکم
" مسئلہ مذکورہ
" مسئلہ مذکورہ
۹۹ انگریزی بوٹ جو پورے پاؤں کو چھپالے اس پر مسح کا حکم
۱۰۰ مسئلہ مذکورہ
" جراب سوتی کے اوپر چمڑے کا موزہ پہن کر اس پر مسح

باب الحيض والنفاس والاستحاضة

۱۰۱ جبے ہوئے خون کے بعد جو خون آوے اس کا حکم
" اسقاط حمل کے بعد حیض یا استحاضہ کا حکم
۱۰۲ اسقاط حمل کے احکام متعلقہ نفاس و نماز روزہ وغیرہ
۱۰۳ مسئلہ مذکور
" جس عورت کے پہلا بچہ ہو اس کے پاک ہونے میں چالیس روز کا انتظار نہیں

- ۱۰۳ ایام عادت بھولنے والی حائضہ کا حکم
- ۱۰۴ اس عورت کا حکم جس کا خون تین روز سے کم میں منقطع ہو جاوے
- " حکم اس خون کا جو اقل طہر سے پہلے شروع ہو کر اقل طہر کے بعد تک جاری رہے
- ۱۰۵ طہر پندرہ روز سے کم نہیں ہوتا اگرچہ کمی قلیل بھی ہو
- ۱۰۶ حائضہ کو دعائیں اور وظائف پڑھنے کا حکم
- نجاست کے احکام اور پاکی کا طریقہ**
- ۱۰۸ مردار کی کھال دباغت کے بعد پاک ہے اور ہڈی وغیرہ کے احکام
- ۱۰۹ مسئلہ مذکورہ
- داد سے جو رطوبت نکلتی ہے اس کے ناپاک ہونے کی تحقیق اور جس کپڑے پر یہ رطوبت لگی
- ۱۱۰ ہو اس سے نماز پڑھنے کا حکم
- " ترکیڑے کو کسی نجس زمین یا نجس کپڑے میں لپیٹنا اصلاح از صبح الاغلاط
- ۱۱۲ ہاتھی کی سوئد سے جو پانی نکلے اس کا حکم
- " مچھلی کا پتہ نجس ہے
- ۱۱۳ روئی پاک کرنے کا طریقہ
- ۱۱۴ ہاتھ ناپاک ہونے کی صورت میں مٹکے وغیرہ سے پانی نکالنے کی صورت
- " جو کپڑا چوتھائی سے زیادہ نجس ہو اس میں نماز کا حکم
- ۱۱۵ ولایتی رنگ سے رنگے ہوئے کپڑے کا حکم
- ۱۱۶ ناپاک رنگ سے رنگے ہوئے کپڑے کا حکم
- " دودھ گھی کے پاک کرنے کا طریقہ
- ۱۱۷ ایک شخص کا پاک کیا ہوا کپڑا دوسرا شخص استعمال کر سکتا ہے
- ۱۱۸ کتے کے جھوٹے برتن کے پاک کرنے کا طریقہ
- " روئی دار کپڑے کے پاک کرنے کا طریقہ اور چھوٹے بچوں کے پیشاب کا حکم
- ۱۱۹ غیر ماکول اللحم کے دودھ کا حکم
- ۱۲۰ مردار اور حرام جانور کو تیل میں جلانے سے تیل ناپاک ہو گا یا نہیں
- " گرگٹ خون والے کو تیل میں جلانے سے اس تیل کا حکم

۱۲۱ حلال جانور کے جلے ہوئے تیل کا حکم
" حکم رطوبت فرج
۱۲۲ سوال مذکور
" سوال مذکور
" سوال مذکور
۱۲۵ سوال مذکور
۱۲۹ سوال مذکور
۱۳۰ مینڈک کا پیشاب
" مینڈک کی پاکی پر شبہ اور اس کا جواب
" جوتا رگڑنے سے پاک ہو جاتا ہے
۱۳۱ چوہے کی مینگنی گھی میں پک جائے تو اس کا حکم
" اعضائے انسانی اشیاء غیر منصرہ میں داخل نہیں
" حرام جانوروں کا چمڑا ذبح کرنے سے پاک ہو جاتا ہے
۱۳۲ دھوپ میں سوکھا ہوا چمڑا تر ہو جانے سے ناپاک نہیں ہوتا
" جونک نجس نہیں
" نجس رنگ سے رنگی ہوئی گھڑیا کا پاک کرنا
" منی اور منی جو رقیق ہو اس کا رگڑ دینا طہارت کے لئے کافی نہیں
۱۳۳ مٹکا جس پر گو بر لگایا گیا ہو آگ میں جلنے کے بعد پاک ہے
" شہد میں چوہا مر گیا تو اس کے پاک کرنے کا طریقہ
۱۳۴ کتے نے دانتوں سے کپڑا پھاڑ دیا تو وہ پاک ہے یا ناپاک
" چوہا جس کو ذبح نہ کیا ہو اس کی چربی ناپاک ہے
۱۳۵ ابتلائے عام کے وقت کپڑوں کی طہارت میں توسیع و گنجائش کے احکام
" آنحضرت ﷺ کے فضلات پاک تھے یا نہیں
" سوال مذکور
۱۳۶ سوال مذکور
۱۳۷ تفصیل در حکم اسپرٹ

- ۱۳۷ خفاش کا بول اور بیٹ پاک ہے
- ۱۳۸ کورے کپڑے کی نجاست طہارت کی تحقیق
- " سوال مذکور
- " سوال مذکور
- ۱۳۹ مرغی کو ذبح کر کے آلاش صاف کئے بدون پانی میں جوش دیدیا تو وہ ناپاک ہے بحوالہ شامی

فصل فی الاستنجاء

- ۱۴۱ آبدست کے وقت قبلہ کی طرف رخ یا پشت کرنا
- ۱۴۲ پیشاب کے وقت آفتاب کی طرف رخ کرنا جبکہ وہ بادل میں ہو
- " حکم یاد آمدن استنجاء در نماز
- " عدم جواز استنجاء بکاغذ جاذب (۱)
- ۱۴۳ جواز جواب سلام در حالت استنجاء
- ۱۴۴ تحقیق سلام بوقت استنجاء
- " استنجاء بعد البول بکلوخ
- ۱۴۶ پیشاب کرنے کے وقت کوئی مستقل دعا نہیں بلکہ بول و براز دونوں کیلئے ایک ہی دعا ہے

مسائل منشورہ متعلقہ بکتاب الطہارت

- ۱۴۶ جبل الکارد میں قرآن کی آیتیں ہوں اس کو بلا وضو چھونے کا حکم
- ۱۴۷ تفسیر و ترجمہ کا بے وضو مس کرنا
- ۱۴۸ حکم مس قربات عند اللہ بلا وضو ہر کتابے کہ آیات قرآنیہ درو باشد
- " سوال مذکور
- " بلا وضو قرآن کو چھونے کی حرمت پر شبہ اور جواب
- ۱۴۹ قرآن کی آیات کو بلا وضو اس طرح لکھنا کہ کاغذ کو ہاتھ نہ لگے اس کا حکم

کتاب الصلوۃ (اوقات نماز)

- ۱۴۹ حکم نماز وغیرہ در میان عصر و مغرب

(۱) اس مسئلہ کے متعلق مزید تحقیق اس کتاب کے ضمیمہ صفحہ پر ملاحظہ فرمادیں ۱۲ ش

۱۴۹	بیان وقت عشاء
۱۵۱	وقت عصر
"	سوال مذکور
۱۵۲	توضیح وقت کراہت عصر
۱۵۳	طریق معرفت وقت ظہر وعصر ومغرب
۱۵۴	طریق معرفت وقت مغرب
۱۵۵	پابندی اوقات مقررہ قوم برائے نماز یا گھڑی کے ذریعہ اوقات صلوٰۃ
"	سوال مذکور
۱۵۶	حکم التزام اوقات صلوٰۃ بر گھڑی
"	شناخت اوقات نماز گھڑی کے ذریعہ
"	حد جواز صلوٰۃ بعد الطلوع و قبل الغروب
۱۵۷	وقت تکبیر اولیٰ
۱۵۷	حکم تاخیر کردن در نماز مغرب بمابہ رمضان

باب الآذان والاقامة

۱۵۹	حکم حاضر شدن نمازیان بر جرس نہ براذان
"	حکم رفع یدین در دعائے اذان
۱۶۰	سوال مذکور
۱۶۱	مواقع مشروعیت اذان
۱۶۲	حی علی الصلوٰۃ کے وقت دائیں بائیں منہ کرنا اذان واقامت میں بچہ نومولود کی آذان میں جہاں متعدد جگہ جمعہ ہوتا ہو تو پہلے جس اذان کی آواز سنے اس کے بعد ہی بیع و ثرار وغیرہ ممنوع ہو جائے گی
"	
۱۶۳	اذان کے جواب دینے کا حکم سب پر ہے
"	اذان کے جواب کا استحباب
۱۶۴	سامعین اذان پر سلام کا جواب واجب نہیں
"	مسجد کی بائیں جانب اذان دینے کا رواج کیسا ہے

۱۶۴	حکم اذان دادن یک کس در دو مسجد بوقت واحد
"	اوقات نماز آنجا کہ غروب یا طلوع نہ شود
۱۶۷	اسکاٹ لینڈ میں اوقات نماز وغیرہ کے متعلق تفصیلی سوال و جواب
۱۷۰	جواب اقامت فقط مقتدی پر ہے یا سب پر
۱۷۱	حکم فصل در اذان و نماز مغرب
۱۷۳	حکم قیام برحی علی الفلاح وقت اقامت
۱۷۴	سوال مذکور
۱۷۵	حکم قیام برحی علی الفلاح
۱۷۶	حکم تعدد اذان فجر در رمضان بوقت سحر صبح صادق

باب شروط الصلوٰۃ و صفتها

۱۷۷	فرضیت قیام وقت تحریمہ
۱۷۸	حکم تکبیر تحریمہ بدون قیام قبل از رکوع
"	حکم گفتن کلمہ اقدیت بالقرآن در نیت صلوٰۃ
۱۷۹	حکم تلفظ بالنیۃ در صلوٰۃ و تحقیق قول مجدد صاحب
۱۸۰	حکم وضع رکبتین قبل الیدین در سجدہ
"	تحقیق رفع التین در سجدہ
۱۸۲	تحقیق حکم سجدہ بر تکیہ
۱۸۳	تحقیق مذہب حنفیہ در اوراد و ادعیہ ماثورہ بین السجدتین وغیرہ
۱۸۴	جواب شبہ جواز دعا ماثورہ در قومہ و جلسہ
"	نیت امامت
۱۸۵	تحقیق وجوب قراءۃ در اولین فرض و ضم سورۃ در آخرین معہ دیگر مسائل متعلقہ بآن
۱۸۶	نماز کے اندر سرین و ران اور گھٹنا تین عضو ہیں یا دو
۱۸۷	کپڑوں پر ناپاکی دیکھنے والے کو کتنے وقت کی نماز کا اعادہ کرنا چاہئے
"	امام کے لئے جہر بالتکبیر سنت ہے واجب نہیں
"	تشہد کے وقت رفع سبابہ کی حکمت

۱۸۸	سوال مذکور.....
"	سوال مذکور.....
۱۹۳	عورتوں کے لئے تشہد میں انگشت شہادت اٹھانا.....
۱۹۴	حالت قیام میں پیروں کے محاذات کا حکم.....
۱۹۸	عورت کے ہاتھ کی پشت ستر میں داخل ہے.....
"	وجوب وضع اکثر جبہہ درجہ.....
"	جو شخص نماز نہیں جانتا تعلیم حاصل کرنے تک کیسے نماز پڑھے.....
۱۹۹	سجدہ سے اٹھنے کا مستحسن طریقہ.....
"	جواز آمین بالجہر.....
"	جواز رفع یدین.....
۲۰۰	مردوں کے لئے ٹخنے ملانے کا حکم.....
۲۰۱	تحقیق تحمید زن بعد تسمیع.....
"	تحقیق نیت یا وجوب قومه.....
۲۰۲	جواب شبہ بر جواز توجیہ در نیت قبل تحریمہ.....

باب القراءة

۲۰۳	نماز میں دو سورتیں اس طور پر پڑھنا کہ درمیان میں ایک سورت رہ جائے.....
"	حکم فصل کردن آیات در قراءت سورة واحدة در دو رکعت.....
۲۰۴	دلیل حنفیہ در مسئلہ قراءت خلف الامام.....
"	حکم قراءت فاتحہ در نماز جنازہ و مسح رقبہ در وضو.....
۲۰۶	درجہ ادنیٰ قراءت سریہ.....
"	حکم زلات عامہ قاری در صلوة معہ تحقیق متعلق فتویٰ بالا.....
۲۱۴	مسئلہ مذکورہ.....
۲۱۵	سورة العصر میں امام کے و عملوا الصلحات کو چھوڑنے کا حکم.....
۲۱۶	ایک سورت کو کئی حصے کر کے نماز میں پڑھنے کا حکم.....
۲۱۷	والعصر میں والتین کا متشابہ.....

ترجیح وجوب جہر بقیہ قراءت بعد شرکت مقتدی وعدم وجوب اعادہ قراءت بعد اتمام قراءت	
بسبب شرکت مقتدی	۲۱۷
صحت صلوٰۃ بعد تدارک زلۃ القاری	۲۱۸
کراہت تعیین سورۃ در ہر نماز	"
حکم بعض اغلاط قرآنیہ در نماز	۲۱۹
رفع شبہ واردہ بر نہ بودن قراءت بذمہ مقیم مقتدی بمسافر در باقی نماز	"
کراہت فصل سورۃ قیصرہ و قرأت خلاف ترتیب بلا لزوم سجدہ سہو	۲۲۰
تحقیق اعادہ سورۃ در آخرین بوقت سہو در اولین	۲۲۱
پہلی رکعت میں سورۃ سج اسم ربک الخ اور دوسری میں سورۃ غاشیہ پڑھنے کا حکم	"
تحقیق ضاد و طاء	۲۲۲
مسئلہ مذکورہ	۲۲۵
مسئلہ مذکورہ	۲۲۶

الفتویٰ المتعلقہ بالصافیہ کلام فی مواضع

مسئلہ مذکورہ	۲۳۷
مسئلہ مذکورہ	۲۳۸
مسئلہ مذکورہ	"
مسئلہ مذکورہ	۲۴۱
مسئلہ مذکورہ	۲۴۲
مسئلہ مذکورہ	"
منع از غلو در قراءت سبعہ بوقت احتمال فتنہ عوام	۲۴۳
جواب شبہ بر عبارت بیان القرآن در بارہ نقل کردن قراءۃ ابن مسعود علی الوارث	
ذی الرحم الخ بلا سند	۲۴۶
تحقیق اثبات واسقاط الف ثنیہ در ذاقا و قال وغیرہ	"
مسئلہ مذکورہ	۲۴۷
تحقیق اخفا	"

صفحہ	مضمون
۲۴۷	تحقیق ادغام ظاد را ذ ظلموا.....
۲۴۸	رفع شبہ بر بعض اوقات.....
۲۵۲	تحقیق وجوب علم تجوید و قراءت.....
۲۵۳	ثبوت اوقاف کلام مجید.....
۲۵۴	مسئلہ مذکورہ.....
"	موضع وقف میں وقف نہ کرنا.....
۲۵۴	حرف مشدد پر وقف کرنے کا طریقہ.....
۲۵۵	سورۃ النعام کی دو آیتوں کے وقف پر شبہ کا جواب.....
۲۵۶	جواب شبہ بر عبارت رسالہ الامداد در بارہ ضرورت سبعہ قراءت.....
۲۵۷	قرآن میں لفظ ابراہیم میں لفظ (یا) نہ لکھنے کی وجہ.....
۲۵۸	سورۃ نور میں تلہیہم کے رجال پر وقف کی تحقیق.....
۲۵۹	سورۃ یسین شریف میں من مرقدنا پر وقف لازم صحیح ہے یا سکتہ.....
"	فکانت سرا میں ادغام کی تحقیق.....
"	جواب شبہ پر عبارت تنشیط الطبع و وجوہ المثانی در بارہ مد در حرف لین کہ ماقبل او مفتوح باشد.....
۲۶۰	تحقیق شبہ نقص حسنات بر بعض قراءت.....

رسالہ ضیاء الشمس فی اداء الهمس

۲۶۱	کیفیت اداء ہمس در تا اوقاف.....
-----	---------------------------------

ضمیمہ جمال القرآن نوشتہ قاری محمد یامین صاحب

۲۶۸	جواب سوالات بر جمال القرآن.....
۲۶۹	جواب سوال متعلق قرأت ضعف بالضم واقعہ سورۃ روم.....

رسالۃ التدقیق الجلی فی تحقیق النون الخفی

۲۶۹	مسئلہ مذکورہ.....
۲۷۲	مسئلہ مذکورہ.....
۲۷۳	مسئلہ مذکورہ.....

صفحہ	مضمون
------	-------

۲۷۵	مسئلہ مذکورہ
۲۷۶	اصلاح بعض عبارات جمال القرآن و دفع تعارض ظاہری عبارات زیئۃ القرآن
"	مسئلہ مذکورہ
۲۷۷	مسئلہ مذکورہ
۲۷۸	مسئلہ مذکورہ
"	مسئلہ مذکورہ
۲۷۹	تحقیق قراءت در کلمہ الصراط در ہر دو مقام سورہ فاتحہ
۲۸۹	تحقیق مزلقہ و مصمۃ
۲۸۱	تحقیق بسملہ در ابتداء سورہ توبہ
"	رفع تعارض در میان قول عاصم و امام صاحب در بارہ جزئیت تسمیہ
۲۸۳	مسئلہ مذکورہ

باب الامامة والجماعة

۲۸۵	حکم امامت زائر عالم معہ حکم نماز بر فرش دو تو
۲۸۶	جو شخص فرض کی جماعت میں شریک نہ ہو وہ وتر جماعت سے پڑھے
"	حکم اقتداء بعد یک سلام امام
۲۸۷	برے اخلاق و عادات والے کے پیچھے نماز مکروہ ہے
۲۸۸	وتر بجماعت خواندن متخلف فرض را
۲۸۹	جس کی بیوی بے پردہ ہو اس کی امامت
۲۹۰	حکم تقدیم امام راتب دیگر ارا
۲۹۲	امر داور نابالغ کی امامت کا حکم
۲۹۳	مسئلہ مذکورہ
۲۹۴	حکم امامت با اجرت
۲۹۵	حکم عدم متابعت امام اور قیام الی الخامسہ
"	تحقیق کراہت و عدم کراہت جماعت ثانیہ در مسجد شارع عام
۲۹۹	جماعت ثانیہ

۳۰۰ مسئلہ مذکورہ
۳۰۱ مسئلہ مذکورہ
۳۰۲ مسئلہ مذکورہ
۳۰۳ حکم جماعت نوافل
" مسئلہ مذکورہ
۳۰۴ حکم اقتداء خلف غیر مقلد و مبتدع و مخالف مذہب مقتدی
" بدعتی کی اقتداء کا حکم
" بعد اذان مغرب چھ سات منٹ کا توقف جائز ہے یا نہیں
۳۰۵ اقتداء بغیر مقلد
" مسئلہ مذکورہ
۳۰۸ حکم اقتداء مقلد خلف غیر مقلد
" حکم اقتداء پابند نماز خلف غیر پابند
۳۰۹ حکم امامت شخصے کہ ثنایا علیانہ دارو
" جس شخص کے اوپر کے دانت نہ ہوں اس کی امامت کا حکم
۳۱۰ حکم جذب مقتدی مسبوق را از وسطہ صف بعد اتمام صف
۳۱۱ حکم شرکت در جماعت صلوٰۃ جو شخص تنہا نماز پڑھ چکا ہے اس کو نماز میں شریک ہونا چاہئے یا نہیں
" حکم امامت بغیر عمامہ مع ذکر عبارات کتاب نفع المفتی و فتاویٰ اشرفیہ وغیرہ
" مسئلہ مذکورہ
" مسئلہ مذکورہ
۳۱۳ عدم جواز ترک جماعت بتوہم قلت رعب از قلوب رعایا
۳۱۴ امام و خطیب کی بعض کوتاہیوں کے احکام
۳۱۷ لنگڑے کی امامت کا حکم
" بعد راکڑ بیٹھنے والے کی امامت
۳۱۸ جواز امامت قاعد کہ بر قیام قادر نباشد مع استحباب ترک امامت آں
" پابندی جماعت کیلئے بالغ لڑکے کو مارنے کا حکم
۳۱۹ تعدیہ کراہت صلوٰۃ امام بمقتدی

صفحہ	مضمون
------	-------

۳۱۹	حکم امامت معذور بوقت انقطاع عذر
"	حکم اقتداء مرا امام را چون امام قبل از تمام موقوف تشہد قیام کند باسلام و بد
۳۲۰	حکم سلام مقتدی قبل سلام امام
"	حکم امامت ولد الزنا کہ عالم باشد
۳۲۱	کراہت طویل کردن امام صلوٰۃ را
۳۲۲	تحقیق عذر بودن خوف ضیاع مال و ترک جماعت احیاناً
۳۲۳	احوط بودن شرکت با عادیہ برائے مقتدی صحیح خوان خلف امام غلط خواں بجمہوری و عذر شرعی
"	مسئلہ مذکورہ
۳۲۴	معنی تراص و الزاق در نماز با جماعت
"	مسئلہ مذکورہ
۳۲۶	تحقیق صحت اقتداء در مسجد کبیر با وجود فصل کثیر
۳۲۷	حکم جواز صلوٰۃ خلف امام فاسق و عدم کراہت در حالت اضطراب
"	جواز تقدم مقتدی از خود وقت حدث امام در نماز
"	تفصیل حکم دعا کردن در سجدہ و غیرہ بزبان غیر عربی برائے غرض دنیوی و اخروی
۳۳۰	عدم کراہت امامت در نماز فجر و ظہر و عشاء بدون ادائے سنن قبلیہ
"	جامع مسجد کی فضیلت
"	نمازیوں کو نماز کے لئے بلانا
"	مسئلہ مذکورہ

باب مایفسد الصلوٰۃ وما یکرہ فیہا

۳۳۱	حکم تغنی بالقرآن در نماز
"	معنی کراہت قیام امام در محراب
۳۳۲	مسئلہ مذکورہ
۳۳۳	قیام امام در محراب
۳۳۴	محراب میں نماز کا حکم
"	حکم غیر مفسد بودن فتح بر امام اگر چہ بعد سے آیت باشد

صفحہ	مضمون
۳۳۴	مسئلہ مذکورہ
۳۳۵	حکم تنحیح در نماز
"	حکم تاؤہ در نماز
۳۳۶	نماز میں بدن کھیلانے کے احکام
۳۳۷	دامن چیدن در نماز
	جس شخص کے پاس اچھے کپڑے موجود ہوں وہ متبذل حقیر قسم کے کپڑوں سے نماز پڑھے تو مکروہ ہے
"	دلیل کراہت استعانت بالربکب در غیر نفل
۳۳۸	حکم مفسد نہ بودن جلسہ استراحت بعد السجدتین
"	کراہت فصل بسورۃ قصیرہ و قراءت خلاف ترتیب بلا لزوم سجدہ سہو
۳۳۹	صرف از ارور داء پہن کر نماز پڑھنے کا حکم
۳۴۰	صلوۃ بین الساریتین کا حکم
۳۴۱	حکم قیام امام در محن مسجد بمقابلہ محراب
۳۴۲	تخلل ستون ہا در صف
۳۴۵	تحقیق حکم صلوۃ بحالت اطلاق از رار (گھنڈیاں بٹن وغیرہ)
"	نماز میں عورتوں کا کہنیوں تک ہاتھ کھولنے یا ٹخنے کھولنے کا حکم
۳۴۶	نماز میں رونے کا حکم
"	بطلان نماز بکشف ربع عضو
۳۴۷	نماز میں عینک لگانے کا حکم
"	مکروہ تحریمی بودن نماز بر سجادہ کہ در ان بر جائے سجدہ تصویر جاندار باشد
"	حکم استقبال مصلی نقشہ روضہ مطہر
۳۴۸	حکم مشی در صلوۃ بعد رمطر
۳۴۹	حکم خواندن نماز سر بر ہنہ
"	شبہ بر عبارت تذکرۃ الرشید در بارہ فساد صلوۃ از ختم کردن مقتدی سلام اول را بل امام خود
۳۵۰	کیا چادر اور رضائی کا لٹکانا اسباب میں داخل ہے
"	قراءۃ لفظ عطا در محل عذاب

- ۳۵۱ مسجد کی چھت پر نماز مکروہ ہے
- " مواضع غضب و عذاب میں ممانعت کی نماز اور اس کی حکمت
- ۳۵۲ نماز میں دونوں پاؤں پر برابر زور دے کر کھڑا ہونا مکروہ ہے یا ایک پیر پر زور دے کر کھڑا ہونا
- ۳۵۳ تحقیق صحت و عدم صحت صلوٰۃ باستعمال خف ساختہ از صوف حیوان غیر مذبوح
- " حکم ترک قعدہ در سنن یا تراویح
- ۳۵۵ نماز میں زیروزبر کی غلطی کا حکم
- " قنوت وتر میں امام کو لقمہ دینے کا حکم
- ۳۵۶ جس کو سجدہ میں پیشاب کا قطرہ آجاتا ہو اس کا حکم
- " امام کو لقمہ دینا کسی حال میں مفسد نماز نہیں

نماز وتر

- ۳۵۷ حکم تعیین سورہ مخصوصہ در نماز وتر
- " وتر میں کسی خاص سورت کو متعین کر لینا رمضان میں و تروں کا جماعت کے ساتھ پڑھنا بہ نسبت
- " وقت تہجد کے افضل ہے
- " سوال مذکور
- ۳۵۸ وتر میں منفرد کے لئے جہر اور عدم جہر دونوں جائز ہیں
- ۳۵۹ وتر بعد تراویح یا بعد تہجد
- " وتر کی جماعت رمضان کے ساتھ مخصوص ہے غیر رمضان میں مکروہ ہے
- " جو لوگ تراویح بالکل نہ پڑھیں وہ وتر بھی جماعت سے نہ پڑھیں
- " وتر کی نیت میں لفظ واجب کہنا یا نہ کہنا
- ۳۶۰ سوال مذکور
- " قنوت وتر میں نخلع و وترک کے معنی
- ۳۶۱ قنوت نازلہ میں رفع یدین وغیرہ کے احکام

باب النوافل

- ۳۶۲ وتر کے بعد کی نفل کو بھی دوسری نفلوں کی طرح کھڑے ہو کر پڑھنا افضل ہے
- " سوال مذکور

۳۶۳	سوال مذکور.....
"	سوال مذکور.....
۳۶۴	فرض کی جماعت کھڑی ہو جانے کے بعد سنت فجر پڑھنے کا حکم.....
۳۶۵	سوال مذکور.....
"	سوال مذکور.....
۳۶۶	سنت پڑھتے ہوئے جماعت کی تکبیر ہو جانے کا حکم.....
۳۶۷	جس کے ذمہ قضا نمازیں ہوں اس کو نفلیں پڑھنے سے زیادہ قضا کا اہتمام کرنا چاہیے.....
"	گھر میں سنت پڑھنے کے بعد مسجد میں تحیۃ الوضو کا حکم.....
۳۶۸	عشاء کی دو رکعت سنت کے بعد نفل پڑھنے کا حکم.....
"	تہجد کی بارہ رکعت کا ثبوت.....
۳۶۹	حقیقت صلوٰۃ معکوس.....
"	تحقیق چار رکعت قبل عشاء.....

تراویح

۳۷۰	ایک مسجد میں تراویح کی کئی جماعتوں کا حکم.....
"	بحالت عذر تراویح جانور کی پشت پر پڑھی جاسکتی ہے.....
۳۷۱	تعداد رکعات میں کمی نہ کریں.....
"	تراویح میں اجرت لے کر قرآن پڑھنے اور اس کے سننے کے احکام.....
۳۷۹	سوال مذکور.....
۳۸۱	مسئلہ مذکورہ.....
"	مسئلہ مذکورہ.....
۳۸۲	تہجد یا تراویح میں جہر کر سکتا ہے.....
"	حکم شیینہ متعارفہ.....
۳۸۳	مسئلہ مذکورہ.....
۳۸۴	مسئلہ مذکورہ.....
"	کسی خاص شخص کی رعایت سے اس کے فوت شدہ قرآن کو تراویح میں لوٹانا.....

صفحہ	مضمون
------	-------

۳۸۵	تراویح میں دوسری رکعت پر بیٹھنا واجب ہے
"	نماز تراویح میں جلسہ کی مقدار
"	تراویح مردوں عورتوں دونوں کے لئے سنت مؤکدہ ہے
۳۸۶	جماعت تراویح سنت عین ہے سنت کفایہ نہیں
"	تراویح کی ایک رکعت میں قل ہو اللہ کا تکرار
۳۸۷	مسئلہ مذکورہ
۳۸۸	تراویح میں عذر کی وجہ سے تعداد رکعات کم نہ کرے
"	تراویح میں ہر سورت کے شروع پر بسم اللہ کا جہر کرنا
۳۸۹	سامع کو اجرت لینا جائز ہے قاری کو جائز نہیں
"	جس شخص کی کچھ رکعات تراویح رہ گئیں وہ وتر کی جماعت میں شامل ہو جائے باقی ماندہ تراویح بعد میں پڑھے
۳۹۰	اجرت لے کر قرآن سنانے والے کا قرآن سننا
"	تراویح میں بھول کر دو رکعت کے بجائے چار پڑھ لی
۳۹۱	تراویح میں قرآن ختم کرنے کا سنت مؤکدہ ہونا مع دلائل
۳۹۲	جن بلاد میں رات دن بہت بڑے ہوتے ہیں وہاں نماز روزہ زکوٰۃ کے احکام

باب ادراک الفریضة وقضاء الفوائت

۳۹۶	صاحب ترتیب کی تعریف
۳۹۷	قضا کے وقت نیت میں نماز کو متعین کرنا ضروری ہے
"	مرتد اگر پھر مسلمان ہو جائے تو قضا نماز کے احکام
"	قضا صرف فرائض اور وتر کی ہوتی ہے سنتوں کی نہیں
۳۹۸	توبہ سے قضا و نماز معاف نہیں ہوتی
۳۹۹	جس شخص کو فساد نماز کا علم نہ ہو اس سے ترتیب ساقط ہے
۴۰۰	اکیلے نماز مغرب شروع کر دی پھر جماعت کھڑی ہو گئی اس کا حکم

لاحق اور مسبوق کے احکام

۴۰۱	مسبوق جو قعدہ اولیٰ یا اخیرہ میں شریک ہو تو وہ اپنا تشہد پورا کرے یا امام کا اتباع کرے
-----	--

۴۰۱ مسئلہ مذکورہ
" مسبوق نے بھول کر امام کے ساتھ سلام پھیر دیا
۴۰۲ امام کے فارغ ہونے کے بعد مسبوق کی بقیہ نماز پورا کرنے کا طریقہ
۴۰۳ مسبوق اپنی رکعات فائتہ میں جہر کر سکتا ہے
" احق و مسبوق کے متعلق چار سوال و جواب مفصل مکاتیب بعض علماء

سجدہ سہو کے احکام

۴۱۴ قعدہ اولیٰ میں درود شریف پڑھنے پر سجدہ سہو
" رکعت ثانیہ یا ثالثہ پر بقدر تسبیح بیٹھنے سے سجدہ سہو
" بقدر ایک تسبیح کے موجب سجدہ ہے یا بقدر ایک رکن کے اس کی مفصل تحقیق
۴۱۶ پہلی دو رکعتوں میں سورت نہ ملائی تو آخری دو رکعتوں میں پڑھے اور سجدہ سہو کرے
۴۱۷ ترک تعدیل سہو سے سجدہ سہو واجب ہے
" خارج صلوٰۃ شخص کے کہنے پر عمل مطلقاً مفید نماز نہیں بلکہ اس میں تفصیل ہے
۴۱۹ مسئلہ مذکورہ
" مسئلہ مذکورہ
۴۲۰ جہری نماز میں کچھ قراءت سرأ کر لی تو اعادہ کرے یا نہ کرے اور سجدہ سہو لازم ہے یا نہیں
۴۲۱ مسئلہ مذکورہ
۴۲۲ سجدہ سہو میں تشہد کا ثبوت
" مسئلہ مذکورہ
۴۲۴ نماز میں سجدہ تلاوت کے احکام
۴۲۵ سورت پڑھنا بھول کر رکوع کر لیا تو لوٹ کر سورت پڑھے
" تعداد رکعات بھول جانے اور امام و مقتدی میں اختلاف کا حکم
۴۲۶ بھول کر کوئی رکعت زیادہ پڑھی گئی
" قعدہ اخیرہ ترک ہو جانے اور ایک رکعت اور زیادہ میں اختلاف ہو
۴۲۷ عیدین اور جمعہ میں سجدہ سہو کا حکم
" امام تارک سجدہ سہو کے اعادہ کے وقت اس کی اقتداء کا حکم

- ۲۲۷ تشہد اخیر کے بعد سجدہ تلاوت یاد آیا.....
 کسی نے آخری دو رکعتوں میں بھول کر سورت ملائی اور اس کو موجب سجدہ سہو سمجھ کر غلط سجدہ
 ۲۲۸ کر لیا تو نماز کا حکم.....
 ۲۲۹ سنت مؤکدہ میں قعدہ اولیٰ ترک ہو جانے کا حکم.....
 " حکم سقوط سجدہ سہو در صورت وجود مانع بناء.....
 ۲۳۰ سجدہ سہو ترک ہو جانے سے اعادہ نماز ایک رکعت کے سجدہ کی قضا دوسری رکعت میں.....
 ۲۳۱ امام قعدہ اولیٰ بھول کر تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہو گیا تو مقتدی بھی اتباع کریں.....
 " تکرار فاتحہ سے سجدہ سہو لازم ہے سجدہ نہ کرے تو اعادہ لازم.....
 ۲۳۲ نماز میں بکثرت سہو ہونے کا حکم.....

صلوة المريض

- ۲۳۳ جب سر کا اشارہ بھی نہ کر سکے یا مضر ہو تو نماز ترک کرنا جائز ہے.....

سجدہ تلاوت

- ۲۳۴ نماز میں غیر نمازی سے آیت سجدہ سن لی تو نماز کے بعد سجدہ تلاوت کرے.....
 " سجدہ تلاوت نماز میں رکوع یا سجدہ صلوٰۃ سے بھی ادا ہو جاتا ہے.....
 ۲۳۵ مسئلہ مذکورہ.....
 ۲۳۶ مسئلہ مذکورہ.....
 " سورہ حج کے دوسرے سجدہ کی تحقیق.....
 ۲۳۷ سجدہ تلاوت کا مستحب طریقہ.....
 " خطبہ یا کسی نظم میں آیت سجدہ آجائے تو سجدہ واجب ہے.....
 " سجدہ تلاوت سے پہلے اور بعد میں قیام.....
 ۲۳۸ سجدہ تلاوت کی تاخیر گناہ نہیں.....
 " تعداد سجدات تلاوت.....
 " متعدد سجدے لازم ہوں تو کس طرح ادا کرے.....
 ۲۳۹ ایک منفرد نماز پڑھنے والے نے امام سے آیت سجدہ سنی.....
 " میت کے ذمہ سجدہ تلاوت کا حکم.....

صلوة المسافر

- ۴۴۰ وطن اقامت سفر سے باطل ہو جاتا ہے اس کے معنی
- ۴۴۱ مسئلہ مذکورہ
- ۴۴۲ مسئلہ مذکورہ
- ۴۴۳ زوجہ کا وطن شوہر کا وطن ہوتا ہے یا نہیں
- " مسافت قصر کی نیت سے نکلے تب قصر ہوتا ہے
- " ریل نے چلنے کے لئے سیٹی دی تو نماز توڑ دینا جائز ہے
- " شغف میں نماز کا حکم
- ۴۴۴ ریل میں نماز کا حکم
- ۴۴۶ مسئلہ مذکورہ
- ۴۴۷ مسئلہ مذکورہ
- " مسئلہ مذکورہ
- ۴۴۹ سیاح کے لئے قصر نماز کا حکم
- ۴۵۰ گھوڑے پر نماز
- " مختلف مقامات میں قیام کی نیت ہو تو قصر ہے یا نہیں
- ۴۵۱ کشتی یا جہاز قابل اقامت مقام نہیں
- " مسئلہ مذکورہ
- ۴۵۲ ملازم قصر و اتمام میں اپنے آقا کا تابع ہے
- " مسافر کی نماز مقیم امام کے ساتھ فاسد ہو گئی تو اعادہ کے وقت قصر کرے گا
- " کیا عورت کو شادی کے بعد اپنے میکہ میں قصر کرنا ہوگا
- ۴۵۵ جنگل میں رہنے والوں کے لئے قصر یا اتمام
- " ملازمین جہاز کے لئے قصر یا اتمام کا حکم
- ۴۵۶ مسئلہ مذکورہ
- ۴۵۹ جب تک کسی دوسری جگہ کو وطن اصلی نہ بنائے پہلا وطن ہی وطن اصلی رہے گا
- ۴۶۰ کشتی یا جہاز جو کنارہ پر بندھی ہو اس میں نماز

۴۶۰ ریل میں اگر سجدہ کی جگہ نہ ہے تو کیا اشارہ سے سجدہ کرے
۴۶۱ سفر میں مسافت کا اعتبار ہے وقت کم لگے یا زیادہ
" تحقیق نماز درہوائی جہاز بوقت طیران
۴۶۲ مسئلہ مذکورہ
۴۶۳ مسئلہ مذکورہ
۴۶۴ ہوائی جہاز کے سفر میں مسافت قصر
" سفر کے درمیان ارادۂ سفر ملتوی کرنے کا حکم
۴۶۵ اہل کاروں کے دورہ میں قصر نماز کا حکم
" مسئلہ مذکورہ
" مسئلہ مذکورہ
۴۶۶ مسافت سفر قطع کی مگر ارادہ اتنی مسافت کا نہ تھا تو قصر نہ کرے
۴۶۷ حکم فوت سجدہ
۴۶۹ رسالہ نافع الاشارہ الی منافع الاستخارہ

صلوۃ الجمعة والعیدین

۴۷۳ دُعاء بعد خطبہ عید
" نماز عید کے بعد دعا
۴۷۴ مسئلہ مذکورہ
" مسئلہ مذکورہ
۴۷۵ نماز عیدین کے بعد دعا کا طریقہ
۴۷۶ تحقیق جواز سلام امام قبل صعود علی المنبر و بعد صعود بوقت خطبہ
۴۷۷ مسئلہ مذکورہ
" مسئلہ مذکورہ
۴۷۸ عیدین کی نماز کا عید گاہ میں پڑھنا مؤکد ہے
۴۷۹ نماز جمعہ کے لئے کم از کم چار نمازی ہونا شرط ہے
" کوٹھی بنگلے جو شہر کے قریب ہوں ان میں جمعہ جائز ہے

صفحہ	مضمون
------	-------

۴۸۰	سرکاری دفاتر اور قلعہ میں نماز جمعہ کا حکم
۴۸۱	منتشر آبادی میں جمعہ کا حکم
۴۸۳	قصبہ میں جمعہ کا جواز
۴۸۵	قریہ کبیرہ میں جواز جمعہ
۴۸۶	مسئلہ مذکورہ
"	دیہات میں جمعہ کی تحقیق مفصل
۴۹۲	وقت گزرنے کے بعد نماز عید کی قضا نہیں
۴۹۵	خطبہ بیٹھ کر پڑھنے کا حکم
"	دیہات میں سلطان اسلام کی اجازت سے جمعہ کے قیام کا حکم
۴۹۶	جمعہ یا عیدین کے خطبہ میں یاد آیا کہ صبح کی نماز نہیں پڑھی
"	جمعہ وعیدین میں نماز ایک شخص پڑھائے اور خطبہ دوسرا آدمی دے اس کا حکم
۴۹۷	شہر کے متصل آبادی میں جمعہ کا مسئلہ
"	ایسی سخت گرمی جس سے بیمار ہو جانے کا قوی خطرہ ہو جمعہ سے عذر ہے
۴۹۸	مسئلہ احتیاط الظہر بعد الجمعة
"	مسئلہ مذکورہ
۵۰۰	مسئلہ مذکورہ
"	معذورین کے لئے جمعہ کے دن ظہر کی جماعت کا حکم
۵۰۱	مسافرین کے لئے جمعہ کے دن ظہر کی جماعت کا حکم
۵۰۲	عید جمعہ کے دن واقع ہو تو جمعہ کی نماز بھی فرض ہے
"	دیہات میں اقامت جمعہ کے مصالح و فوائد کا جواب
۵۰۳	جمعہ سے پہلے کی سنت بعد جمعہ کے پڑھے تو نیت ادا ہی کی کرے
"	جس نوکر کو اس کا آقا جمعہ کی اجازت نہ دے تو اس کے لئے ترک جمعہ جائز نہیں
۵۰۴	غیر عربی زبان میں خطبہ پڑھنے کا حکم
"	نماز عید بضرورت شہر کے متعدد مقامات میں جائز ہے
۵۰۵	مسئلہ مذکورہ
"	عید الاضحیٰ کو دوسرے روز تک عذر کی وجہ سے مؤخر کرنا

صفحہ	مضمون
------	-------

۵۰۵	نماز عید عید گاہ میں ہو جانے کے بعد دوسری جگہ جماعت کرنا
۵۰۷	دوران خطبہ میں خطبہ کا ترجمہ سنانا
"	مسئلہ مذکورہ
۵۰۸	خطبہ میں فارسی اردو کے اشعار پڑھنا مکروہ ہے
۵۱۰	اذان خطبہ سے پہلے وعظ یا خطبہ کا ترجمہ
۵۱۱	ایک شہر میں متعدد جمعے جائز ہیں
"	مسئلہ مذکورہ
۵۱۳	خطبہ کے وقت ہاتھ میں عصا لینا ضرورت جائز ہے ضروری سمجھنا مکروہ ہے
"	تکرار جماعت جمعہ کا حکم
۵۱۴	عربی زبان کے سوا کسی زبان میں خطبہ مکروہ ہے
۵۲۱	مسئلہ مذکورہ کے متعلق متعدد سوال و جواب
"	تقریظ بر رسالہ العجوبہ فی عربیۃ خطبۃ العروبہ
۵۲۲	جمعہ میں قعدہ میں شریک ہونے والا جمعہ کی نماز پوری کرے
۵۲۳	دو گاوں قریب قریب ہیں دونوں مل کر قصبہ کی برابر ہیں تو ان میں اقامت جمعہ و عید کا حکم
۵۲۵	مصر کی اتریف میں کثرت سکانات کی تحدید
۵۲۶	تکسیرات عیدین میں رفع یدین کی دلیل
"	قریہ صیغہ میں جمعہ نہ ہونا
"	بنگال کے دیہات میں جمعہ کا حکم
۵۲۷	قریہ کبیرہ کی تعریف
۵۲۸	مسئلہ مذکورہ
۵۲۹	عید سے پہلے نماز اشراق پڑھنے کا حکم
"	جمعہ کے لئے مصر کی شرط
"	مسئلہ مذکورہ
۵۳۰	جمعہ و عیدین میں امام و خطیب کا علیحدہ علیحدہ ہونا
"	اذان جمعہ کے بعد کھانا پینا
۵۳۱	جو کام سعی جمعہ میں مغل ہو اذان کے بعد حرام ہے

- خطبہ سننا واجب ہے ۵۳۱
- گر جا کے میدان یا فاحشہ عورت کی بنائی ہوئی عید گاہ میں عیدین کی نماز کا حکم "
- جمعہ کو فرض نہ جاننے والے اور احتیاط الظہر پڑھنے والے کی امامت جمعہ کا حکم ۵۳۲
- قبل جمعہ کی چار سنتیں مؤکدہ ہیں یا نہیں اور بعد جمعہ کے چار مؤکدہ ہیں یا دو ۵۳۳
- حکم دعا ثانی بعد نماز سنن جمعہ "
- خطبہ میں بسم اللہ کو جہراً پڑھنا "
- اگر اسکول کے ذمہ دار طلباء کو جمعہ کے لئے چھٹی نہ دیں تو ان سے جمعہ ساقط نہیں ہوتا ۵۳۴
- خطبہ کے وقت ہاتھ میں عصا لینا ۵۳۵
- مسئلہ مذکورہ "
- مسئلہ مذکورہ "
- جبل پور سے تین میل دور کارخانہ میں نماز جمعہ شہر کے ساحل پر کھڑے ہوئے جہاز کی چھت پر نماز جمعہ ۵۳۶
- تقدیم رعایت جمعہ بر رعایت جماعت ۵۳۷
- تکبیرات زائدہ عیدین میں سہواً ترک ہو گئی "
- تحقیق خطبۃ الوداع ۵۳۰
- گاؤں میں ترک جمعہ سے خطرہ فتنہ فساد کے وقت طریق احتیاط "
- کیا حنفیہ کے لئے جائز ہے کہ جمعہ کی نماز گاؤں میں امام شافعی کے قول پر پڑھ لیں ۵۴۰
- مسلمانوں کے اتفاق سے کوئی امام مقرر کر لینے سے گاؤں میں جمعہ جائز نہیں ہوتا بخلاف امر سلطان کے "
- کیا سلطان حنفی گاؤں میں اقامت جمعہ کا حکم دے سکتا ہے ۵۴۲
- جس گاؤں میں کسی امام مجتہد کے مذہب پر جمعہ صحیح ہو اس میں باذن سلطان جمعہ ہو سکتا ہے "
- تعریف مصر میں اختلاف اقوال کا جواب "
- مسئلہ مذکورہ ۵۴۳
- مسئلہ مذکورہ ۵۴۶
- کیا اذان خطبہ میں امام کی محاذات اور قرب شرط ہے ۵۴۹
- مسئلہ مذکورہ "

۵۵۳	جمعہ کی اذان ثانی کا مسجد میں ہونا
۵۵۴	مسئلہ مذکورہ
۵۵۵	حدیث میں خطبہ مختصر اور نماز طویل پڑھنے کے معنی
۵۵۶	جمعہ کی اذان ثانی کے مسجد میں ہونے پر شبہ اور جواب
"	عیدین کے بعد مصافحہ کے رواج کا حکم
۵۵۷	خطبہ جمعہ سے پہلے وعظ جائز ہونا
۵۵۸	عورت کے لئے جمعہ کا خطبہ دینا جائز نہیں
"	نمازیوں کے بیچ میں کھڑے ہو کر خطبہ دینا
۵۵۹	معذور کیلئے جامع مسجد میں سوار ہو کر آنا جائز ہے
"	تکبیر تشریق ایک مرتبہ سے زیادہ کہنا
۵۶۰	عیدین کے خطبہ میں وعظ کہنا

نماز استسقاء

۵۵۹	استسقاء کی نماز میں چادر کس وقت پلٹے
-----	--------------------------------------

باب الجنائز

۵۶۱	میت کے لئے کلوخ اور سرمہ کا استعمال
"	مرد کے لئے عورت کو کفن پہنانا جائز نہیں
"	میت کو قبر میں داہنے پہلو پر لٹانا مسنون ہے
۵۶۲	مسئلہ مذکورہ
"	رافضی پر نماز جنازہ کا حکم
"	جو میت بغیر غسل و کفن کے دفن کر دی گئی ہو اس کا حکم
۵۶۳	عورتوں کو رنگین کفن دینا جائز ہے
"	ایک جنازہ کو دوسرے کے انتظار میں دیر کرنا مکروہ ہے
۵۶۴	آب زمزم میں تر کئے ہوئے جامہ احرام سے کفن دینے کی تحقیق
۵۶۵	شوہر کے لئے اپنی زوجہ کو غسل نا جائز ہونے پر شبہ اور جواب مفصل
۵۷۰	مرد میت کو غسل دینے والا کوئی مرد نہ ہو تو محرم عورت غسل دے

۵۷۱ غسل کے وقت میت کو رو بقبلہ لٹانا
" میت کے غسل کے وقت اس کا سر کس طرف ہونا چاہیے
" جنازہ اٹھانے کا مسنون طریقہ
۵۷۲ جنازہ اٹھانے کے وقت سر ہانے کو مقدم کرنا
" سورہ بقرہ کے اول آخر قبر پر پڑھنا
۵۷۳ چند جنازے جمع ہو جانے کا حکم
۵۷۴ امام کے سامنے میت کو چار پائی پر رکھیں یا زمین پر
۵۷۵ قبر میں لکڑی یا پختہ اینٹیں لگانے کا حکم
۵۷۶ جہاں مسلم و کافر کے جنازے آپس میں مشتبہ ہوں تو نماز جنازہ کیسے ادا کریں
" سلطان اور امام محلہ امامت جنازہ کیلئے ولی سے زیادہ حقدار ہیں
۵۷۷ مردہ سے یہ کہنا کہ میرا سلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہونچا دے
" وضو کا پانی قبر پر گرانا
۵۷۸ قبر کو مسجد کے اندر داخل کر لیا
" قبرستان میں ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا
" قبرستان میں جوتا سمیت چلنا
" غسل کے وقت میت کے نجس کپڑے پاک کرنا
۵۷۹ اگر ظاہری نجاست نہ ہو تب بھی کپڑے پر اول جو تری لگے گی کپڑا ناپاک ہو جائے گا
" قبرستان میں نماز جنازہ پڑھنے کی تحقیق
" متعدد سوال و جواب
۵۸۱ چادر نکالنے کے لئے قبر کھودنا
" بچہ کافر پر نماز جنازہ کی تحقیق
" مشرک کا بچہ پروردہ مسلم پر نماز جنازہ
۵۸۲ نماز جنازہ میں سلام سے پہلے ہاتھ چھوڑیں یا بعد میں
" فوت سلام صلوٰۃ جنازہ
" زوجہ مردہ کا شوہر کے لئے چہرہ دیکھنا
۵۸۳ پھانسی دینے پر نماز جنازہ

- ۵۸۳ عورتوں کی قبر میں بوریار کھنے کا حکم
- " جہاں لوگ نماز جنازہ سے واقف نہ ہوں
- ۵۸۴ وقتی نماز اور نماز جنازہ میں کس کو مقدم کریں
- ۵۸۵ جو شخص غرق ہو کر ریزہ ریزہ ہو گیا اس کے غسل و نماز جنازہ کا حکم
- " دفن کے بعد قبر کی مٹی کو پاؤں سے درست کرنا موت کے بعد بچہ کی آون نال کا ٹٹا
- ۵۸۶ میت کے بعض اجزاء ملے تو نماز جنازہ کا حکم
- ۵۸۷ شوہر کے لئے زوجہ کو قبر میں اتارنا بلا عذر جائز نہیں
- " کفن کے بند کو قبر میں چھوڑ دینا
- ۵۸۸ نماز جنازہ میں ولایت کی ترتیب
- " مصارف تجہیز و تکفین میں ترتیب وجوب لاش کا پوسٹ مارٹم
- ۵۸۹ میت اگر ناپاک چار پائی پر ہو تو نماز جنازہ جائز نہیں
- " خودکشی کرنے والے کی نماز جنازہ جائز ہے
- ۵۹۰ علماء اور سرداروں کو کفن میں عمامہ دینا
- " روضہ اقدس پر بناء قبہ کا جواز
- ۵۹۲ مسئلہ مذکورہ
- ۵۹۳ مردوں کو ایصال ثواب سے کرنے والے کو بھی نفع پہونچتا ہے
- ۵۹۴ مسئلہ مذکورہ
- ۵۹۵ مقبرہ میں تعمیر مکان پر شبہ اور جواب
- ۵۹۷ نماز جنازہ کے وقت میت کے مقروض ہونے کی تحقیق کا حکم
- " شہید کے بعض احکام میں غلطی کا ازالہ
- ۵۹۸ قبر کے اوپر کوئی تعمیر کرنے کا حکم
- " قبر پر چونہ قلعی کرنا
- " اپنے فرض یا واجب عمل کا ثواب دوسرے کو پہونچانا
- ۵۹۹ مسئلہ مذکورہ
- ۶۰۱ عورتوں کیلئے زیارت قبور کا حکم
- " مسئلہ مذکورہ کے متعلق متعدد سوال و جواب

صفحہ	مضمون
------	-------

۶۰۲	کفار کی تعزیت
"	کافر کا بچہ نابالغ جو مسلمان کی پرورش میں ہو اس کی نماز جنازہ کا حکم
۶۰۳	مسئلہ مذکورہ
۶۰۵	صدقات و خیرات کیلئے خصوصاً رمضان میں اہتمام کرنا ایسا تعین نہیں جو بدعت میں شمار ہو
"	قبر پر دوبارہ مٹی ڈالنا جائز ہے
۶۰۶	میت کے ہاتھ بوقت دفن کس جگہ رکھے جائیں
"	قبرستان میں جو درخت لگائے جائیں وہ بھی واقف ہونگے
۶۰۸	جنازہ کو کسی سواری پر رکھ کر لے جانا
"	موت کے بعد انبیاء کے اجساد میں کوئی تغیر نہیں آتا
۶۱۱	مسئلہ مذکورہ کے متعلق متعدد خطوط
۶۱۳	زیارت قبر سے واپس ہوتے ہوئے اس کی طرف بوجہ طبعی ادب کے پشت نہ کرنا جائز ہے
"	اہانت کفار کے خوف سے قبر کو کوئی ایسی صورت دینا جس سے حفاظت ہو جائے
۶۱۴	مسجد میں نماز جنازہ مکروہ ہونے کی تحقیق
۶۱۵	مسئلہ مذکورہ کے متعلق متعدد سوال و جواب
۶۱۶	رات کو مردوں کی ارواح گھر میں آتی ہیں اس کی تحقیق
"	رات کو دفن کرنا
۶۱۸	ایصال ثواب کا طریقہ از مکتوب امام ربانی
۶۲۱	مسئلہ مذکورہ
"	ایصال ثواب کے لئے کوئی خاص دن معین کر لینا
"	خواب کی وجہ سے کسی میت کو اس کی قبر سے منتقل کرنا جائز نہیں
۶۲۲	ولد الزنا پر نماز جنازہ کا حکم
۶۲۴	مسئلہ مذکورہ
۶۲۸	کوئی کافر مسلمان کو ایصال ثواب کے لئے روپیہ دے
"	قبر کھودنے کے آلات کو قبر کے پائمانہ میں ڈالنا
۶۲۹	وبا سے شہید ہونے والے کی تحقیق
۶۳۰	کسی شیعہ میت کے جنازہ میں شرکت کا حکم

صفحہ	مضمون
------	-------

- ۶۳۰ طعام میت کھانے سے دل مرجاتا ہے اس قول کے معنی
- ۶۳۱ متعدد اموات کو ثواب بخشا تو سب کو پورا ملے گا یا تقسیم ہو کر حسب حصہ
- ۶۳۲ کفن کے اوپر لکھنے کی روایت کی تحقیق

مسائل منشورہ متعلقہ کتاب الصلوٰۃ

- ۶۳۳ حکم تارک نماز عدا
- ۶۳۴ حکم ترک جماعت بلا عذر
- ۶۳۵ صبح سو کر اٹھا کپڑے پر اثر منی کا پایا تو کیا عشاء کی نماز کا بھی اعادہ کرے
- ۶۳۶ جامع مسجد دہلی میں جواز نماز پر شبہ اور جواب
- " نماز عصر اور فجر کے بعد امام کے سمت قبلہ سے انحراف کی تحقیق
- ۶۳۷ مسئلہ مذکورہ کی دلیل
- ۶۳۸ قنوت نازلہ میں رفع یدین اور جہر و اخفاء اور ارسال کے احکام
- ۶۳۹ مشغول بالذکر کو سلام کی ممانعت
- ۶۴۰ حالت ذکر میں سلام کا جواب نہیں
- " سجدہ دعاء
- " قیدیوں کی بنی ہوئی دری وغیرہ پر نماز کا حکم
- " جن کپڑوں پر کسی بت خانہ یا لہو و لعب کی تصویر ہو اس پر نماز کا حکم
- ۶۴۱ نمازی کے آگے کوئی بیٹھا ہے اس کو وہاں سے ہٹ جانا
- " ضرورت کی وجہ سے نمازی کے آگے سے گزر جانا
- ۶۴۲ درود شریف میں لفظ سیدنا کا اضافہ
- " کپڑا یا چھتری سترہ بن سکتا ہے
- " محمل کی جانماز پر نماز کا جائز ہونا
- ۶۴۳ جو توں سمیت نماز کا حکم
- ۶۴۴ فرائض کے بعد اور ادو وظائف
- ۶۴۵ رسالہ استحباب الدعوات عقبیہ الصلوات مودعاء و نیاز بعد انواع نماز
- ۶۶۶ مرد کا سن بلوغ

صفحہ	مضمون
------	-------

۶۶۶	ترک نماز پر جرمانہ کا حکم
"	صبح کے فرض اور سنت کے درمیان لیٹنا
۶۶۷	جو اوراد نماز کے بعد پڑھے جاتے ہیں ان کو نماز سے پہلے پڑھنا
"	بے نمازی کی تکفیر میں اختلاف
۶۶۸	مصافحہ بعد الصلوٰۃ کا حکم
"	عدم جواز استعمال آلہ مکبر الصوت
۶۷۰	مسئلہ مذکورہ کے متعلق مستقل رسالہ التحقیق الفریدی فی حکم آلہ تقرب الصوت البعید
۶۹۲	ضمیمہ متعلقہ مسئلہ مکبر الصوت وبعض دیگر مسائل امداد الفتاویٰ۔ از مولانا مفتی محمد شفیع صاحب



امداد الفتاویٰ

کے مصنف

حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ

کی

مختصر سوانح حیات

از

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ العالی

ترجمة المؤلف

یعنی مختصر سوانح حیات حضرت حکیم الامت قدس سرہ مصنف امداد الفتاویٰ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ۔ اُن یگانہ روزگار ہستیوں میں سے ہیں جن کی نظیریں ہر زمانہ کی تاریخ میں گنی چنی ہوا کرتی ہیں۔ آپ کی سیرت و سوانح پر قلم اٹھانا بھی کسی کے لئے کوئی آسان کام نہ تھا۔ خصوصاً جبکہ حضرت قدس سرہ نے اپنے غایت احتیاط و تقویٰ اور مریدین و معتقدین کے غلو کے خطرہ سے بچنے کے لئے یہ وصیت شائع فرمادی تھی کہ میری سوانح عمری نہ لکھی جائے لیکن اس وصیت کی تعمیل کے نتیجہ میں بلاشبہ مسلمان ایک بڑی خیر و برکت اور بہت سی اہم مفید چیزوں سے محروم رہ جاتے، اسی لئے خدام نے خود حضرت سے درخواست کی کہ اگر آپ کے سامنے کوئی صاحب احتیاط کے ساتھ آپ کی سیرت لکھیں اور آپ خود اس پر نظر فرما کر غلو اور نامناسب چیزوں کی اصلاح فرمادیں تو وصیت کا منشا بھی پورا ہو جائے گا اور سوانح سے جو فائدہ مسلمانوں کو عموماً، اور معتقدین کو خصوصاً پہنچ سکتا ہے۔ اس کا راستہ بھی مسدود نہ ہوگا۔

حضرت کو غایت تواضع کی وجہ سے جیسے یہ پسند نہ تھا کہ آپ کی سوانح شائع ہو اسی طرح افادہ خلق کی حرص بھی بہت تھی جو وراثت نبوت سے حصہ میں آئی تھی اس لئے اس کی اجازت دیدی۔ اور حضرت کے خلیفہ خاص خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوب مرحوم پر اس کی تصنیف کا قرعہ فال نکلا۔ آپ نے اشرف السوانح نام کی تین ضخیم جلدوں میں یہ سیرت مکمل تحریر فرمائی اور زمانہ تصنیف میں حضرت کی نظر و اصلاح کا سلسلہ جاری رہا۔ چوتھی جلد تکملۃ السوانح کے نام سے وفات کے بعد شائع کی گئی۔

اس طرح یہ نہایت مفید معلومات اور ارشادات کا خزانہ چار جلدوں میں مکمل ہو گیا۔ اس

کے بعد متعدد حضرات نے اس کی تلخیص و اختصار بھی اپنے طرز پر لکھا۔ والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ پر متعدد حضرات نے حضرت کا مختصر ترجمہ لکھنے کے لئے فرمایا مگر موصوف نے بوجہ ہجوم مشاغل مجھے اس کام کے لئے مامور فرمایا کہ اشرف السوانح میں سے مختصر حالات کا انتخاب لکھ کر پیش کر دوں۔ تعمیل حکم اور تحصیل سعادت کے لئے سطور ذیل لکھ کر پیش کر دی اور آپ کے ملاحظہ کے بعد شائع ہو رہی ہے۔ واللہ الموفق والمعين۔

محمد تقی ابن مولانا مفتی محمد شفیعؒ

دارالعلوم کراچی

نسب اشرف..... ولادت اور بچپن

۵ ربیع الثانی ۱۲۸۰ھ بروز چہار شنبہ کو صبح صادق کے ساتھ ساتھ ایک اور حقیقی صبح طلوع ہوئی اور حضرت حکیم الامتؒ جلوہ افروز ہوئے۔ اس سال کا مادہ تاریخ ”کرم عظیم ۱۲۸۰“ بھی خوب نکلا جو ہر لحاظ سے کرم عظیم اور بالکل واقع کے مطابق ہے۔

آپ کی عمر ابھی چودہ مہینہ ہی کی تھی آپ کے چھوٹے بھائی اکبر علی مرحوم کی ولادت ہوئی۔ اس لئے آپ کو دودھ پلانے کے لئے اتار رکھی گئی۔ اور اس کے بعد اسی کے دودھ سے آپ کی پرورش ہوئی۔ ابھی آپ اپنی عمر کے صرف پانچ منزلیں طے کر پائے تھے کہ آپ کی والدہ ماجدہ کا سایہ شفقت سر سے اٹھ گیا اس کے بعد آپ اپنی تائی صاحبہ کے پاس رہنے لگے۔ آپ کے والد کو آپ سے والدہ سے بھی زیادہ محبت تھی جس کی وجہ سے آپ نے ان کو بہت ناز و نعم میں پالا۔ اور تعلیم و تربیت کا خاص خیال رکھا۔ اور اس انداز سے تربیت کی کہ حضرت خود فرماتے ہیں۔

”تراویح میں ختم قرآن کی جو مٹھائی مسجدوں میں تقسیم ہوئی اس میں کبھی شریک نہ ہونے دیا بلکہ اس روز خود بازار سے مٹھائی منگوا کر اس سے زیادہ کھلا دیتے اور کہتے کہ مسجدوں میں مٹھائی کی نیت سے جانا بے غیرتی کی بات ہے، اس خوبی کے ساتھ ہم لوگوں کو حرص سے بچاتے اور غیرت سکھاتے تھے۔“ (اشرف السوانح ص ۱۹ ج ۱)

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی طبیعت خود ہی کچھ ایسی واقع ہوئی تھی کہ کبھی عام لڑکوں کے ساتھ نہیں کھیلے، نماز کا بچپن ہی سے اتنا شوق تھا کہ بعض کھیلوں میں بھی نماز ہی کی نقل اتارتے اور کبھی بازار کی طرف جانا ہوتا اور کوئی مسجد راستے میں پڑتی تو اس کے منبر پر جا چڑھتے اور خطبہ کی طرح پڑھ پڑھا کر واپس آ جاتے۔ اس کے علاوہ بچپن کی وہ شوخیاں جو عہد طفولیت کے ساتھ خاصہ لازمہ سمجھی جاتی ہیں وہ بھی حضرت کے اندر معدوم نہ تھیں بلکہ حضرت خود فرمایا کرتے تھے۔

”حالانکہ میں بچپن میں بہت شوخیاں کیا کرتا تھا مگر آج کل کے لڑکوں جیسی گندی شرارتیں نہ ہوتی تھیں۔ اس لئے سب کو بجائے ناگوار ہونے کے بھلی معلوم ہوتی تھیں۔“

(اشرف السوانح ص ۲۰ ج ۱)

بارہ (۱۲) تیرہ (۱۳) برس کی عمر ہی کیا ہوتی ہے۔ لیکن اسی عمر سے آپ کو مولانا فتح محمدؒ کے فیض صحبت کیوجہ سے ”ملک نیم شب“ کی غیر فانی لذتوں کا ادراک ہو چکا تھا۔ چنانچہ آپ کچھلی رات سے اٹھ بیٹھتے اور تہجد و وظائف میں مشغول ہو جاتے۔ تائی صاحبہ اس سے بہت کڑھتیں اور سمجھاتیں کہ بیٹا تم ابھی تہجد کے مکلف نہیں ہو۔ لیکن۔

زانگہ کہ یا فتم خبر از ملک نیم شب من ملک نیم روز بدانگے نمی خرم
حضرتؒ میں اس عمل کا اتنا ذوق پیدا ہو گیا تھا کہ وہ سنی ان سنی کر دیتے اور باز نہ آتے۔
لطافت طبع کا یہ عالم تھا کہ کسی کانگاپیٹ نہ دیکھ سکتے تھے۔ اگر دیکھ لیتے تو فوراً قے ہو جاتی
لڑکے پریشان کرنے کی غرض سے پیٹ کھول کر دکھلاتے اور آپ قے کرتے کرتے پریشان ہو
جاتے بدبو کا تو ذکر ہی کیا۔ تیز خوشبو بھی برداشت نہ ہوتی تھی۔

حصول علم

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن کریم میرٹھ میں حافظ حسین علی صاحب مرحوم سے حفظ کیا۔
عربی کی ابتدائی کتابیں مولانا فتح محمد صاحبؒ سے تھانہ بھون آ کر پڑھیں۔ اور اپنے باموں سے
فارسی کی انتہائی کتب ابوالفضل وغیرہ اس طرح پڑھیں کہ آپ کو فارسی میں پوری دستگاہ حاصل
ہو گئی۔ طالب علمی ہی کے زمانہ میں جبکہ آپ کی عمر ابھی صرف اٹھارہ سال کی تھی آپ کو مرض
خارش لاحق ہوا تو وطن تشریف لائے اور بطور مشغلہ اشعار پر مشتمل ”مثنوی زیرو بم، تصنیف
فرمائی۔ جو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی پہلی تصنیف ہے۔

ذی قعدہ ۱۲۹۵ھ کے اواخر میں آپ دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور ۱۳۰۱ھ
کے شروع میں جبکہ آپ کی عمر صرف انیس یا بیس سال تھی اور چودھویں ہجری کا آغاز ہو رہا تھا
آپ تحصیل علوم کی تکمیل کر کے افادہ خلق کے لئے تیار ہو چکے تھے۔ زمانہ طالب علمی میں طلباء
حتیٰ کہ اعزہ تک سے الگ تھلگ رہتے۔ البتہ اسباق کے مطالعہ سے ذرا فرصت ملتی تو اپنے استاذ
خاص حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی قدس سرہ کی خدمت میں جا بیٹھتے حتیٰ کہ آپ
مدرسے سے باہر اپنے رشتہ داروں سے بھی ملنے نہ جاتے تھے جن کا قیام دیوبند میں تھا۔ اور اکثر
حضرتؒ سے تقاضا کرتے رہتے تھے۔ کہ تم مدرسہ میں کیوں کھانا کھاتے ہو۔ یہاں کھالیا کرو۔
لیکن آپ نے اس کو منظور نہ فرمایا۔ آخر بہت اصرار پر اپنے والد صاحب کو لکھا کہ کیا کیا جائے۔

تو انہوں نے ایک ڈانٹ کا خط بھیجا کہ تم وہاں رشتہ داریاں جتلانے گئے ہو یا طالب علمی کرنے۔ تب آپ نے بالکل سرے سے میل جول ہی ترک فرمادیا۔

حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہ جب طلباء کا امتحان لینے اور دستار بندی کے لئے تشریف لائے تو حضرت شیخ الہندؒ نے اپنے اس ہونہار شاگرد کی ذہانت و ذکاوت کی بطور خاص تعریف کی۔ چنانچہ حضرت گنگوہیؒ نے آپ سے مشکل مشکل سوالات کئے اور ان کے صحیح جوابات سن کر مسرور ہوئے۔ خلاصہ یہ کہ بحیثیت طالب علم بھی حضرت والاؒ اپنے ہم سبقوں میں سب سے زیادہ ممتاز تھے۔ اس زمانہ میں بھی حاضر جوابی ذہانت و فطانت اور منطق و معقول میں کمال مہارت کا یہ عالم تھا کہ دیوبند میں جہاں کوئی غیر مذہب والا مناظرہ کرنے آتا۔ حضرتؒ فوراً پہنچ جاتے اور اس کو مغلوب کر دیتے۔ آپ کے استاذ مولانا سید احمد صاحب دہلوی نے سکندر نامہ میں امتحان لیا۔ اور ایک شعر کا مطلب پوچھا تو چونکہ استاد کا بتایا ہوا مطلب محفوظ نہ تھا۔ آپ نے اپنی طرف سے ایک مطلب بیان کیا۔ مولانا نے دریافت کیا کہ اور کوئی بھی مطلب ہو سکتا ہے۔ حضرتؒ والاؒ نے دوسرا مطلب بیان کر دیا۔ پھر دریافت فرمایا کہ اور کوئی بھی مطلب ہو سکتا ہے تو حضرتؒ نے تیسرا مطلب بیان کر دیا۔ مولانا نے فرمایا کہ ان میں سے ایک مطلب بھی صحیح نہیں مگر تمہاری ذہانت پر نمبر دیتا ہوں۔

اس ذہانت اور استعداد کے باوجود اس پر فخر و مباہات تو کجا۔ تواضع کا یہ عالم تھا کہ خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوبؒ تحریر فرماتے ہیں:-

حضرت والاؒ کی دستار بندی حضرت مولانا گنگوہیؒ کے مقدس ہاتھوں سے ۱۳۰۷ھ میں ہوئی۔ اس سال دیوبند میں بڑا شان دار جلسہ دستار بندی ہوا تھا۔ حضرت والاؒ نے جب سنا دستار بندی ہونے والی ہے تو اپنے ہم سبقوں کو لے کر حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کی خدمت میں پہونچے اور عرض کیا کہ حضرت ہم نے سنا ہے کہ ہم لوگوں کی دستار بندی کی جائے گی۔ اور سند فراغ دی جائے گی۔ حالانکہ ہم اس قابل ہر گز نہیں لہذا اس تجویز کو منسوخ فرمادیا جائے ورنہ مدرسہ کی بڑی بدنامی ہوگی کہ ایسے نالائقوں کو سند دی گئی۔ یہ سن کر مولاناؒ کو جوش آگیا اور فرمایا کہ تمہارا یہ خیال بالکل غلط ہے یہاں چونکہ تمہارے اساتذہ موجود ہیں اس لئے ان کے سامنے تمہیں اپنی ہستی کچھ نظر نہیں آتی اور ایسا ہی ہونا چاہئے۔ باہر جاؤ گے تو تب تمہیں اپنی قدر معلوم ہوگی۔ جہاں جاؤ گے بس تم ہی تم ہو گے باقی سب میدان صاف ہے اطمینان رکھو

(اشرف السوانح ص ۱۳۱ ج ۱)

چنانچہ آئندہ پیش آنے والے حالات نے ثابت کر دیا کہ حضرت مولانا کی یہ مبصرانہ پیشگوئی کس قدر صحیح اور واقعی تھی۔

اساتذہ کرام

اس کی بڑی وجہ ایک یہ بھی تھی کہ حضرت کو اساتذہ بھی ایسے ملے تھے کہ ”این خازمہ آفتاب ست“ کے مصداق ہر شخص اپنی اپنی جگہ پر آفتاب و ماہتاب تھا۔ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن قدس سرہ، حضرت مولانا سید احمد دہلوی، حضرت مولانا شیخ محمد تھانوی، حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی ان میں سے ہر ایک علم کا بہتا ہوا دریا اور آسمان علم و عمل پر ایک درخشندہ ستارہ تھا۔

درس و تدریس

تکمیل تعلیم کے بعد اس کا وقت اور ضرورت تھی کہ آپ نے دارالعلوم کی مبارک فضا میں رہ کر جو فیض حاصل کیا تھا اس کو عام کیا جائے۔ تو قدرت نے اس کے اسباب مہیا فرمادے۔ کانپور میں سب سے قدیم مدرسہ ”فیض عام“ تھا جس کے صدر مدرس جناب مولانا احمد حسن صاحب تھے جو اپنے زمانے کے مشاہیر علماء میں سے تھے وہ کسی سبب کی بناء پر مستعفی ہو کر چلے گئے اور علیحدہ دارالعلوم قائم کر لیا۔ ان کے تبحر علمی کے پیش نظر کسی کو ان کی مسند پر بیٹھنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ لیکن حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو اس کا کچھ علم نہ تھا۔ لہذا جب وہاں سے ایک مدرس کی طلبی ہوئی تو بارشاد اساتذہ کرام اور باجائز والد ماجد بے تامل تشریف لے گئے اور درس دینا شروع کر دیا۔ تنخواہ پچیس (۲۵) روپیہ ماہوار ہوئی۔ جو اگرچہ اس زمانے کے لحاظ سے کچھ ایسی کم نہ تھی لیکن حضرت کے کمالات اور والد ماجد کے تمول کے پیش نظر کچھ بھی نہ تھی۔ لیکن حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو بھی بہت سمجھا کیونکہ فرماتے تھے کہ میں جب کبھی طالب علمی میں تدریس کے بارے میں سوچتا تھا تو دس روپیہ سے زیادہ تنخواہ پر نظر نہ جاتی تھی نہ دس سے زیادہ کا خود کو مستحق سمجھتا تھا۔ گو حضرت رحمۃ اللہ علیہ اس وقت بالکل نوجوان اور سبزہ آغاز تھے لیکن کانپور پہونچکر وہاں کے جملہ مدرسین وغیرہ میں بہت جلد شہرت ہو گئی اور عمومی طور سے ہر دلعزیز ہو گئے۔ یہاں تک کہ مولانا احمد حسن صاحب بھی محبت و وقعت سے پیش آنے لگے ابھی یہاں کام کرتے ہوئے تین چار مہینہ ہی گزر پائے تھے کہ آپ کی غیر معمولی قابلیت کے پیش نظر منتظمین مدرسہ نے چاہا کہ حضرت اپنے مواعظ میں مدرسہ کی امداد کے لئے چندہ کی تحریک بھی کیا کریں اسے حضرت تھانوی نے غیرت دینی کے خلاف سمجھا۔ اس لئے آپ نے ایسا کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ اراکین

مدرسہ نے اس کی آپس میں بیٹھ کر کچھ شکایت کی تو اس کی اطلاع حضرت کو بھی ہو گئی اس پر آپ نے ارشاد فرمایا یہ میرا کام نہیں بلکہ خود اراکین مدرسہ کا کام ہے میرا کام تو فقط پڑھانا ہے مگر اراکین مدرسہ پر اس کا کچھ اثر نہ ہوا۔ اور وہ اس کا چرچا کرنے لگے تب آپ کو یہ بات سخت ناگوار گزری اور آپ نے وہاں سے استعفیٰ دیدیا اور واپسی وطن کا قصد فرمالیا۔ روانگی سے قبل آپ مولانا شاہ فضل الرحمن صاحب گنج مراد آبادی کی زیارت کی غرض سے گنج مراد آباد تشریف لے گئے کہ مبادا پھر اس طرف آنا نہ ہوا اگرچہ ہر ناشناس اراکین نے حضرت تھانوی جیسا گوہر بے بہا ہاتھ سے کھو دیا تھا۔ مگر اہل شہر آپ سے اس درجہ متاثر تھے کہ ان سے یہ صدمہ مفارقت برداشت نہ ہو سکا اور انہوں نے آپ کو واپس لانے کی تجاویز سوچنی شروع کر دیں۔ معززین شہر میں سے عبدالرحمن خاں صاحب اور حاجی کفایت اللہ صاحب کو آپ سے بے انتہا عقیدت تھی۔ چنانچہ انہوں نے کانپور کے محلہ پٹکا پور کی جامع مسجد میں جدید مدرسہ کھولنے کا فیصلہ کیا۔ اور تنخواہ اپنے پاس سے ادا کرنے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ جب آپ گنج مراد آباد سے واپس کانپور تشریف لائے تو ان دونوں نے آپ کو باصرار روک لیا اور آپ نے بھی اخلاص کے پیش نظر وہاں درس دینا منظور فرمالیا۔ اور اس کا نام خود ”جامع العلوم“ تجویز فرمایا۔ آپ کے تدریس کا انداز کچھ ایسا دل نشین تھا کہ بات ذہن میں اترتی ہی چلی جاتی تھی جو کوئی طالب علم دو چار سبق پڑھ لیتا پھر دوسرے سے اس کی تشفی نہ ہوتی۔ آپ مشکل سے مشکل مسئلہ کو چٹکیوں میں حل فرما دیتے اور طلباء کے اذہان میں بٹھلا دیتے آخر اسی انداز میں مسلسل ۱۴ سال درس دیا۔ اور مواعظ، افتاء اور تصانیف کا سلسلہ بھی اس کے ساتھ جاری رہا اور آخر کار صفر ۱۳۱۵ھ کے آخر میں اپنے پیرو مرشد حضرت حاجی امداد اللہ صاحب کے مشورہ سے کانپور سے قطع تعلق کر کے اپنے وطن تھانہ بھون میں قیام پذیر ہوئے حضرت حاجی صاحب اس پر مسرت کا اظہار کرتے ہوئے ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں کہ:-

”بہتر ہوا کہ آپ تھانہ بھون تشریف لے گئے امید ہے کہ آپ سے خلاق کثیر کو فائدہ ظاہری و باطنی ہوگا۔ اور آپ ہمارے مدرسہ و مسجد کو از سر نو آباد کریں۔ میں ہر وقت آپ کے حال میں دعا کرتا ہوں اور خیال رہتا ہے۔“ (اشرف السوانح ص ۹۷ ج ۱ بحوالہ مکتوبات امدادیہ نمبر ۳۶)

اس چودہ سالہ عرصہ میں آپ کے دریا کے علم سے ہزاروں افراد سیراب ہوئے جن میں سے حضرت مولانا اسحاق بردوانی۔ مولانا رشید کانپوری۔ مولانا احمد علی فتح پوری۔ مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی تھانوی۔ مولانا صادق الیقین کرسوی۔ مولانا شاہ لطف الرسول بارہ بنکی۔ مولانا

حکیم محمد مصطفیٰ بجنوریؒ مولانا فضل حق بارہ بنکی کے اسمائے گرامی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

استفادہ باطنی

عقل پرستوں اور ماہرین تعلیم و نفسیات پر تو اب یہ راز منکشف ہوا کہ صرف کتابوں اور ان کے پڑھنے پڑھانے سے ذہنیتیں تبدیل نہیں ہوا کرتیں تا وقتیکہ اس غرض کے لئے ایک مخصوص ماحول یا تربیت گاہیں پیدا نہ کی جائیں، جن میں کچھ عرصہ کے لئے طلباء یکسورہ کر مشترک زاویہ نگاہ کے تحت زندگی بسر کرنا سیکھیں۔ لیکن شمع نبوت کے پروانے اس راز کو رزاول ہی سے پا گئے تھے چنانچہ وہ اپنا زیادہ تر وقت مجلس نبوی میں گزارتے۔ اور اسلامی تعلیمات کی عملی تربیت حاصل کرتے۔ اصحاب صفہ کی زندگی اس کی بہترین مثال ہے۔ اسی لئے شروع ہی سے بزرگوں کی صحبت میں بیٹھنے اور اس سے فیض یاب ہونے کا طریقہ اسلاف میں برسرکار رہا ہے۔ کیونکہ علم و معرفت کے جو اسرار اس سے حاصل ہو سکتے ہیں۔ وہ اوراق سے ممکن نہیں۔ اکبر مرحوم نے کیا خوب کہا ہے۔

کورس تو لفظ ہی سکھاتے ہیں آدمی آدمی بناتے ہیں

چنانچہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی صحبت اہل اللہ سے نہایت دلچسپی اور اس کی طرف کمال ذوق و شوق تھا۔ آپ سلف صالحین کے حالات و تذکرہ جات بھی بڑے جھوم جھوم کر سناتے اور فرمایا کرتے تھے اور یہ حضرات اہل سکر تھے ان کے تذکروں میں بھی یہ اثر ہے کہ سکر کی سی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ حضرات عشاق تھے ممکن نہیں کہ ان کے حالات پڑھے جائیں اور قلب میں مثبت الہی پیدا نہ ہو۔ (اشرف السوانح ص ۱۰۹ ج ۱)

حضرتؒ اپنے زمانے کے تمام بزرگان دین سے ملے ہیں۔ اور ہر ایک سے دعا و توجہ اور لطف و عنایت کے ذریعہ استفادہ کیا ہے۔ چنانچہ مولانا شاہ رفیع الدین صاحب قدس سرہ کے حلقہ توجہ میں شریک رہے فرماتے ہیں کہ:-

اس قدر اثر محسوس ہوتا تھا کہ بالکل پاک صاف ہو گیا ہوں۔

اسی طرح آپ شاہ فضل الرحمن صاحب گنج مراد آبادیؒ اور شاہ ابو حامد صاحب بھوپالیؒ (جو سلسلہ نقشبندیہ کے بڑے درجہ کے بزرگ تھے) کی زیارت سے بھی مشرف رہے۔

صوفی شاہ سلیمان صاحب لاچپوریؒ حضرت شیخ مولانا فتح محمد صاحب تھانویؒ مولانا محمد

یعقوب صاحب نانوتویؒ۔ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ۔ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحبؒ۔

ان سب حضرات سے شرف ملاقات اور استفادہ اس انداز میں ہوا کہ ان میں سے ہر ایک آپ کی ذہانت۔ قابلیت اور عملی بلند مقامی کا معترف تھا۔

بیعت

ایک مرتبہ حضرت طالب علمی کے دور سے گزر رہے تھے حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ دیوبند تشریف لائے تو حضرت اشتیاق سے مصافحہ کے لئے آگے بڑھے شوق نے بے قابو کر دیا تھا۔ پاؤں بے اختیار پھسل پڑا حضرت گنگوہیؒ نے تھام لیا گو بیعت اور اس کی حقیقت سے نا آشنا تھے مگر کشش اس درجہ بڑھی کی بیعت کی درخواست پیش کر دی۔ حضرت گنگوہیؒ نے دوران طالب علمی میں اس کو مناسب نہ سمجھا اور انکار فرما دیا لیکن خاطر اشرف میں یہ خیال بصورت حسرت و یاس پرورش پاتا رہا اور جب ۱۲۹۹ھ میں حضرت گنگوہیؒ عازم حج ہوئے خود انہی کے ذریعہ شیخ العرب و انجم حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر کی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں عریضہ گزارا تا کہ ”آپ مولانا سے فرمادیں کہ مجھے بیعت کر لیں“ نہ جانے دونوں عارفین میں کیا راز و نیاز رہا۔ بظاہر یہی ہوا کہ حضرت حاجی صاحبؒ نے مکہ معظمہ سے تھانہ بھون کے اس در شہواء کو بھانپ لیا تھا۔ چنانچہ مولانا تھانویؒ ابھی طالب علم ہی تھے کہ حضرت نے آپ کے والد ماجد کو کہلا بھیجا کہ تم حج کو آؤ تو اپنے بڑے لڑکے کو ساتھ لیتے آنا۔

چنانچہ شوال ۱۳۰۰ھ میں جبکہ مجدد الملت طالب علمی کی زندگی ختم فرما کر کانپور میں مدرس و تدریس میں مصروف تھے سفر حج کے سامان مہیا ہو گئے۔ اور آپ اپنے والد کے ساتھ سفر حج پر روانہ ہوئے۔ مکہ معظمہ بعد اشتیاق پہونچے اور شیخ قدس سرہ کو مسرور فرما دست نعمت بیعت سے سرفراز ہوئے۔ حضرت شیخؒ نے چھ مہینے کے لئے روکنا چاہا مگر والد کو مفارقت گوارا نہ ہوئی۔ اس لئے آپ نے اطاعت والد کو مقدم سمجھتے ہوئے جانے کی اجازت دیدی۔ لیکن ہندوستان پہونچکر بھی حضرت کو چین نہ آیا اور یہ الفاظ مبارک ان کے کانوں میں گونجتے رہے کہ:-

”میاں اشرف علی تم میرے پاس چھ مہینے رہ جاؤ“۔ چنانچہ ۱۳۰۰ھ میں آپ نے دوبارہ عزم فرمایا اور مکہ معظمہ تشریف لے جا کر صحبت خاص کی، اس نعمت بے بہا سے مشرف

ہوئے جو عرصہ سے مرشد و مسترشد کے دلوں میں ایک تمنا بنکر پرورش پا رہی تھی۔ (۱)
 اور حضرت حاجی صاحبؒ کی قوت افاضہ اور ادھر حضرت والاؒ کی قابلیت استفادہ میں تھوڑے
 ہی دنوں میں باہم اس درجہ مناسبت پیدا ہو گئی کہ حضرت حاجی صاحبؒ یہ فرمانے لگے کہ تم میرے
 پورے پورے طریق پر ہو۔ غرض اس طرح ۱۳۱۱ھ میں حضرت والاؒ حضرت حاجی صاحبؒ کے
 رنگ میں پوری پوری طرح رنگ کر اور باطنی دولتوں سے بہرہ ور ہو کر پھر وطن لوٹ آئے۔

مسند ارشاد

خدمت مرشد سے واپس آ کر حضرتؒ کچھ روز تو کان پور میں تدریس کے کام میں مشغول
 رہے۔ اور پھر ۱۳۱۵ھ میں ان تفصیلات کے تحت جو اوپر مذکور ہوئیں (مستقل طور پر تھانہ بھون
 میں بارشاد مرشد قیام فرمالیا۔ اور یہیں سے کہ آپ کے مقصد زندگی کا وہ اہم دور شروع ہوا۔
 چنانچہ حضرت والاؒ نے تھانہ بھون کے ایک گوشہ میں بیٹھ کر دولت اور ثروت اور تمام دنیوی
 آرائشوں کو ترک کر کے بھی وہ بادشاہت کی جو کسی کے حصہ میں کم آتی ہے۔ ہندوستان بلکہ ہر
 چہار جانب سے لوگ پروانہ وار آئے اور اس شمع ضیاء پاش سے اپنی اپنی بساط کے موافق روشنی
 حاصل کر کے لے گئے۔

تشنہ گانان عشق کی آمد و رفت کا یہ عالم تھا کہ قصبہ تھانہ بھون کے لئے ایک مستقل ریلوے
 اسٹیشن بنانا پڑا۔ اور خانقاہ امدادیہ کی اس ”دکان معرفت“ پر اس قدر ہجوم ہوا جو شاید حضرت نظام
 الدین اولیاءؒ اور شیخ احمد سرہندیؒ کے بعد اپنی نظیر آپ تھا۔

علامت و رحلت

رشد و ہدایت کا وہ آفتاب جو ۱۲۸۰ھ میں تھانہ بھون کے مطلع سے نمودار ہوا اور
 ۱۳۰۱ھ سے ہندوستان کے طول و عرض میں شریعت و طریقت کے انوار پھیلاتا رہا آخر کار
 ۱۳۶۳ھ میں ہمیشہ کے لئے نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

سانحہ ارتحال سے تقریباً پانچ سال قبل ہی سے معدہ و جگر کی متعدد بیماریاں چلی جاتی
 تھیں۔ مختلف اعضاء متورم ہو چکے تھے۔ ہر چند علاج معالجہ کے باوجود بھوک تقریباً بند ہو گئی۔
 نحیف اور ناتواں اور صاحب فراش ہو گئے۔ اکثر غنودگی کی کیفیت طاری رہنے لگی۔ لیکن جب
 بھی ہوش آتا اپنے عارفانہ کلمات اور خطوط کے جوابات اسی انداز سے ادا فرماتے۔ انہی

(۱) اس سلسلہ کے تمام تفصیلی واقعات کے لئے ملاحظہ ہو اشرف السوانح ج (۱) ص ۱۶۳ تا آخر ۱۲ محمد تقی

باتوں کو دیکھ کر یہ عقدہ کھلا کہ یہ غنودگی کے دورے نہ تھے بلکہ ”ربودگی“ کی کیفیات تھیں ورنہ کسی کی عقل مان سکتی ہے کہ اس اس درجہ غنودگی یا نیم بے ہوشی کے بعد جب آنکھ کھولیں تو زبان اور گفتگو میں غنودگی کا کوئی اثر ہونے کے بجائے حکیمانہ اور عارفانہ ارشادات شروع ہو جائیں۔

بالآخر مرض موت کے دن گذرتے گئے اور دو شنبہ ۱۵ رجب ۱۳۶۲ھ کی صبح ہی سے مسلسل اسہال ہونے لگے۔ اسی روز نماز مغرب کے بعد غشی طاری ہوئی تو سوا گھنٹہ تک ہوش نہ آیا۔ سانس تیزی اور آواز سے چلتا رہا۔ جب سانس اوپر آتا تو دیکھنے والوں نے دیکھا کہ آپ کی شہادت کی انگلی کے بیچ میں ہتھیلی کی پشت سے ایک ایسی تیز روشنی نکلتی تھی کہ جلتے ہوئے برقی ققمے ماند پڑ جاتے۔ کیا عجب کہ اس نور حقیقی کی مرئی شکل ہو جو ان مبارک انگلیوں کے ذریعہ تصانیف کی شکل میں ظاہر ہوا اور بساط فکر و عمل کو منور کر گیا۔ بالآخر ۱۶ رجب ۱۳۶۲ھ اور ۱۹، ۲۰ جولائی ۱۹۴۳ء کی درمیانی رات میں خداوند حکیم و قدوس نے اپنی اس مقدس اور بیش بہا امانت کو واپس لے لیا۔ جو ربیع الثانی ۱۲۸۰ھ میں اہل دنیا کو عطا ہوئی تھی۔ فاناللہ وانا الیہ راجعون۔

مقدس آثار علمیہ و عملیہ

حضرت مجدد الملت کے دینی و علمی فیوض و برکات اس قدر مختلف الانواع ہیں کہ ان کا احاطہ ایک مختصر مضمون میں مشکل ہی نہیں ناممکن ہے۔ آپ کی تصانیف ہی کو لے لیجئے جن کی مجموعی تعداد آٹھ سو کے قریب بنتی ہے ان میں بعض بعض تو بہت ہی چھوٹے رسائل ہیں۔ جنہیں مقالات کہنا بہتر ہوگا (لیکن درحقیقت یہ مقالات بھی اپنے جلو میں اس قدر جامعیت لئے ہوئے ہیں جو ضخیم تصانیف میں بھی مشکل ہی سے ملتی ہے) اور بعض کئی کئی جلدوں میں ہیں۔ ان تصانیف کے موضوعات کو دیکھا جائے تو وقتی ضرورت کا کوئی موضوع بھی ایسا سامنے نہیں آتا جن پر آپ کی تصانیف مشتمل نہ ہوں۔ آپ اپنی تصانیف میں ہمیشہ اس چیز کا خیال رکھتے کہ جس طبقے کے لئے کتاب لکھی جا رہی ہے انداز بیان بھی اسی کے مناسب ہو یہی وجہ ہے کہ علمی مسائل سے متعلق رسالوں اور عوام کے لئے لکھی گئی کتابوں کی زبان اور طرز بیان میں بین فرق نظر آتا ہے۔ اس کا اندازہ عوامی اور سہل کتابوں میں آپ کی مقبول عام اور نہایت عظیم النفع تالیف ”بہشتی زیور“ اور دوسری طرف علمی تصانیف میں بیان القرآن اور امداد الفتاویٰ کو دیکھ کر ہو سکتا ہے۔

مواعظ و ملفوظات جن میں سے اکثر بحمد اللہ شائع ہو کر منظر عام پر آچکا ہے ان کی چاشنی وہ لوگ محسوس کر سکتے ہیں جنہوں نے اس سلسلہ کی کچھ کتابیں پڑھ لی ہوں ہر وعظ میں مختلف الانواع

علوم کا ایک سمندر ہے جو ہر چار طرف ٹھاٹھیں مارتا دکھائی دیتا ہے۔

خلفائے مجازین

ان کتابوں میں علمی خزانوں کے علاوہ آپ نے علم و عمل کے ایسے مجسم خزانے بھی چھوڑے جنہوں نے آپ کی خواہش کے مطابق آپ کے بعد بھی چشمہ فیض کو جاری رکھا اور ہزار ہا افراد کو سیراب کیا۔ آپ نے اس خیال کے پیش نظر کہ:-

”دین کے جتنے کام میں نے جاری کئے ہوئے ہیں وہ میرے بعد بھی بدستور چلتے رہیں۔ اور کسی کو میرے نہ ہونے کا اس بناء پر افسوس نہ ہو کہ دین کا کام اب کون کرے گا۔“

اپنے مسترشدین میں سے پرکھ کر ایسے موتیوں کو منتخب فرمایا کہ جو آپ کے بعد بھی آپ کے خلفاء کی حیثیت سے دینی و علمی کاموں میں مشغول رہیں اور بوقت ضرورت دوسرے افراد کو بیعت بھی کر لیں۔ چنانچہ آپ نے اپنی زندگی ہی میں بہت سے بیعت کے خواہش مند لوگوں کو ان خلفاء کی طرف رجوع کرنے کا حکم فرمایا۔ آپ خلفاء مجازین کی پوری فہرست ان کے مکمل پتے کے ساتھ اپنے پاس محفوظ رکھتے اور وقتاً فوقتاً ان کو شائع بھی فرماتے رہتے۔

ان خلفاء مجازین کی طویل فہرست میں سے حضرت مولانا عبدالغنی صاحب بھولپور ضلع اعظم گڑھ۔ اور حضرت الشیخ مولانا مفتی محمد حسن صاحب امرت تسری (مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور) مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب (مہتمم دارالعلوم کراچی) حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند۔ حضرت مولانا وصی اللہ صاحب (اعظم گڑھ) حضرت مولانا اظہر علی صاحب مہتمم جامعہ امدادیہ کشور گنج (مشرقی پاکستان) حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندہری (مہتمم خیر المدارس ملتان) مولانا عبدالباری صاحب ندوی۔ (سلمہم اللہ تعالیٰ و نفع بہم) خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ جو برصغیر ہند و پاک میں اپنے فیوض علمیہ و عملیہ سے عالم کو سیراب کر رہے ہیں۔ اسی طرح خلد آشیاں مجازین میں سے جو اپنے مرشد کی خدمت میں پہنچ چکے ہیں حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوب“ (صاحب اشرف السوانح) حضرت مولانا محمد عیسیٰ صاحب الہ آبادی۔ حضرت مولانا سید سلیمان ندوی“ حضرت مولانا حکیم محمد مصطفیٰ صاحب بجنوری قدس اللہ اسرار ہم کے اسمائے گرامی سرفہرست ہیں۔

تصوف اور اس کی حقیقت

یہاں پر ایک اور چیز کو واضح کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے اور وہ یہ کہ عام طور پر عوام بلکہ

خواص میں بھی تصوف کے بارہ میں چند بڑی بنیادی غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں۔ حضرت تھانویؒ نے ان کو اپنی تصانیف و مواعظ میں جا بجا دور فرمایا ہے۔

(۱) ایک غلط فہمی تو یہ ہے کہ تصوف کے احکام اور اس کی تعلیمات کتاب و سنت سے ماخوذ ہونے کے بجائے زیادہ تر اجنبی اور بیرونی اثرات سے متاثر ہیں۔ اس غلط فہمی کے ازالہ کے لئے حضرتؒ نے اس کی اصل اور صحیح تعلیمات کو کتاب و سنت سے جمع کر کے پیش کرنے کا اہتمام بلوغ فرمایا ہے۔ آپ نے ایک مستقل کتاب مسائل السلوک من کلام ملک المملوک تصنیف فرمائی جس میں قرآن کریم سے مسائل تصوف کو ثابت فرمایا اور دوسری کتاب ”التشرف بمعرفة احادیث التصوف“ تصنیف فرمائی جو چار جلدوں میں شائع ہو چکی ہے جس میں آپ نے وہ تمام احادیث جمع فرمادی ہیں جو تصوف سے متعلق ہیں۔

(۲) دوسری غلط فہمی خود نفس تصوف کے مفہوم ہی میں واقع ہوئی ہے اور وہ یہ ہے کہ تصوف شریعت سے بالکل جدا چیز ہے جو تصوف کو اختیار کرے اس کے لئے شریعت کے احکام کی پابندی ضروری نہیں ہے حالانکہ یہ بڑی زبردست بنیادی غلطی ہے اس کو بھی حضرت نے اپنے مواعظ اور تالیفات میں جا بجا واضح فرمایا ہے ایک جگہ پر ارشاد فرماتے ہیں کہ ایک اثر درویشوں پر یہ ہوا کہ شریعت اور طریقت کو جدا جدا سمجھے اور حقیقت کو اصلی مقصود اور شریعت کو انتظامی قانون اعتقاد کر لیا۔ علماء سے نفور ہو گئے واردات و احوال کو منتہی معراج خیال کیا خیالات کو مکاشفات اور مکاشفات کو فوق الیقینیات یقین کیا نہ اسکی میزان شرع میں وزن کرنے کی ضرورت نہ علماء سے پیش کرنے کی حاجت (تعلیم الدین ص ۵) غالی صوفی کہتے ہیں ”قرآن و حدیث میں تو ظاہری احکام ہیں تصوف علم باطن ہے ان کے نزدیک نعوذ باللہ قرآن و حدیث ہی کی ضرورت نہیں (شریعت و طریقت ص ۲۶)

نظام الاوقات و معمولات

حضرت تھانویؒ کی سوانح میں ان کے تنظیم کار کا باب ایک ایسا باب ہے جو نہایت سبق آموز ہے حضرت مجدد الملتؒ کے صرف علمی و عملی کارناموں کو پڑھنے والا بسا اوقات یہ خیال کرنے لگتا ہے کہ ایک ایسی شخصیت جس کو شب و روز اس درجہ کی مصروفیات لاحق ہوں وہ صرف انہی مشغولیات کا ہو کر رہ گیا ہو گا نہ اس کو گھر والوں کے پاس بیٹھ کر ان کے احوال سننے کا موقع ملتا ہو گا نہ وہ کسی سے خوش طبعی کے ساتھ گفتگو کے قابل ہو گا لیکن آپ کے معمولات کو دیکھنے سے

آپ کی اس کرامت کا اندازہ ہوتا ہے کہ ان تمام مصروفیات کے باوجود آپ نہ صرف عام امت کے لئے اتنا عظیم الشان تبلیغی کام کرتے تھے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ گھر والوں کے حقوق کی ادائیگی کا پورا پورا اہتمام فرماتے تھے اور حقوق کی ادائیگی کا مطلب صرف یہی نہیں کہ ان کے نفقہ کا انتظام کر دیں بلکہ ان کے پاس بیٹھتے ان کے احوال سنتے اور اپنے کہتے۔

آپ ہمیشہ نماز خود ہی پڑھایا کرتے تھے کیونکہ آپ کا خیال تھا کہ بار بار امام بدلنے سے جماعت کے نظم میں فرق آ جاتا ہے۔ نماز فجر سے فارغ ہو کر سب سے پہلے خانقاہ میں مقیم طالبین و سالکین کا جو گروہ ذکر و شغل میں مصروف ہوتا ان کے کام کی طرف متوجہ ہوتے۔ یہ لوگ اپنے اپنے باطنی حالات لکھ لکھ کر سہ دری میں لگے ہوئے لیٹر بکس میں ڈالتے۔ بعد نماز فجر حضرت خود اپنے ہاتھ سے اسے کھولتے ایک ایک پرچہ پڑھ کر ہر ایک کے مناسب اس پر جواب لکھ کر پرچوں کو منبر پر رکھوا دیتے۔ مگر اس سلسلہ میں لوگوں کو یہ تاکید تھی کہ ان کو اوپر نیچے نہ رکھا جائے بلکہ علیحدہ ہی رہنے دیا جائے۔ تاکہ ہر شخص نظر ڈالتے ہی اپنا پرچہ پہچان کر اٹھالے تلاش کی زحمت نہ ہو۔ اس سے فارغ ہو کر قرآن حکیم کی تلاوت فرماتے۔ اکثر چھوٹی حائل ہاتھ میں لیکر ہوا خوری کے لئے آبادی سے باہر نکل جاتے۔ چاشت سے لے کر دوپہر کے قریب تک پہلے تو یہ معمول تھا کہ اس میں اپنی تصنیف تالیف کا کام کیا کرتے تھے۔ پھر آخر گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ کیلئے ایک مجلس منعقد ہوتی اس میں عموماً خواص ہی ہوا کرتے بڑا مجمع کبھی نہ ہوتا۔

گیارہ بجے سہارنپور کی طرف سے گاڑی آتی۔ زیادہ ڈاک اسی سے آیا کرتی تھی اس لئے گاڑی کی آواز سن کر کبھی گھڑی دیکھ کر ذرا چند منٹ بعد اٹھنے کا قصد فرماتے اور حاضرین سے بڑے ملتیانہ انداز میں یہ کہہ کر اجازت چاہتے کہ ”ذرا گھر ہو آؤں“ پھر ڈاک دیکھنے کھانا کھانے اور تھوڑی دیر سنانے کے لئے زنا نخانہ میں تشریف لے جاتے جو وہاں سے دو فرلانگ کے فاصلہ پر تھا۔

پھر دو سوا دو گھنٹے کے بعد جب ظہر کی اذان ہوتی تو آپ واپس تشریف لاتے۔ نماز سے فارغ ہو کر سہ دری میں آ بیٹھتے۔ اسی وقت سے مجلس عام شروع ہو جاتی جو عصر کی اذان کے وقت برخاست ہوتی۔ نماز عصر کے بعد آپ واپس گھر تشریف لے جاتے اور مغرب کی نماز کے لئے پھر خانقاہ میں تشریف لاتے۔ اگر کسی کو کوئی خاص بات کرنی ہوتی یا کسی کو بیعت کرنا ہوتا تو مغرب کے بعد ان کو موقع دیا جاتا۔ ورنہ گھر میں اپنے انفرادی امور انجام دیتے مثلاً تصنیف و تالیف وغیرہ۔ مندرجہ بالا معمولات روزمرہ کچھ ایسے لگے بندھے تھے جیسے آفتاب کا طلوع و غروب اس

میں بھی فرق نہیں آتا تھا یہ ہے حضرتؒ کی سوانح حیات کا نہایت مجمل خاکہ جس میں بہت سی چیزیں عادات طریق معاشرت حسن سلوک اور لطافت و ظرافت سے متعلق باقی ہیں جن کی گنجائش نہیں رہی۔ اور دوسری مفصل کتابیں اس موضوع پر لکھی جا چکی ہیں۔ اس لئے اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

بندہ محمد تقی ابن مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ

دارالعلوم کراچی

محرم الحرام ۱۳۷۹ھ

مقدمہ امداد الفتاویٰ طبع جدید مہوَب

از مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى

امداد الفتاویٰ کے مقدمہ میں دو چیزوں کا بیان مناسب و مفید معلوم ہوتا تھا، اول فقہ اور فتاویٰ کی حقیقت و ضرورت اور مختصر تاریخ اور اس میں عہد صحابہ سے آج تک اختلافات کے وجوہ و اسباب، ائمہ اربعہ اور ان کے مذاہب کی کیفیت اور ان کے درجات، پھر در صورت اختلاف ترجیح و فیصلہ کس طرح ہو، علماء اربعہ کی کس طرح کسی فتویٰ کو اختیار کریں اور موجودہ علماء اہل فتویٰ کے اختلاف کی صورت میں عوام کیا صورت اختیار کریں، دوسری چیز میں امداد الفتاویٰ کی خصوصیات، اس کے متعلقہ مباحث، لیکن اول الذکر مباحث طویل الذیل اور نہایت مہم مباحث پر مشتمل ہے، اور اس وقت بوجہ ضعف و امراض ان مباحث کی تکمیل دشوار تھی، اس لئے سر دست امر دوم کے بیان پر اقتصار کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائیں تو ان شاء اللہ امر اول کو جداگانہ مقدمہ میں مستقل کتاب کی صورت میں شائع کر دیا جائیگا کہ وہ درحقیقت ایک مستقل کتاب ہی کی حیثیت رکھے گا۔ واللہ الموفق والمعين۔

سیدی و سندی مجدد الملت حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب قدس سرہ کو اللہ تعالیٰ نے احیاء سنت اور تجدید دین کی جن خدمتوں کے لئے پیدا فرمایا تھا، ان کا ایک اہم شعبہ تصنیف و تالیف اور مواعظ و ملفوظات کا سلسلہ ہے، جس کی عظمت و کثرت آخری صدیوں میں اپنی نظیر نہیں رکھتی آپ کی تصانیف میں اول سے آخر تک ایک چیز کا مشاہدہ ہوتا ہے کہ یہ تصانیف محض علمی مشغلہ کے طور پر تصنیف برائے تصنیف نہیں، بلکہ امت کی پیش آنے والی ضروریات پر گہری نظر اور قلبی تاثر کے نتائج اور ہر دکھتی ہوئی رگ کا علاج ہیں۔

پھر تصانیف کے وسیع و عریض دائرہ میں علوم اسلامیہ میں سے کوئی علم و فن نہیں چھوٹا جس

میں آپ کی تصنیف نہ ہو، خصوصاً تفسیر قرآن، تصوف اور فقہ آپ کے مخصوص فن تھے جن میں آپ کی اکثر تصانیف دائر ہیں۔ ان تینوں فنون میں آپ کے مجددانہ مآثر میں مقبولیت عامہ اور توفیق ایزدی اور قبول الہی کے آثار مشاہد ہوتے ہیں، زیر نظر تصنیف ”امداد الفتاویٰ“ کا تعلق فن فقہ اور فتویٰ سے ہے جو اس صدی کا ایک مخصوص مجددانہ کارنامہ ہے، جس سے اس زمانے کے عوام ہی نہیں بلکہ علماء اور ارباب فتویٰ بھی بے نیاز نہیں ہو سکتے۔

فتویٰ جس طرح علماء اسلامیہ کی روح اور عمل کرنے والے کے لئے قریب کا تحقیقاتی دفتر ہے اسی طرح اس کی ذمہ داری اور اہمیت نہایت شدید ہے، اس میں محض کتابیں پڑھ لینا یا پڑھا دینا یا فنی حذاقت و ذہانت بالکل ناکافی ہیں جب تک کہ کسی ماہر محقق، متقی، اہل فتویٰ کی صحبت میں ایک زمانہ دراز تک رہ کر اس فن کے اصول اور پھر ذوق صحیح حاصل نہ ہوں، کیوں کہ ہر زمانہ اور ہر ملک میں نئے نئے حوادث و مسائل پیش آنے کے سبب ہر زمانہ کے مفتی کو کچھ نہ کچھ اجتہاد ناگزیر ہے، جس کا مدار ذوق سلیم اور اصول صحیح کے اتباع پر ہے، اسی لئے علامہ ابن عابدین شامیؒ نے ایسے شخص کے لئے فتویٰ دینا ناجائز لکھا ہے جس نے کسی ماہر محقق اہل فتویٰ سے اس کام کو نہ سیکھا ہو، خواہ اس کی علمی استعداد اور قوت مطالعہ و ذہانت کتنی ہی بلند ہو اور ان سب چیزوں کے ساتھ تقویٰ اس کی اہم شرط ہے۔

اللہ سبحانہ تعالیٰ کو اس آخری دور میں سیدی حضرت حکیم الامت قدس سرہ سے اپنے دین کی یہ اہم خدمت لینا تھی، اس کے اسباب و شرائط آپ میں ایسے جمع فرمادیئے ہیں کہ کم کسی کو نصیب ہو سکتے ہیں، خداداد ذہانت و حذاقت، ہر فن کی مکمل قابلیت اساتذہ ماہرین پھر خاص فتویٰ سیکھنے کے لئے اول استاذ الکل حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی کی پانچ سالہ صحبت و معیت پھر ابو حنیفہ عصر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ کی خدمت میں مراجعت و استفادہ، یہاں تک کہ ۱۲۹۶ھ سے ۱۳۰۱ھ تک آپ کے کل فتاویٰ حضرت مولانا موصوف کی اصلاح و تصدیق سے مزین ہیں، اور ۱۳۰۱ھ سے ۱۳۲۳ھ تک اکثر مہمات فتاویٰ میں حضرت گنگوہی قدس سرہ کے مشورے اور اصلاحات شامل ہیں، اور ان سب چیزوں کے ساتھ کمال تقویٰ و تواضع، جس کے آثار آپ کے تمام فتاویٰ اور تحقیقات علمیہ میں مشاہد ہیں۔

امداد الفتاویٰ کی خصوصیات

(۱) جب کوئی مسئلہ آپ کے سامنے آتا تھا، کتنا ہی سہل اور صاف ہو فتویٰ لکھنے سے پہلے

اس کو بار بار بغور ملاحظہ فرماتے پھر جہاں تک ممکن ہوتا فقہاء کے فتاویٰ میں اس کا صریح جزئیہ تلاش فرما کر اس سے جواب تحریر فرماتے تھے۔

(۲) جس مسئلہ میں کوئی صریح جزئیہ ہاتھ نہ آیا وہاں اصول و قواعد سے مسئلہ کا جواب تحریر فرماتے اور آخر میں عموماً اس پر تنبیہ فرماتے تھے کہ یہ جواب قواعد و اصول سے لکھا گیا ہے، صریح جزئیہ فقہاء کے فتاویٰ میں نہیں ملا، اس لئے دوسرے علماء سے بھی مراجعت کر لی جائے اور وہ اختلاف فرمائیں تو مجھے بھی مطلع کر دیا جائے۔

(۳) جب تک آپ کے اساتذہ موجود تھے اس وقت تک تو اپنے تمام فتاویٰ اور تصانیف میں ان سے طالب علمانہ استفادہ کا سلسلہ جاری ہی رہا۔ احقر نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا وہ زمانہ پایا ہے جب اساتذہ و مشائخ کا قرن ختم ہو چکا تھا، معصروں کی تعداد بھی بہت مختصر تھی زیادہ تر علماء وقت شاگرد یا شاگردان شاگرد کی فہرست میں تھے، اپنی خداداد مہارت و حداقت کے باوجود تقویٰ اور احتیاط کا یہ عالم تھا کہ اس وقت بھی اہم مسائل میں نہ صرف معصروں سے بلکہ شاگردوں سے بھی مشورہ اور مذاکرہ کئے بغیر کوئی فیصلہ نہیں فرماتے تھے، اور علماء کو برابر وصیت فرماتے تھے کہ ہمیشہ علماء کے مشورہ کا پابند رہنا چاہئے جس شخص کے ضابطہ کے بڑے نہ رہیں۔ اس کو چاہیے کہ اپنے چھوٹوں سے مشورہ کا التزام کرے۔

(۴) عمر بھر یہ بھی معمول رہا کہ کوئی مسئلہ اپنے عمل اور اپنی ذات کے متعلق پیش آیا تو کبھی اپنے فتویٰ پر خود عمل نہیں کیا، بلکہ دوسرے ارباب فتویٰ سے فتویٰ لے کر عمل فرماتے تھے، یہاں تک کہ بہت سے سوالات اس ناکارہ خلایق کے پاس بھیج کر جواب حاصل فرمایا اور اسی پر عمل فرمایا۔

(۵) فتویٰ میں اتنی کاوش و تحقیق اور احتیاط کے باوجود اپنے سب حاضرین مجلس اور عام علماء کو یہ تاکید رہتی تھی کہ میرے کسی فتویٰ سے کسی کو اختلاف ہو تو مجھے اس پر ضرور متنبہ کیا جائے اور اگر کبھی کسی بچہ نے بھی کسی تحریر پر کوئی اعتراض کیا تو اس کو اس طرح سنتے تھے جیسے کسی پیا سے کو پانی مل جائے۔ مکرر غور و تحقیق کے بعد رائے بدلی تو فوراً اس کا علاج ماہوار رسالہ ”النور“ میں شائع ہوتا تھا، پھر یہ سلسلہ مستقل طور سے بنام ترجیح الرائج امداد الفتاویٰ کی ہر جلد کے ساتھ شامل کر کے شائع کیا جاتا تھا۔

(۶) نئے مسائل جو آلات جدیدہ کی ایجاد یا معاملات جدیدہ کے رواج سے پیدا ہوتے

تھے ان میں مسئلہ کے ہر پہلو پر گہری نظر مکمل تحقیق اور اس کے ساتھ ابتلائے عام اور عوام کی سہولت کو سامنے رکھنا آپ کا مخصوص طرز تھا معمول یہ تھا کہ معاملات میں جہاں تک اصول فقہیہ کے دائرہ میں رہتے ہوئے عوام کو کوئی گنجائش یا سہولت دی جاسکتی ہے وہ ضرور دی جائے خصوصاً ایسے معاملات میں جن میں ابتلاء اور اضطراب عام ہو ان میں اگر کسی ضعیف روایت یا مذاہب ائمہ اربعہ میں سے کسی دوسرے مذہب میں گنجائش کا پہلو نکلتا تو اسی کو اختیار فرماتے تھے، لیکن ایسے مسائل میں دو چیزوں کی پابندی سختی کے ساتھ فرماتے تھے کہ ایک یہ کہ اضطراب عام ہو بھی محض عوام کی سہل انکاری اور سستی نہ ہو دوسرے یہ کہ جس مذہب سے مسئلہ میں کوئی سہولت کی صورت لی جائے اس مذہب کی مکمل تحقیق اور مسئلہ کے ہر پہلو اور شرائط کی تفصیل اسی مذہب کے علماء اہل فتویٰ کے ذریعہ حاصل ہو جائے، محض اپنے مطالعہ پر اکتفاء اس معاملہ میں جائز نہ سمجھتے تھے۔

ہندوستان میں قاضی شرعی اور قانون شرعی نہ ہونے کے سبب نکاح، طلاق کے مسائل میں شوہروں کے مظالم اور عورتوں کے مصائب کی کثرت ہوئی، یہاں تک کہ پنجاب میں مسلم عورتوں کے ارتداد کی شہرت ہوئی تو حضرت قدس سرہؒ پر اس کا بڑا اثر تھا، ضرورت شدیدہ کا احساس فرما کر ان مسائل کی مکمل تحقیق مذاہب اربعہ سے کرنے کا عزم فرمایا، اور اس ناکارہ خلأ اور مولانا مفتی محمد عبدالکریم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے ساتھ لگا کر ان مسائل کی تحقیق اپنی اور دوسرے مذاہب کی کتابوں سے مکمل فرمائی، پھر حرمین شریفین کے علماء مالکیہ سے رجوع فرمایا اور مسلسل خط و کتابت رہی، پھر ہندوستان کے علماء سے مشورہ اور مراجعت فرمائی، تقریباً پانچ سال اس کاوش و تحقیق میں صرف فرما کر مسائل مذکورہ پر مستقل کتاب ”الحیلة الناجزة للحلیة العاجزة“ تصنیف فرمائی جو شائع ہو چکی ہے۔

(۷) ایسے مہم اور جدید مسائل کو حضرت قدس سرہؒ نے بنام ”حوادث الفتاویٰ“ ایک مستقل کتاب بھی بنا دیا ہے، جس کے اجزاء امداد الفتاویٰ کی ہر جلد کے ساتھ شائع ہوتے رہے، اس طرح امداد الفتاویٰ کے ساتھ ترجیح الراجح اور حوادث الفتاویٰ دو مستقل کتابیں بھی ہو گئیں۔

(۸) امداد الفتاویٰ کی پہلی اشاعت ربیع الاول ۱۳۲۷ھ میں مطبع مجتہبائی دہلی سے ہوئی، اس کے مقدمہ میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے خود اپنے فتاویٰ کے تین حصے قرار دیئے ہیں، پہلا حصہ جو استاد الکل حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند کے امر سے ان کی خدمت میں رہتے ہوئے لکھا گیا، اور سب کا سب ان کی نظر و اصلاح اور تصدیق سے

مزین ہوا یہ ۱۲۹۶ھ سے ۱۳۰۱ھ کے فتاویٰ ہیں اکثر فتاویٰ کے آخر میں تاریخ لکھی ہوئی ہے۔
دوسرا حصہ وہ ہے جو ۱۳۰۱ھ سے ۱۳۱۵ھ کے اوائل تک کا ہے، جو بزمانہ قیام کانپور لکھے گئے۔

تیسرا حصہ وہ ہے جو ۱۳۰۱ھ سے ۱۳۲۵ھ تک کا ہے، جن میں کثرت کے ساتھ حضرت گنگوہی قدس سرہ سے مراجعت کا موقع ملا اور ان کی نظر و اصلاح شامل ہوئی، یہ مجموعہ حسب دستور فقہاء چار جلدوں میں ابواب فقہیہ پر مرتب کر کے شائع کیا گیا، اس وقت تک نظر ثانی کرنے یا دوسرے حضرات کے توجہ دلانے سے فتاویٰ میں جو رد و بدل ہوا، اس کو انہی جلدوں کے شروع میں بعنوان تصحیح امداد الفتاویٰ شامل کر دیا گیا ہے، اس وقت تک ترجیح کا مستقل سلسلہ شروع نہیں کیا گیا تھا، نیز حوادث الفتاویٰ کا مستقل عنوان بھی ان مرتب جلدوں میں نہیں رہا۔

۱۳۲۶ھ کے بعد سے امداد الفتاویٰ کی اشاعت بعنوان تتمہ ہائے امداد الفتاویٰ ہوئی اور پہلا تتمہ ۱۳۲۶ھ سے ۱۳۳۰ھ تک کے فتاویٰ پر مشتمل ذی الحجہ ۱۳۳۰ھ میں مطبع مجتبائی دہلی سے شائع ہوا، اس کے بعد ۱۳۳۱ھ و ۱۳۳۲ھ کے فتاویٰ کا مجموعہ بنام تتمہ ثانیہ ذی الحجہ ۱۳۳۲ھ میں دہلی سے شائع ہوا، ان دونوں تتموں میں بھی ترجیح الراجح کا عنوان مستقل شروع نہیں ہوا، بلکہ جس قدر اصلاحات فتاویٰ میں عمل میں آئی ان کو آخر میں بعنوان اصلاح تسامح درج کر دیا گیا، البتہ حوادث الفتاویٰ کا مستقل سلسلہ تتمہ ثانیہ سے شروع ہو گیا۔

اس کے بعد ۱۳۳۳ھ کے فتاویٰ بنام تتمہ ثالثہ امداد الفتاویٰ ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ میں اور ۱۳۳۴ھ کے فتاویٰ بنام تتمہ رابعہ ذی الحجہ ۱۳۳۴ھ میں مطبع قیومی کانپور سے شائع ہوئے ان دونوں تتموں کے ساتھ حوادث الفتاویٰ کا سلسلہ بھی بدستور سابق شائع ہوا، اور ترجیح الراجح کا نیا سلسلہ جاری ہوا، اس کے بعد کچھ عرصہ سلسلہ اشاعت بند رہا، اور ۱۳۳۵ھ سے ۱۳۳۶ھ تک کے فتاویٰ کا ایک ہی مجموعہ بنام تتمہ خامسہ تھانہ بھون سے ۱۳۳۶ھ میں شائع ہوا، اس تتمہ خامسہ میں بھی بدستور سابق حوادث الفتاویٰ اور ترجیح الراجح کے دو مستقل سلسلے شامل رہے، اس کے بعد تتمہ سادسہ کا نمبر تھا، لیکن اس کی اشاعت کچھ عوارض کے سبب کتابی صورت میں ملتوی ہو کر ماہوار رسالہ النور میں ہوتی رہی اور ۱۶ رجب ۱۳۶۳ھ کو جب کہ حضرت اقدس نور اللہ مرقدہ کی وفات ہوئی تو فتاویٰ کا بڑا حصہ ”النور“ میں شائع ہو چکا تھا، کچھ فتاویٰ ایسے بھی تھے جو قلمی رجسٹر میں محفوظ تھے۔

(۹) یہ مختصر روئیداد ہے اس عظیم الشان علمی کارنامہ کی جو بنام امداد الفتاویٰ حضرت اقدس کی باقیات صالحات میں امت کے لئے بطور شمع ہدایت باقی رہا، اس روئیداد میں آپ کو معلوم ہو چکا کہ تبویب و ترتیب صرف ابتدائی چار جلدوں میں تھی، بقیہ جلدیں جو بنام تتمات شائع ہوئیں ان میں کوئی ترتیب نہ تھی، پھر اصلاح و ترجیح کا سلسلہ جو آخر عمر شریف تک جاری رہا، اس کے اجزاء و مباحث پوری جلدوں میں منتشر تھے ایک مسئلہ کی مکمل بحث دیکھنے کے لئے کتاب کی پوری جلدیں ساتھ رکھنا اور ان کے پورے صفحات تلاش کرنے کی ضرورت پڑتی تھی، جو عوام کیا خواص علماء کے لئے بھی آسان نہ تھا، پھر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے وقت اتفاقاً شائع شدہ جلدوں میں سے بھی کئی جلدیں نایاب ہو گئی تھیں، اس عظیم الشان علمی ذخیرہ کے اس طرح منتشر اور غیر مرتب ہونے کا احقر پر بہت اثر تھا، دل چاہتا تھا کہ کسی طرح یہ ذخیرہ اچھی ترتیب و تبویب کے ساتھ جلد مکمل طور پر کتابی صورت میں آ جائے، مگر کام ہر حیثیت سے بڑا تھا علمی خدمت کے اعتبار سے بھی اس کی تبویب و ترتیب آسان نہ تھی، اور طباعت و اشاعت کے لئے تو اتنے سرمایہ کی ضرورت تھی کہ اس کا بحالت موجودہ انتظام متصور نہ تھا، یہاں تک کہ حق تعالیٰ نے اپنے فضل سے چند بزرگوں اور دوستوں کی تعاون کے ساتھ ایک ادارہ بنام اشرف العلوم دیوبند میں قائم کرنے کی توفیق عطا فرمائی، جس کا مقصد حضرت کی تصانیف کی اشاعت ہی قرار دیا، یہ سلسلہ شروع ہوا تو فتاویٰ کی اشاعت کا داعیہ پھر قوی ہوا اور بنام خدا تعالیٰ اس کی تبویب کا کام برادر عزیز مولانا ظہور احمد صاحب مدرس دارالعلوم دیوبند کے سپرد کیا، اور ان کے ساتھ خود بھی لگا رہا، سال بھر کی محنت شاقہ سے بحمد اللہ اس تمام ذخیرہ کی تبویب مکمل ہو گئی، اس تبویب میں امور ذیل کا التزام کیا گیا،

(الف) ایک مسئلہ کے متعلق حضرت کے جتنے فتاویٰ مختلف ادوار عمر میں مختلف جلدوں میں شائع ہوئے ان سب کو یکجا کر دیا گیا، (ب) جس مسئلہ کے متعلق تصحیح امداد الفتاویٰ ضمیمہ ابتدائی چار جلد میں یا اصلاح تسامح ضمیمہ تتمہ اولی و ثانیہ میں یا ترجیح الرائج ضمیمہ بقیہ تتمات میں کوئی بحث تھی وہ سب بحثیں اسی مسئلہ کے ساتھ جمع کر دی گئیں اور جس مسئلہ میں حضرت نے رجوع اصلاح فرمائی اس کی بدلی ہوئی صورت کو اصل کتاب میں لکھ دیا گیا، اور جو پہلی صورت تھی اس کو بھی حاشیہ میں باقی رکھا گیا، (ج) ہر مسئلہ کے ساتھ اس کی طبع قدیم کی جلد اور صفحہ کا حوالہ بھی لکھ دیا گیا تاکہ اشتباہ کے مواقع پر اصل کی طرف مراجعت سہل ہو، (د) جن مسائل میں متعدد فتاویٰ بظاہر متعارض نظر آئے اور ترجیح الرائج وغیرہ میں بھی اس پر کوئی کلام نہیں ملا ان کی

تطبیق یا ترجیح کے لئے حاشیہ میں توضیح کر دی گئی (۵) جن مسائل میں کوئی اغلاق و ابہام تھا ان پر حواشی لکھ کر وضاحت کر دی گئی (۶) ترتیب میں قدیم طرز کے ابواب فقہیہ کے ساتھ اہم مسائل کے لئے جدید عنوانات اور فصول بھی قائم کی گئیں (۷) فتاویٰ کے ترتیبی نمبر ہر جلد کے علیحدہ علیحدہ لکھ دیئے گئے۔

(۱۰) تبویب و ترتیب کے بعد فتاویٰ کی کتابت شروع کرادی گئی، مگر اسی زمانہ میں ہندوستان و پاکستان کی تقسیم اور اس کے ساتھ قیامت خیز ہنگامے پیش آئے، اور پورے مشترکہ ہندوستان میں ایک انقلاب عظیم آیا، خاندان کے افراد منتشر ہو گئے، یہ ناکارہ خلّاق بھی بعض بزرگوں اور دوستوں کے اصرار سے پاکستان آنے پر مجبور ہوا،

ادارہ اشرف العلوم اور اپنے ذاتی کتب خانہ اور اکثر عیال کو دیوبند چھوڑ کر ۲ جمادی الثانیہ ۱۳۶ھ یکم مئی ۱۹۴۸ء کو کراچی کے لئے روانہ ہو گیا، کراچی پہنچ کر کچھ تو یہاں کے مشاغل جن کے لئے مجھے بلایا گیا تھا، اور کچھ افراد خاندان کو جمع کرنے اور کتب خانہ کو یہاں منتقل کرنے کی فکروں میں ڈیڑھ دو سال گذر گئے، نہ کسی تصنیف کی ہمت رہی نہ کسی کتاب کی اشاعت کا تصور، اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ امداد الفتاویٰ کی تبویب کا مسودہ اور لکھی ہوئی کاپیاں ساتھ آ گئی تھیں، جن کی اشاعت اب بنام خدا تعالیٰ شروع کی گئی ہے، پہلی جلد آپ کے زیر نظر اور دوسری زیر طبع ہے، باقی چار پانچ جلدیں اور ہوں گی، اگر اسباب میسر آئے تو ان شاء اللہ تعالیٰ وہ بھی جلد سامنے آ جائیں گی، میری دلی تمنا یہ ہے کہ میری زندگی میں یہ کتاب مکمل شائع ہو جائے۔

وما ذلک علی اللہ بعزیز، وهو الموفق والمعین۔

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

مقیم کراچی نمبر ۱

۲۷ محرم ۱۳۷۱ھ ۲۸ اکتوبر ۱۹۵۱ء



فَاسْئَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ط

چوں آیت موصوفہ دال ست

برو جواب سوال فی

الدین از اہل الذکر بالمطابقت و برو جواب بذمہ ایشان و برو جواب عمل براں
جواب کہ من حیث الذکر باشد بالالتزام و کفی بہ تنویہا بشان الاستفتاء والافتاء نیز
بودنش از اعظم مداردین از اجلی بدیہیات بلکہ مشاہدات ست بناء علیہ شطرے از
جوابات بر بعضے سوالات مسمی بہ

امداد الفتاویٰ

معروف بفتاویٰ اشرفیہ

مبوب جلد اول

کہ منقسم بر چند جلد ست و ایں جلد اول از ان ست کہ مشتمل بر تصحیح الاغلاط متعلق بخود ست
از افادات

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ

مع تبویب و ترتیب جدید

از احقر الخدام محمد شفیع سابق خادم دارالافتاء دارالعلوم دیوبند و حال صدر دارالعلوم کراچی

مکتبہ دارالعلوم کراچی

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

مقدمہ از حضرت مصنف قدس سرہ

بعد الحمد لاہلہ والصلوٰۃ علی اہلہا یہ مجموعہ ہے بعض فتاویٰ کا جو احقر نے وقتاً فوقتاً مختلف سوالات پر لکھے ہیں جس کے باعتبار احوال کمی و بیشی نظر اس احقر کے تین حصے جدا جدا تھے۔

ایک وہ جو زمانہ طالب علمی دیوبند میں بامر استاذی حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب لکھے گئے تھے اور جن پر قریب قریب کل کے حضرت مولانا قدس سرہ کی تصحیح بھی تھی۔ اور یہ زمانہ ۱۳۱۵ھ تک کا ہے۔ دوسرے وہ جو زمانہ مدرسی کانپور میں لکھے تھے جس وقت کہ کسی محقق کی صحبت نہ تھی اور عوام کی حالت کا تجربہ بھی کم تھا اور یہ وقت ۱۳۱۵ھ کے اوائل تک کا ہے۔ تیسرے وہ جو زمانہ قیام وطن میں لکھے ہیں جبکہ گاہ گاہ شرف صحبت مقدم المحققین حجۃ اللہ علی العالمین حضرت مولانا رشید احمد صاحب سے مشرف ہوا تھا اور عوام کی حالت کا تجربہ بھی اضافہ بڑھ گیا تھا ہر چند کہ ان تینوں حصوں کی شان کا باہم ممتاز ہونا مقتضی اس کو تھا کہ جدا ہی جدا رہتے مگر چونکہ اس کی ترتیب بحسب حوادث تھی ابواب ابواب پر وہ مرتب نہ ہوئے اور رغبت عام و سہولت تام تبویب میں دیکھی گئی۔ اس لئے اشاعت کے وقت اس کو باباً باباً مرتب کرنا مناسب معلوم ہوا اور ترتیب زمان اکثر جگہ خود تاریخ اور سنہ سے معلوم ہو جاوے گی جو اکثر جوابوں کے اخیر میں مرقوم ہے۔ اور تنگی نظریا قلت تجربہ سے جن مضامین میں کچھ کمی تھی اس کا تذکرہ ترتیب کے وقت نظر ثانی کر کے بقدر ضرورت کر دیا گیا اور سہولت کے لئے اس کی چار جلدیں کر دی گئیں۔ پہلی جلد میں یہ مضامین ہیں:-

طہارت۔ صلوٰۃ۔ تجوید و قرأت۔ جنازہ۔ زکوٰۃ و صدقہ۔ صوم۔ اعتکاف۔ حج۔

دوسری جلد میں یہ مضامین ہیں:-

نکاح۔ رضاعت۔ طلاق۔ حضانت۔ نفقہ۔ حدود۔ ایمان۔ نذور۔ وقف۔ ذبايح۔ اضحیہ۔
حظر و اباحت۔

تیسری جلد میں یہ مضامین ہیں :-

بیع - ربوا - کفالت - حوالہ - ودیعت - عاریت - اجارہ - دعویٰ - قضاء - شہادت - غصب - شفعہ - رہن - ہبہ - شرکت قسمت - مزارعت - لقطہ - وصیت - فرائض - مسائل شتی - مسائل طاعون

چوتھی جلد میں یہ مضامین ہیں :-

ما يتعلق بالنفسیر - ما يتعلق بالحدیث - سلوک - رویا - بدعات - تقلید - عقائد و کلام - مناظرہ فرق باطلہ - البحث علی الفلسفۃ الجدیدة - رسالہ خطاب الندوہ مع مکاتیب کالج علی گڑھ، بعض تحریرات مولانا خلیل احمد صاحب مناسبہ مقام - اس مجموعہ کے متعلق یہ امور قابل تذکرہ ہیں -

۱..... یہ مجموعہ ۱۳۲۵ھ کے ختم تک کے مسائل کا ہے اور ابتدائے ۱۳۲۶ھ سے مستقلاً جمع کئے جا رہے ہیں ان کی نسبت جو حق تعالیٰ کو منظور ہو -

۲..... اس مدت مذکورہ میں جتنے مسائل لکھے گئے ہیں یہ سب کا مجموعہ نہیں ہے بعض کسی وجہ سے نقل نہیں ہو سکے بعض غیر ضروری سمجھ کر قصداً نقل نہیں کئے گئے - اور ایسے بھی بکثرت ہیں بالخصوص زمانہ قیام کانپور کے جوابات تو قریب کل کے مدرسہ جامع العلوم ہی میں محفوظ ہیں -

۳..... اس کے قبل اس کے بعض اجزاء بلا ترتیب ابواب دو حصے کر کے شائع ہو چکے ہیں جو فتاویٰ اشرفیہ حصہ اول و حصہ دوم کے نام سے مشہور ہیں - وہ دونوں حصے بھی اس مجموعہ میں موجود ہیں مگر ان کے مضامین اس میں بوجہ تبویب کے منتشر ہو گئے ہیں -

۴..... چونکہ پہلے نام سے جو کہ بعض دوستوں نے رکھ دیا تھا لینے کے وقت بھی اور سننے کے وقت بھی مجھ کو خجلت ہوتی ہے اس لئے اس مجموعہ کا نام اپنے مرشد علیہ الرحمۃ کے اسم مبارک پر **امداد الفتاویٰ** جس کا لغوی معنی کے اعتبار سے بھی مناسب ہونا ظاہر ہے رکھتا ہوں اور چونکہ اس کے دو حصے اور نام سے شائع ہو چکے ہیں جن کے بعد اسی نام کے آئندہ حصوں کا لوگوں کا انتظار تھا محض اس پتہ لگنے کی مصلحت سے کہ اس کو نئی کتاب نہ سمجھیں اس جدید نام کے ساتھ بقاعدہ ترجیح العقل علی الطبع لفظ معروف بہ **فتاویٰ اشرفیہ** اضافہ کئے جانے کو گوارا کرتا ہوں اور یہ گوارائی اس وقت تک محدود ہے جب تک اس جدید نام کی شہرت نہ ہو جاوے اور بعد شیوع کے اس کے مابعد حصوں کے لئے جن کی ابتداء ۱۳۲۶ھ کے مسائل سے ہو سکتی ہے لوح پر صرف نام ہی لکھے جانے پر اکتفاء کرنے کو پسند کرتا ہوں -

۵..... چونکہ احقر کو فرصت بہت کم ہوتی ہے ہر مسئلہ کو اس کے مناسب باب میں وضع اور نقل کرنے کا کام بعض احباب سے لینا پڑا جس میں بعض مسائل بعض ایسے ابواب میں موضوع ہو گئے کہ بہ نسبت ان کے دوسرے ابواب سے زیادہ الصق و اوفق تھے اور چونکہ مبیضہ درست ہونے کے بعد اس کی اطلاع ہوئی اب اس کے تغیر و تبدل میں حرج عظیم تھا کتابت کا بھی وقت کا بھی صرف کا بھی اس لئے بحالہ چھوڑ دیا گیا اور بعض بعض جگہ جہاں خیال آ گیا حاشیہ میں الصقیۃ مذکورہ کی طرف اشارہ بھی کر دیا کہ طبع مکرر میں کام آ سکے۔

۶..... اگر کسی مسئلہ میں غلطی ہو مؤلف کو اطلاع کر دی جاوے نیز علماء محققین کی مدد سے اصلاح کا بھی اختیار ہے اور اگر کوئی مضمون اکابر کی تحقیقات کے خلاف ہو تو ترجیح اکابر کے قول کو سمجھی جاوے (اللہ نادر اما شاء اللہ) یا اگر اسی کے دو مسئلوں میں تعارض پایا جاوے تو متاخر التاریخ کو کہ اجوبہ کے ختم پر اکثر مقامات میں تاریخ پائی جاوے گی رائج سمجھا جاوے اور جہاں تاریخ نہ ہو علماء سے مراجعت کی جاوے۔

۷..... جو مضمون کسی عامی کی قوت فہم سے خارج ہو اس کے مطالعہ کو ترک کر دیں اور اگر فہم سے خارج نہ ہو مگر کسی عارض سے اغلاق رہ جاوے علماء سے حل کر لیں۔ اپنی رائے پر اس کے حل کرنے میں اعتماد نہ کریں۔

سب کے آخر میں سب منتفعین و ناظرین سے دُعاء حُسن قبول و حسن توفیق و حسن خاتمہ کی چاہتا ہوں۔

زبرہ اشرف علی التھانوی

لمنتصف ربیع الاول ۱۳۲۷ھ من الهجرة



کتاب الطہارۃ

فصل فی الوضوء ونوافضہ

عورتوں کے لئے مسواک کا حکم

سوال (۱) بہشتی زیور میں وضو میں مسواک کا مسنون ہونا بھی لکھا ہے حالانکہ فقہاء عورتوں کے لئے علق کو قائم مقام مسواک کے لکھتے ہیں۔ لیکن تخصیص رجال کی کوئی دلیل پائی نہیں جاتی۔ احادیث میں ترغیب و فضیلت تمام بیان کی گئی ہے رائے عالی سے مطلع فرمایا جاوے۔

الجواب۔ میرے نزدیک مسنونیت مسواک کی عام ہے۔ لا طلاق الدلیل رہا اقامت علق کا مقام مسواک میں میرے نزدیک معنی اس کے جواز اقامت ہے نہ وجوب اقامت جو مستلزم ہے نئی مشروعیت مسواک کو لعدم دلیل الوجوب۔ فقط (امداد ص ۱ ج ۱)

داڑھی کے مسح کرنے اور دھونے کا حکم

سوال (۲) شرح وقایہ میں ہے۔ فعند ابی حنیفۃ اما اللحية ربعها فرض۔ اس کا کیا مطلب ہے۔ آیا داڑھی کا مسح بھی فرض ہے یا کہ فقط سر کا مسح فرض ہے داڑھی کا مسح سنت؟

الجواب۔ اس میں تفصیل یہ ہے کہ اگر داڑھی ایسی ہو جس کے اندر جلد وجہ کی نظر آتی ہو وہاں تو اس جلد کا بھی دھونا فرض ہے اور اگر جلد مستور ہو تو جس قدر حد وجہ اور دائرہ وجہ سے نیچے لٹکی ہو اس کا مسح سنت ہے اور جو دائرہ وحد وجہ کے اندر ہو کہ اگر اس بال کو پکڑ کر کھینچا جاوے تو وجہ سے باہر نہ رہے تو اس میں کئی روایتیں ہیں۔ ایک روایت وہ بھی ہے جو شرح وقایہ میں ہے لیکن صحیح روایت یہ ہے کہ سب کا دھونا فرض ہے۔ ہکذا فی الدر المختار ورد المحتار فقط

۱۷ محرم ۱۳۲۲ھ (امداد ص ۹ ج ۱)

سوال (۳) وضو میں بصورت گھنے ہونے بال داڑھی کے جلد میں جہاں سے بال جمتے ہیں پانی پہنچانا چاہیے یا صرف بالوں پر مسح کر لینا چاہیے اور مسح بالوں کے لئے نیا پانی لینا چاہیے یا

کہ جو پانی منہ دھونے کے واسطے لیا ہے اسی پانی سے منہ پر ڈالنے کے بعد مسح کر لینا چاہیے؟
الجواب۔ جو کھال بالوں میں سے نظر آتی ہو اس کا دھونا تو فرض ہے اور جو نظر نہ آتی ہو مثلاً داڑھی گھنی ہو اس میں تفصیل یہ ہے کہ جو داڑھی چہرہ کی حد کے اندر ہے اس کا دھونا فرض ہے اور جو ٹٹکی ہے اس کا دھونا فرض نہیں بلکہ اولیٰ ہے۔

فی الدر المختار وغسل جميع اللحية فرض یعنی عملياً ايضاً على المذهب الصحيح المفتى به المرجوع اليه وما عدا هذه الرواية مرجوع عنه كما في البدائع ثم لا خلاف ان المسترسل لا يجب غسله ولا مسحه بل يسن وان الخفيفة التي ترى بشرتها يجب غسل ما تحتها كذا في النهر۔

۷ ربیع الثانی ۱۳۳۳ھ (تمتہ خامسہ صفحہ ۸۳)

وضو کے بعد (اَنَا اَنْزَلْنَاهُ) پڑھنا

سوال (۴) آپ نے بہشتی زیور کے حصہ اول میں لکھا ہے بعد وضو اَنَا اَنْزَلْنَاهُ اور دعا پڑھنا چاہیے۔ اور ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ اس کے ثابت ہونے کی حدیث موضوع ہے اور پڑھنا اس کا خلاف سنت ہے آیا ہم کس کے قول کو تسلیم کریں اور آپ نے کسی صحیح روایت سے لکھا ہو تو جواب دیں۔

الجواب۔ منیۃ المصلیٰ میں اَنَا اَنْزَلْنَاهُ پڑھنے کو لکھا ہے اور شبہ کا جواب (۱) یہ ہے کہ یہ

(۱) حضرت مولانا مظلّم العالی کا جواب مبنی بر تسلیم صحت بیان سائل ہے ورنہ اصل حقیقت یہ ہے کہ نہ ملا علی قاری نے اس حدیث کو موضوع کہا اور نہ اس پر عمل کو خلاف سنت بتلایا جیسا کہ جناب مولانا عبدالحی صاحب کی کتاب سعایہ سے یہ امر واضح ہے چنانچہ انہوں نے لکھا ہے۔ وفي المصنوع في معرفة الموضوع لعلی القاری حدیث من قرأ فی الفجر بالم نشرح والم تر لم یرمد قال السخاوی لا اصل له وكذا قراءة انا انزلناه عقیب الوضوء لا اصل له وهو مفوت سنة واراد السخاوی انه لا اصل له فی المرفوع والا فقد ذكره ابو الیث السمرقندی وهو امام جلیل واما قوله وهو مفوت سنة ای سنة الوضوء وليس له سنة مستقلة كما حققه الغزالی و انما يستجب ان یصلی بعد كل وضوء ولم یشرط احد فورية ما بعده و ینافی قراءة سورة وغیرها اهـ سعایہ ص ۱۸۳ جلد اول۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس کے موضوع کہنے کی نسبت علی قاری کی طرف بالکل غلط ہے بلکہ سخاوی نے اس کی نسبت ایک تو لا اصل لہ کہا تھا (موضوع انہوں نے بھی نہ کہا تھا) پس علی قاری نے ان کے قول کی توجیہ کی اور دوسرے انہوں نے اس کو مفوت سنہ کہا تھا (خلاف سنت نہ کہا تھا) علی قاری نے اس کا جواب دیا پس وہ قراءة اَنَا اَنْزَلْنَاهُ کی حامی ہوئی نہ کہ مانع اس سے سائل کے بیان کی غلطی معلوم ہوگئی اب سنو کہ سعایہ میں ہے فی الحلیۃ سنل عن احادیث ذکرها ابو الیث فی مقدمة فی فضل قراءة سورة القدر بعد الوضوء لشیخنا الحافظ ابن حجر العسقلانی فاجاب بانه لم یثبت منها شیئی عن رسول الله صلى الله عليه وسلم لا من قوله ولا من فعله والعلماء يتساهلون فی ذکر الحدیث الضعیف والعمل به فی فضائل الاعمال اهـ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

نہیں لکھا کہ اس کا پڑھنا سنت یا ثواب ہے اور ملا علی قاری اگر خلاف سنت کہتے ہیں تو جب کہ اس کو کوئی سنت سمجھے ورنہ کچھ حرج نہیں پس تعارض نہ رہا۔

فی رد المحتار تحت قوله واما الموضوع فلا يجوز العمل به بحال واما لو كان داخلا في اصل عام فلا مانع عنه لاجعله حديثا بل لدخوله تحت الاصل العام اه (ج ۱ ص ۱۳۳ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۲۰ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۲ھ) (امداد اول ص ۱۲)

جنازہ کے وضو سے نماز پنجگانہ کا حکم

سوال (۵) جنازہ کی نماز کے واسطے وضو کیا اس وضو سے نماز فرض پڑھ سکتا ہے۔ اگر نہیں پڑھ سکتا تو کس وجہ سے؟ بینوا تو جروا

الجواب۔ پڑھ سکتا ہے۔ ۱۵/ ذی الحجہ ۱۳۲۵ھ (امداد ج ۱ ص ۱۴)

صرف داہنے ہاتھ سے وضو کرنے کا حکم

سوال (۶) فقط داہنے ہاتھ سے بلا عذر وضو تمام کرے جائز ہے یا مکروہ؟

الجواب۔ اس کی کراہت کی نہ کوئی روایت نظر سے گزری نہ درایت اس کی موجب معلوم ہوتی ہے بلکہ بعضے اعضاء تو دونوں ہاتھ سے دھل بھی نہیں سکتے جیسے یدین الی المرئیین اور بعضے

(گزشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ) اس سے معلوم ہوا کہ حدیث قرأت سورۃ قدرے ضعیف ہے نہ کہ موضوع اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ سخاوی کے قول لا اصل لہ سے اس کا موضوع ہونا نہیں ظاہر ہوتا ہے جب یہ امر معلوم ہو گیا تو اب سمجھ کر شرح منیہ میں ہے۔

ومن الآداب ان یقرأ بعد الفراغ من الوضوء سورة انا انزلناه مرة او مرتین او ثلاثا کذا توارث عن السلف وروی فی ذلک اثار لاباس بها فی الفضائل اھـ اور سعایہ میں ہے۔ وفي المقدمة الغزنویہ فی فروع الحنفیۃ ان من المستحبات ان یقرأ بعد الوضوء سورة انا انزلناه ثلاث مرات لقوله علیہ الصلوۃ والسلام من قرأ انا انزلناه علی اثر الوضوء مرة کتب اللہ لہ عبادۃ خمسین سنة قیام لیلہا صیام نہارہا ومن قرأها مرتین اعطاه اللہ ما یعطی الخلیل والکلیم والحبيب ومن قرأ ثلاث مرات یفتح اللہ ثمانیۃ ابواب الجنة فیدخلها من ای باب شاء بلا حساب و عذاب وروی ایضاً من قرأ انا انزلناه علی اثر الوضوء مرة کتبہ اللہ من الصدیقین و من قرأها مرتین کتبہ اللہ من الشهداء و من قرأها ثلاث مرات یحشرہ اللہ تعالیٰ مع الانبیاء انتھی ان تمام تخصیصات کے مجموعہ سے اتنا ضرور ثابت ہے کہ قرأت سورۃ انا انزلنا بعد الوضوء اولیٰ ہے اور اس میں اجر کی توقع ہے گو ثواب مذکور فی الاحادیث المذكورہ کا اعتقاد جائز نہیں کیونکہ یہ امر بلا نقل صاحب وحی کے معلوم نہیں ہو سکتا اور صاحب وحی سے اس کا ثبوت نہیں ہے پس بہشتی زیور پر کچھ شبہ نہ رہا۔ واللہ اعلم

(تصحیح الاغلاط ص ۳)

اعضاء میں تعسر ہے جیسے رجلین اور روایت بھی اکتفاء کے جواز کی مؤید ہے۔ فی الدر المختار فی الآداب غسل رجليه بیسارہ فی رد المحتار عن شرح الشيخ اسمعيل قال يفرغ الماء بيمينه على رجليه ويغسلهما بیسارہ اھ۔ ۲۵ محرم ۱۳۲۶ھ (تمتہ اولی ص ۲)

شبہ خروج قطرہ و ریح ناقض ہے یا نہیں

سوال (۷) زید کو گاہ گاہ قطرہ بعد وضو خارج یا داخل نماز میں آ جاتا ہے اور گاہے خروج ریح کا شبہ ہوتا ہے ذکر میں سے اور کبھی بعد شبہ وہم خروج قطرہ دیکھا گیا کچھ بھی محسوس نہیں ہوا آپ ماہ الفرق والا امتیاز سمجھا دیں کہ کیسے یقین کیا جائے کہ قطرہ آیا یا ریح ذکر میں سے نکلی جس کی وجہ سے نیت نہ توڑی جاوے کیونکہ قطرہ سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اور ریح جو ذکر سے نکلے اس سے وضو نہیں ٹوٹتا اور یہ وہم و شبہ بھی نہ ہوا کرے فقط۔

الجواب۔ محض شبہ سے نیت نہ توڑی جاوے نماز پڑھ کر فوراً دیکھ لیا جاوے اور دیکھنے سے جو ثابت ہو اس کے موافق عمل کیا جائے۔ فقط ۳ ذی الحجہ ۱۳۲۹ھ (تمتہ اولی ص ۸)

زخم کے منہ سے پیپ وغیرہ کا نکلنا

سوال (۸) زید کے ایک پھنسی ہے جو ہر وقت بہتی ہے اور اس کے اوپر پھایا لگا ہوا ہے وہ پیپ اس پھائے میں رہتی ہے باہر نہیں نکلتی اس صورت میں وضو ہے گا یا نہیں؟
الجواب۔ اگر زخم کے منہ سے پیپ باہر آ جاتی ہو اگرچہ پھایا کے اندر رہتی ہو وضو ٹوٹ جاتا ہے لیکن جس کا زخم ہر وقت بہتا ہو بوجہ معذور ہونے کے اس کا وضو نہ ٹوٹے گا۔
۲۹ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۱ھ (تمتہ ثانیہ ص ۳۲)

معذور کے لئے وضو باقی رہنے کا حکم اور یہ کہ

وہ اسی وضو سے ادا و قضا نماز پڑھ سکتا ہے

سوال (۹) زید کو قضا نمازیں بہت سی رہی ہوئی پڑھنی ہیں اور اس کا وضو نہیں ٹھیرتا ہے اس کو وضو ٹوٹ جانے کا مرض ہے اب وہ ایک ہی وضو سے پانچ چار نمازیں اکٹھا پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟
الجواب۔ جب تک ایک وقت کسی نماز کا باقی ہے اس کا وضو ہے گا اس میں جتنی قضا نمازیں چاہے پڑھے۔
۲۹ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۱ھ (تمتہ ثانیہ ص ۳۳)

عطر کا پھایہ کان میں سے بوقت غسل نکالنا

سوال (۱۰) کان میں اگر عطر کا پھایا ہو تو مسح کرتے وقت وہ پھایا نکال کر کان میں انگلی پھرائی ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب۔ فی الدر المختار سنن الوضوء واذنیہ معافی رد المحتار ای باطنہما بیاطن السبابتین وظاهرہما بیاطن الالبہامین قہستانی۔ وفی الدر المختار مستحبات الوضوء وادخال خنصرہ المبلولۃ ضماخ اذنیہ عند مسحہما۔ اس سے معلوم ہوا کہ، اگر پھایا کان کے نرمہ میں رکھا ہو تو مسح کے وقت اس کا نکالنا سنت ہے اور اگر سوراخ میں رکھا ہو تو اس کا نکالنا مستحب ہے۔ ۹ شعبان ۱۳۳۱ھ (تمتہ ثانیہ ص ۶۳)

بوقت معذوری بائیں ہاتھ سے وضو میں کام لینا

سوال (۱۱) ایک شخص کا ہاتھ ایسا ہے کہ جس سے تمام کام کر سکتا ہے مگر ہاتھ منہ تک نہیں پہنچتا۔ ایک ہاتھ یعنی بائیں ہاتھ سے منہ دھوتا ہے کان کا مسح بائیں طرف تو کر لیتا ہے کیا داہنے کان کا مسح بھی بائیں ہاتھ سے کر لیوے یا صرف بائیں کان کا مسح بلحاظ سنت ضروری ہو گا داہنے کا ساقط ہو جائے گا؟ بینو تو جردا

الجواب۔ ہاں داہنے کا بھی بائیں ہاتھ سے کر لے۔ ۲۶ ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ (تمتہ ثانیہ ص ۹۹)

میل اور مٹی جو ناخنوں میں ہو وضو اور غسل کے صحت سے مانع نہیں

سوال (۱۲) ناخن کے اندر جو میل جم جاتا ہے وہ نہ چھڑانے سے وضو ہو جاتا ہے یا نہ اسی طرح برسات کے دن چلنے پھرنے میں پیر کے ناخن کے اندر کیچڑ جاتا ہے وضو کے وقت خلال سے چھڑانا پڑے گا یا نہیں؟

الجواب۔ ولا یمنع الطہارۃ ونیم وحناء ودرن ووسخ وکذا دھن و دسومۃ و تراب و طین ولو فی ظفر مطلقاً ای قرویا او مدنیاً فی الاصح در مختار بحث الغسل۔ اس سے معلوم ہوا کہ بدون چھڑائے وضو ہو جاوے گا چھڑانے کی ضرورت نہیں فقط۔

یکم محرم روز جمعہ ۱۳۳۳ھ (تمتہ ثالثہ ص ۵)

کتھ یا کسی اور دوا سے بہنے والا خون اگر مستور ہو جاوے تو اس کا اعتبار نہیں
سوال (۱۳) اگر اسی دانہ یا چوٹ پر چونا لگا دیا جاوے یا کتھا لگا دیا جاوے کہ پانی خون
نظر نہ پڑے اور پھر وضو کر کے نماز پڑھ لی جاوے تو درست ہے یا نہیں؟

الجواب۔ فی الدر المختار لو مسح الدم كلما خرج ولو تركه لسال نقض
والا لا فی رد المحتار وكذا اذا وضع عليه قطنه او شيئاً اخر حتى ينشف ثم
وضعه ثانياً وثالثاً فانه يجمع جميع مانشف الخ ج ۱ ص ۱۴۰۔ اس سے معلوم
ہوا کہ نظر نہ پڑنا کافی نہیں اگر وہ بند نہیں ہوا نکلتا رہا کتھ چونہ وغیرہ کے سبب نظر نہیں پڑا تو اس کا
حکم بہنے کے مثل ہے۔ ۴ ربیع الاول ۱۳۳۳ھ (تمتہ ثالثہ ص ۲۳)

صرف چوتھائی سر کے مسح کی عادت ڈالنا مکروہ ہے اور نماز بھی مکروہ

سوال (۱۴) جو شخص وضو میں ہمیشہ صرف چوتھائی سر کے مسح پر اکتفا کرتا ہے اور کبھی
سارے سر کا مسح نہیں کرتا تو اس کے وضو کے اندر کچھ نقصان ہے کہ نہیں اور اگر ہے تو یہ نقصان نماز
تک پہنچے گا کہ صرف وضو ہی تک رہے گا؟

الجواب۔ ترک سنت ہے اس کی نماز تک یہ اثر ہوگا کہ اس کی صحت اختلافی ہو جائے گی
دوسرے اس سنت کے ترک سے طہارت میں نقصان رہے گا جس سے بعض جزئیات میں امامت
کو مکروہ کہا ہے۔ کما فی رد المحتار ولعدم امکان الطہارۃ ایضاً فی المفلوج والا قطع
والمجبوب الخ ص ۵۸۷ ج ۱۔ واللہ اعلم۔ ۲۹ جمادی الثانی ۱۳۳۳ھ (تمتہ ثالثہ ص ۲۵)

سر کے مسح کے لئے نیا پانی لینا

سوال (۱۵) بحالت وضو کہنیوں تک ہاتھ دھونے کے بعد وہی پانی سر کے مسح کے
واسطے کافی ہے یا علیحدہ اور پانی لے کر سر کا مسح کرنا چاہیے؟

الجواب۔ اس میں اختلاف ہے۔ کما فی الدر المختار۔ او بلل باق بعد غسل
علی المشہور فی رد المحتار قوله علی المشہور مقابله قول الحاکم بالمنع الی
قوله لم یجز الا بماء جدید لانه قد تطهر به مرة ۵ و اقره فی النہر ج ۱ ص ۱۰۲

۲ زیقعدہ ۱۳۳۳ھ (تمتہ ثالثہ ص ۹۵)

زخم کے پھایہ کے اندر جو پیپ ہو وہ ناقض وضو ہے یا نہیں۔ تعارض کا جواب

سوال (۱۶) نمبر ۲ تتمہ ثانیہ امداد الفتاویٰ ص ۳۲ میں ارقام ہے۔

سوال۔ زید کے ایک پھنسی ہے جو ہر وقت بہتی ہے اور اس کے اوپر پھایہ لگا ہوا ہے وہ پیپ اس پھایہ میں رہتی ہے باہر نہیں نکلتی اب اس صورت میں وضو ہے گا یا نہیں؟

جواب۔ اگر زخم کے منہ سے پیپ باہر آ جاتی ہے اگرچہ پھائے کے اندر رہتی ہو وضو ٹوٹ جاتا ہے الخ حضرت اذیل کی عبارات سے تو اس صورت میں وضو کا ٹوٹنا نہیں ثابت ہوتا ہے۔ عین الہدایہ ترجمہ ہدایہ میں ہے اگر جراحت ہو اس کو باندھا پس بندھن تر ہوا اگر تری باہر رخ کو پھوٹ آئے تو وضو ٹوٹا ورنہ نہیں تا تا رخانیہ دوسری جگہ عین الہدایہ باب نواقض وضو میں ہے اگر زخم کو باندھا پس بندش کے اوپر تری پھوٹے تو وضو ٹوٹ گیا الخ اور فتاویٰ ہندیہ ترجمہ عالمگیریہ باب مسح علی الخفین میں ہے اگر کسی نے زخم کو باندھا اور وہ بندھن تر ہو گیا اور وہ تری باہر تک آ گئی تو وضو ٹوٹ گیا ورنہ نہیں ٹوٹا غرض معروض یہ ہے کہ اگر کوئی فصد کھلوائے اور اس پر پٹی باندھے پس اگر اس زخم سے خون نکلا لیکن پٹی سے باہر نہ نکلا تو وضو ٹوٹا یا نہیں۔ اور حضور والا کے فتوے اور مذکورہ عبارات کا آپس میں تعارض ہے یا نہ اصلاح فرماویں اور کیا حق ہے۔

الجواب۔ یہ عبارات پٹی باندھنے کے باب میں ہیں جن میں یہ احتمال ہی نہیں کہ زخم سے رطوبت نکلے اور باہر ظاہر نہ ہو اور تتمہ کا جواب پھایہ کے باب میں ہے جس میں یہ احتمال ہے کہ زخم سے رطوبت نکلے اور باہر ظاہر نہ ہو۔

چو کڑی مار کر بیٹھنے کی حالت میں اگر سو جائے تو وضو نہیں ٹوٹے گا

سوال (۱۷) چارزانو بیٹھنے میں نیند اگر آ جائے تو وضو نہ جائے گا اور اس وضو سے ذکر یا نماز پڑھنی جائز ہوگی؟

الجواب۔ فی العالمگیریۃ نواقض الوضو وان نام متربعا لا ینقض الوضوء اس روایت سے معلوم ہوا کہ اس صورت میں وضو نہ ٹوٹے گا۔ ۶/شوال ۱۳۳۶ھ (تتمہ خامسہ ص ۶۶)

سوال (۱۸) چارزانو بیٹھے اگر چند منٹ کو نیند آ جاوے تو وضو باقی رہتا ہے یا نہیں؟

الجواب۔ باقی رہتا ہے۔ فی العالمگیریۃ عن الخلاصة وان نام متربعا

لا ینقض الوضوء و کذا لو نام متور کا بان یسط قدمیه من جانب و یلصق الیتیه بالارض اھ۔
 ۵ / رجب ۱۳۴۲ھ (تمتہ خامسہ ص ۲۶۹)

قبر کے اوپر وضو کرنے کا حکم

سوال (۱۹) ایک مسجد میں صحن مسجد سے علیحدہ ایک قبر پختہ بنی ہوئی ہے اور اس وقت اس قبر کا محض چو نہ سے نشان بنا ہوا ہے باقی فرش کے ہموار ہے اس قبر کے آگے بلندی کے ساتھ دیوار ہے اور یہ دیوار فاصلہ سے ہے اور وضو کے لئے ہے پس زید اگر رو قبلہ ہو کر اس دیوار پر بیٹھ کر وضو کرتا ہے تو قدرے قلیل وضو کے پانی کی اس قبر کے نشان کی طرف چھینٹیں اڑ کر جاتی ہیں تو اس حالت میں زید کا وضو کرنا اس جگہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب۔ عن عائشة رضی اللہ عنہا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال کسر عظم المیت ککسرہ حیاً رواہ مالک و ابو داؤد و ابن ماجہ (مشکوۃ) اخر الفصل الثانی من باب دفن المیت قال الطیبی اشارۃ الی انہ لایہان المیت کما لایہان الحی (حاشیہ) وعن عمرو بن حزم قال رانی النبی صلی اللہ علیہ وسلم متکئاً علی قبر فقال لا تؤذ صاحب هذا القبر او لا يؤذہ رواہ احمد (مشکوۃ) قال الحافظ فی الفتح ای لاتہنہ الخ (حاشیہ تنقیح الرواۃ)

ان روایات اور ان کی درایات سے مفہوم ہوا کہ جو معاملہ کسی کے ساتھ حیات میں موذی اور مکروہ ہے بعد ممات بھی وہی حکم ہے اور ظاہر ہے کہ اگر کسی زندہ شخص کے پاس بیٹھ کر اس طرح وضو کریں کہ اس پر چھینٹیں پڑیں تو وہ اس سے متاؤزی ہوگا اور موجب اہانت سمجھے گا پس قبر کو بھی اس سے بچانا ضروری ہے۔ البتہ اگر نشان بھی نہ رہے تب کچھ حرج نہیں۔ ۶ / ذی قعدہ ۱۳۳۸ھ (تمتہ خامسہ ص ۱۹۲)

مسح گردن کا حکم

سوال (۲۰) جب مسح کرتے وقت سر پر ہاتھ پھیرا جاتا ہے ہاتھ کو گردن کی طرف لے جاتے وقت بھی گردن کا مسح کر لیا جاوے یعنی ماتھے پر ہاتھ رکھ کر کے جو گردن کی طرف کھینچا تمام سر پر پھرا کر کے ساتھ ہی گردن پر اسی وقت پھیر لیا جائے جیسا کہ ابو داؤد کی حدیث مدھما الی القفا کا مفہوم معلوم ہوتا ہے اسی طرح مسح کرنا بہتر ہے یا ہاتھوں کی پشت سے گردن کا مسح کرنا مستحب ہے حدیث مذکور کا مفہوم و مطلب صحیح کیا ہے۔

الجواب۔ اس سے مستحب ادا نہ ہوگا۔ ایک تو ترتیب نہ رہی دوسرے ظہر ید سے نہ ہوا اور
ظہر ید کی قید کتب فقہ در مختار وغیرہ میں مصرح ہے اور حدیث کا مطلب ظاہر ہے کہ اس میں مسح قفا
آیا ہے جو کہ اس کا جزو ہے اور رقبہ اس سے خارج ہے۔ پس اس کو مسح رقبہ سے کچھ مس نہیں اور اگر
اس کا عموم فرض کر لیا جاوے تو بلوغ قذال یا مدالی القفا بمعنی الرقبہ سے یہ لازم نہیں آیا کہ
یہ قصد تھا بلکہ استیعاب اس میں اس کا بھی مس ہو گیا اور اگر مس کو قصد امان لیا جاوے تو ممکن ہے کہ
بیان جواز پر محمول کر لیا جاوے اس سے مستحب کا ادا ہو جانا لازم نہیں آتا۔

۸ رجب ۱۳۴۲ھ (تمہ خامہ ص ۲۷۱)

سوال (۲۱) دیر باز است کہ مسح گردن در وضو نے کمن زیر کہ در زاد المعاد لابن القیم و
مکتوبات شریف مجدد الف ثانی بدعت نوشتہ اند و در قاضی خان بلفظ قیل نیز موجود است اکنون
منتظر حکم عالی ہستم در بارہ خود چہ کنم ہر چہ صادر شود بجا آورم۔

الجواب۔ اکثر بر استحباب اند ترک نہ کنند۔ ۸ رذی الحجہ ۱۳۳۰ھ (تمہ اولی ص ۲۱۲)

وضو میں اعوذ باللہ یا بسم اللہ پڑھنے کا حکم

سوال (۲۲) بہشتی زیور میں تحریر ہے کہ وضو کرتے وقت بسم اللہ پڑھے اور اکثر رواج
ہے کہ بسم اللہ کے ساتھ اعوذ باللہ بھی پڑھ لیتے ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ وضو کرنے میں
اعوذ باللہ پڑھنا بدعت ہے صحیح حکم شرعی سے آگاہی بخشی جاوے۔

الجواب۔ فی رد المحتار وقیل الافضل بسم اللہ الرحمن الرحیم بعد التعوذ
وفی المجتبیٰ یجمع بینہما ۱۵ عن الفتح و فی شرح الہدایۃ للعینی المروی عن
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بسم اللہ والحمد للہ رواہ الطبرانی فی الصغیر عن
ابی ہریرۃ باسناد حسن ۱۵ اس سے معلوم ہوا کہ ایک قول یہ بھی کہ اعوذ باللہ و بسم اللہ کا جمع
کرنا افضل ہے تو مذہب میں جس کو افضل کہا جاوے وہ بدعت کیسے ہوگا البتہ حضور اقدس صلی اللہ
علیہ وسلم کے الفاظ کا اتباع زیادہ برکت کا عمل ہے۔ ۱۰ جمادی الاول ۱۳۴۳ھ (تمہ خامہ ص ۳۶۱)

بچہ کو دودھ پلانا ناقض وضو نہیں

سوال (۲۳) عورت دودھ والی وضو سے ہو اور وہ اپنے لڑکے کو دودھ پلا دے یا
دودھ اس کا آپ سے جاری ہو یا وہ نماز میں ہو دے اور لڑکا دودھ پیوے دودھ نکلے یا نہ نکلے اس

کی نماز کے واسطے اور وضو کے واسطے کیا حکم ہے؟

الجواب۔ دودھ سے وضو نہیں ٹوٹتا لیکن اگر نماز میں ہو اور بچہ دودھ پی لے اور دودھ نکل بھی آوے تو نماز جاتی رہے گی اور اگر دودھ نہ نکلے تو نماز نہ جاوے گی فی ردالمحتار عن التاتارخانیۃ مص صبی ثدیہا و خرج اللبن تفسد صلواتہا

ج ۱ ص ۶۵۳ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۲۵ محرم ۱۳۲۲ھ (امداد الفتاویٰ ج ۱ ص ۶۹)

بغیر پیر دھوئے ہوئے وضو درست ہے یا نہیں

سوال (۲۴) یہ چند مسئلے جو بندہ نے دریافت کئے ہیں ان سے آگاہی بخشیے گا وہ یہ ہیں:-

نمبر ۱۔ بغیر پیر دھوئے وضو ہو جاتا ہے یا نہیں۔

نمبر ۲۔ بوٹ کے اوپر مسح درست ہے یا نہیں اور یہ بھی ضروری ہے کہ وہ نجس جگہ بھی استعمال کیا جاتا ہے مثلاً ٹی (پائخانہ) وغیرہ میں پہن کر جانا۔

نمبر ۳۔ اونی موزہ کے اوپر بھی مسح درست ہے یا نہیں جو کہ دبیز ہو۔

نمبر ۴۔ بوٹ جو تاکے اوپر مسح کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس جگہ پر ہر وقت پٹی اور بوٹ مع موزہ کے پہننے کا حکم ہے اور اتنی فرصت نہیں ہے کہ اس کو کھولا جاوے اور پیر دھولے جاویں۔

نمبر ۵۔ یہ ملک بی برفستان ہے اور بہت ٹھنڈا ہے ہر وقت پیر دھونے سے تکلیف بھی ہوتی اور بغیر دھوئے بھی سوزش ہو جاتی ہے۔

نمبر ۶۔ اور یہ مسافری کا وقت ہے اس میں گرم پانی کا بھی انتظام نہیں ہے۔

نمبر ۷۔ اتنا ضرور ہوتا ہے کہ صبح کو پیر دھولے جاتے ہیں اور باقی وقت میں مسح کر لیا جاتا ہے۔

نمبر ۸۔ پاکی اور ناپاکی کی احتیاط بھی بہت کم ہوتی ہے صرف حکم خدا سمجھ کر نماز کو ادا کر لیا جاتا ہے۔

الجواب۔ نمبر ۱۔ اگر ایسا موزہ پہنے ہوئے نہ ہو جس پر مسح درست ہوتا ہے تو پاؤں کا دھونا فرض ہے بغیر پاؤں دھوئے وضو درست نہ ہوگا البتہ اگر موزہ نہ ہو اور دھونا مضر ہو اور گرم پانی کا انتظام نہ ہو سکے یا گرم پانی سے بھی مضر ہو تو مسح یعنی بھیگا ہوا ہاتھ پھیر لینا بھی کافی ہے۔

فی الدر المختار و کذا یسقط غسلہ فی مسحہ ولو علی جبیرۃ والا یسقط اصلا فی

ردالمحتار و کذا یسقط غسله ای غسل الرأس من الجنابة ج ۱ ص ۲۶۸
 نمبر ۲۔ بوٹ پر مسح درست ہے جبکہ ٹخنے سے اوپر ہو اور اس میں سے قدم نظر نہ آوے۔
 فی الدر المختار فیجوز علی الذبول فی ردالمحتار ویجوز علی الجاروق
 الی قوله والظاهر انه الخف الذی یلبسه الاتراك فی زماننا ج ۱ ص ۲۶۹
 اور اگر بوٹ نجس ہو جاوے تو وہ زمین پر خوب رگڑ دینے سے یا کسی لکڑی یا ٹھیکری وغیرہ کے
 ساتھ کھرچ دینے سے پاک ہو جاتا ہے۔

فی الدر المختار یطهر خف ونحوه کنعل تنجس بذی جرم ہو کل ما یری بعد
 الجفاف ولومن غیرها کخمر و بول اصابه تراب به یفتی بذلك یزول به اثرها
 والا فی غسل فی ردالمحتار قوله بذلك ای بان یمسحه علی الارض مسحاً قویاً
 (ط) و مثل ذلك الحک والحت علی ما فی الجامع الصغیر و فی المغرب
 الحت القشر بالید او العود ج ۱ ص ۲۱۹۔

نمبر (۳) دبازت کے ساتھ یہ بھی شرط ہے کہ اس کو بدون باندھے ہوئے اور بدون
 جوتے کے پہن کر تین چار میل چل سکیں اور وہ نہ گرے نہ پھٹے۔

فی الدر المختار او جوربین ولومن غزل او شعر الثخنین بحیث یمشی فرسخاً و یشیت
 علی الساق بنفسه الخ فی ردالمحتار بنفسه ای من غیر شد ج ۱ ص ۲۷۷۔

نمبر (۴) اوپر نمبر ۲ میں مذکور ہو چکا۔

نمبر (۵) اوپر نمبر ۱ میں گزر چکا۔

نمبر (۶) اوپر نمبر ۱ میں گزرا ہے۔

نمبر (۷) چونکہ یہ مدت مسح سے زائد نہیں ہے اس لئے جائز ہے مگر یہ مسح بوٹ کے اوپر
 کرنا چاہئے بشرطیکہ پیر دھو کر بوٹ پہنا ہے وہ مسح کے وقت اتارنا نہ گیا ہو اور اگر بوٹ اتار دیا اور
 وضو بھی ٹوٹ گیا تو پھر بوٹ پر مسح جائز ہوگا اسی طرح بدون بوٹ کے پاؤں پر مسح درست نہ ہوگا
 بدون اس کے کہ دھونا مضر ہو تفصیل نمبر ۱ میں گزری ہے۔

نمبر (۸) بوٹ کے پاک ہونے کا طریقہ (۱) نمبر ۲ میں بیان کر دیا گیا ہے۔

۲۱/ ذیقعدہ ۱۳۳۳ھ (تمتہ ثالثہ ص ۱۶۰)

(۱) البتہ اگر اس پر پیشاب کی چھینٹ لگ جاوے وہ بدون دھوئے ہوئے پاک نہ ہوگا کما مر ایضاً فی نمبر ۲۔ ۱۲ منہ

فصل فی الغسل

عورت کے لئے غسل میں بالوں کی جڑیں تر ہو جانا کافی ہیں

سوال (۲۵) جس وقت نہانا فرض ہوا اس وقت عورت کے بال کھلے ہوئے تھے پھر گوندھ لئے اس صورت میں تو نہاتے وقت جڑوں کا تر کرنا کافی نہ ہوگا اور چوٹی کھول کر نہانا واجب ہوگا۔ نیز حیض سے نہاتے وقت بھی اصول شعر کا تر کر لینا اور بالوں کا بھگونا بھی غالباً کافی ہے۔ غسل جنابت میں اور اس میں غالباً کوئی فرق نہیں۔

الجواب۔ فی الہدایہ۔ ولیس علی المرءۃ ان تنقض صفائرہا فی الغسل اذا بلغ الماء اصول الشعر۔ اس سے دو امر معلوم ہوئے ایک یہ کہ غسل کے وقت اگر بال مضفور ہوں تو کھولنا واجب نہیں خواہ حدث کے وقت مضفور ہوں یا نہ ہوں۔ دوسرے مطلق غسل کا یہ حکم ہے خواہ وہ غسل جنابت ہو یا غسل حیض ہو فقط واللہ اعلم (امداد ج ۱ ص ۲)

غسل کے وقت عورت کو شرمگاہ کے ظاہری حصہ کا دھونا کافی ہے

سوال (۲۶) وقت غسل کے عورت کو اپنی اندام نہانی کو بذریعہ انگشت تین مرتبہ پاک کرنا فرض ہے یا سنت اور بغیر اس طرح پاک کئے غسل جائز سمجھا جاسکتا ہے یا نہیں۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اگر غسل کرنے سے پہلے اندام نہانی کو بذریعہ انگشت تین مرتبہ پاک نہ کیا جائے گا غسل سے ناپاکی دور نہ ہوگی۔ ان کا یہ فرمانا صحیح ہے یا غلط۔

الجواب۔ نہ فرض ہے نہ سنت اور اس کا ضروری کہنا غلط ہے۔ فی الدر المختار ولا تدخل اصبعها فی قبلها بہ یفتی واللہ اعلم۔ ۱۶ شعبان ۱۳۲۱ھ (امداد ج ۱ ص ۳)

بدن پر زخم ہوں تو غسل کرے یا تیمم

سوال (۲۷) اگر کسی کے نصف اسفل میں یا صرف ذکر پر قروح ہوں اور پانی پڑنا نقصان کرے تو کیونکر نہاؤے بدن پر پانی ڈالنے سے ضرور وہاں پر بھی پہونچے گا۔ کیا اس کو تیمم کی

اجازت ہے یا نہیں؟

الجواب۔ اس صورت میں تیمم ناجائز ہے (۱) (امداد اول ص ۵)

غسل بیٹھ کر کرے یا کھڑے ہو کر

سوال (۲۸) غسل اناث و ذکور کا قیاماً و قعوداً یکساں حکم ہے یا متخالف حدیث سے حضور

(۱) اصل امداد الفتاویٰ میں یہ مسئلہ اس طرح تھا۔ الجواب۔ اس صورت میں چونکہ اکثر بدن کا غسل معتذر (۱) ہے لہذا تیمم جائز ہے۔ فی الدر المختار لو اکثرہ مجروحاً بعکسہ یغسل الصحیح و یمسح الجریح فی رد المحتار قوله بعکسہ و هو مالو کان اکثر الاعضاء صحیحاً یغسل الخ اذا کان یمكنه غسل الصحیح بدون اصابة لجریح والا تیمم حلیۃ فلو كانت الجراحة یظهره مثلاً و اذا صب الماء سال علیہا یكون مافوقها فی حکمها فیضم الیہا کما بحثہ الشرنبلالی فی الامداد و قال لم ارہ و ما ذکرناہ صریح فیہ ۱۵ واللہ اعلم ۱۲ / جمادی الثانیہ ۱۳۲۲ھ

(۱) اور اس کے حاشیہ میں یہ عبارت تھی۔ وجہ تعذر کی یہ ہے کہ اس صورت میں سر کو بلا تکلف دھوسکتا ہے اس لئے کل کا دھونا معتذر نہ ہوا لیکن سر سے نیچے اگر اعلیٰ بدن دھونا ہے تو اس سے اسفل پر پانی پہنچتا ہے جو کہ مضر ہے اس لئے اکثر میں معتذر ہوا البتہ تکلیف شدید کیا جاوے تو لیٹ کر ممکن ہے مگر ایسے تکلف کا شرع میں وجوب نہیں اور اگر دوسرا کسی قدر سہولت سے نصف اعلیٰ کو غسل دے سکتا ہے مگر قادر بقدرت غیر قادر نہیں۔ یہ احقر کی تحقیق ہے لیکن اگر دوسرے علماء سے بھی تحقیق کر لیا جاوے تو بہتر ہے۔ ۱۲ منہ عنہ

پھر ملکیات تتمہ اولیٰ میں اس مسئلہ کے متعلق لکھا گیا (مسئلہ نمبر ۲ جلد اول فتاویٰ امدادیہ ص ۵)۔ خلاصہ سوال از تیمم مجروح نصف اسفل۔ یا صرف ذکر پر قروح ہوں۔ خلاصہ جواب۔ در ہر دو صورت تیمم جائز است۔

تسامح سوال چونکہ از دو حالت بود (۱) مجروح نصف اسفل (۲) یا صرف قروح ذکر در جواب تفصیل فرمودندے۔ و اعضاء غسل اکثر در مساحت مرادست و فی الغسل مساحتہ ۱۲ در مختار ظاہر است اگر بر ذکر قروح باشند بدن اسفل از او بخوشی بلا حرج مغسول می شود و دریں حالت غسل سر نیز بلا حرج میشود پس در مساحت بدن صحیح زیادہ شد پس تیمم جائز نشد و در صورت قروح نصف اسفل اگر باعانت خادم و زوجہ و غیرہما غسل ممکن باشد بموجب ظاہر مذہب غسل نماید و قدرت بقدرت غیر معتبرست بقول مفتی بہ حاصل مافیہ انہ ان وجد خادماً ای من تلزمہ طاعتہ کعبدہ و ولدہ واجیرہ لا یتیمم اتفاقاً وان وجد غیرہ ممن لو استعان بہ اعانہ ولو زوجتہ فظاہر المذہب انہ لا یتیمم ایضاً بلا خلاف ۱۲

ورد المختار ص ۲۴ و حال منہیہ کہ اینجا است نیز معلوم شد و نعم ما قال فیہا، اگر دوسرے علماء سے بھی تحقیق کر لیا جاوے تو بہتر ہے ۱۲ اور اسی تسامح کی بنا پر تصحیح الاغلاط مطبوعہ مجتبائی دہلی میں اصل مسئلہ اس عبارت سے بدل دیا گیا جو اس وقت متن میں لی گئی ہے۔

محمد شفیع عفی عنہ دیوبندی

اقدس ﷺ اور حضرت عائشہؓ کا بیٹھ کر غسل فرمانا معلوم ہوتا ہے۔

الجواب۔ یکساں حکم ہے یعنی جائز دونوں ہیں اور قعود باعتبار اس کے کہ استر ہے افضل ہوگا، مفسرین نے انی شستم میں من قیام وقعود سے تعمیم کی ہے تو حالت غسل تو اس سے اہون ہے۔

۵/ محرم ۱۳۲۳ھ (امداد ج ۱ ص ۷)

دانتوں کے اندر اگر منجن وغیرہ گھس جاوے تو غسل کا حکم

سوال (۲۹) کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ زاک یعنی پھٹکری ۲ تولہ کتھ ۲ تولہ نیلا تھوتھ ۶ ماشہ کا منجن بنایا گیا اور امراض دنداں کو بہت مفید ہے لیکن مٹی کی طرح سیاہ ہو جاتے ہیں۔ آیا یہ سیاہی مثل دھڑی۔ مٹی کے مغل وضو و غسل ہوگی۔

الجواب۔ جو چیز مانع وصول آب نہ ہو وہ مغل طہارت نہیں اسی طرح جو مانع ہو مگر ضرورت ہو وہ بھی مغل نہیں۔

فی الدر المختار ولا يمنع الطہارۃ ونیم وحناء ولو جرّمہ بہ یفتی فی ردالمحتار قوله بہ یفتی صرح بہ فی المنہیۃ عن الذخیرۃ فی مسئلۃ الحناء والطين والدرن معللاً بالضرورة وفي الدر المختار ولا طعام بین اسنانه او فی سنہ المجوف بہ یفتی وقیل ان صلبا منع وهو الاصح فی ردالمحتار صرح بہ شرح المنیۃ وقال لا متناع نفوذ الماء مع عدم الضرورة والخرج اه پس اگر یہ سیاہی مانع وصول آب نہیں جیسا کہ غالب ہے تب تو ظاہر ہی ہے کہ مغل غسل نہیں اور اگر مانع ہونے کا بھی احتمال ہو تب بھی ضرورت ہے لہذا عفو ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم۔

۱۱/ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۳ھ (امداد ج ۱ ص ۷)

سوال (۳۰) نزلہ کی وجہ سے دانتوں میں درد رہتا ہے اور دانتوں میں فرق ہو گیا ہے اگر کوئی دوا ایسی استعمال کرے کہ درمیان دانتوں کے جم جاوے اور ایسی جم جاوے کہ مثل مسوڑوں کے ہو جاوے اور دانتوں کے درمیان میں پھر کوئی فرق اور کشادگی نہ رہے تو اس دوا کا استعمال جائز ہے یا نہیں۔ اور غسل جنابت میں کوئی حرج تو نہ ہوگا۔

الجواب۔ اگر اس دوا کے ازالہ میں حرج اور دشواری ہو تو اس کے نیچے پانی پہنچانا ضروری نہیں اور وہ مانع غسل نہیں۔ یویدہ جزئیات کثیرۃ مذکورۃ فی الدر المختار بحث الغسل۔

۲/ شعبان ۱۳۳۱ھ (تمتہ ثانیہ ص ۶۱)

سوال (۳۱) جو لوگ پان کھانے کے عادی ہیں علیٰ ہذا جو عورتیں مٹی کثرت سے لگاتی ہیں ان کے دانتوں میں چونہ مٹی کی تہ جم جاتی ہے جو آسانی سے چھوٹ نہیں سکتی پس سوال یہ ہے کہ غسل جنابت کرتے وقت (چونکہ اس کے نیچے تک پانی نہیں پہنچ سکتا تا وقتیکہ اس کو چھڑایا نہ جاوے اور جس کا چھڑانا بلا کسی تیز شے کے کھرچے ہوئے ممکن نہیں) اس تہ کو چھڑانا ضروری ہے بلا اس کے چھڑائے غسل درست ہوگا یا نہیں۔ بہشتی زیور حصہ اول مطبوعہ ساڈھورہ غسل کے بیان کے آخری صفحہ پر یہ مسئلہ درج ہے (مسئلہ) اگر مٹی کی دھڑی جمائی ہے تو اس کو چھڑا کر کلی کرے نہیں تو غسل نہ ہوگا؟ یہ مسئلہ درست ہے یا نہیں اگر ہے تو اسی پر چونہ کی تہ کو بھی قیاس کیا جائے یا نہیں۔

الجواب۔ یہ مسئلہ درست ہے مگر اس میں ایک قید ہے وہ یہ کہ آسانی سے چھڑانا ممکن ہو۔ ورنہ اگر چھڑانے میں دشواری ہو تو پھر بدون چھڑائے درست ہے۔

فی الدر المختار ولا یمنع الطہارۃ ونیم ای خراً ذباب وبر غوث لم یصل الماء تحته وحناء ولو جرمة وبہ یفتی۔ فی رد المحتار صرح بہ فی المنیہ عن الذخیرۃ فی مسئلۃ الحناء والطين والدرن معللاً بالضرورة الی قوله فالأظهر التعلیل بالضرورة ج ۱ ص ۱۵۶

پس چونہ میں یہی تفصیل ہے کہ اگر آسانی سے چونہ کو نکال سکیں تو نکالنا واجب ہے ورنہ معاف ہے۔ ۱۹ صفر ۱۳۳۳ھ (تمتہ خامسہ ص ۳۲۳)

غسل کے بعد منی نکلنے کا حکم

سوال (۳۲) میں ۱۲ بجے دن کے خواب راحت میں تھا کہ یکا یک میری آنکھ کھلی دیکھا مجھے حاجت غسل ہے۔ غسل کر کے ظہر کی نماز پڑھائی پھر جس وقت پیشاب کیا تو منی آئی مجھے دوسوہ آیا کہ میں نے جماعت باجنابت پڑھائی ہے اب میں نہایت پریشان ہوں۔

الجواب۔ فی رد المحتار وكذا لو خرج منه بقية المنی بعد الغسل قبل النوم او البول او المشی الكثير (نہر) ای لا بعده لان النوم والبول والمشی یقطع مادة الزائل عن مكانه بشهوة فيكون الثاني زائلاً عن مكانه بلا شهوة فلا یجب الغسل اتفاقاً زیلعی۔

اس روایت سے ثابت ہوا کہ صورت مسئلہ میں جب احتلام کے بعد (۱) پیشاب کر لیا گیا ہے پھر بعد غسل جو دھات نکلے اس سے دوبارہ غسل واجب نہیں ہوا پہلا ہی غسل صحیح ہے اور نماز وغیرہ سب درست رہی کچھ وسوسہ اور اندیشہ نہ کیا جاوے۔ (یکم ربیع الثانی ۱۳۲۳ھ (امداد ج ۱ ص ۹) سوال (۳۳) کوئی شخص اپنی بیوی سے ہم بستر ہوا اور وہ پیشاب وغیرہ بھی کر لے اور پھر غسل خوب کیا جب نماز شروع کرنے لگا جب مذی یا منی کا قطرہ آ گیا اب وہ پھر غسل کرے یا نہیں۔

الجواب۔ اگر اس وقت عضو منتشر نہ ہو تو دوبارہ غسل واجب نہیں اور اگر منتشر ہو اور شہوت بھی ہو تو غسل واجب ہوگا۔

فی الخانیۃ خرج منی بعد البول وذكره منتشر لزمه الغسل قال فی البحرو محمله ان وجد الشهوة وهو تقييد قولهم بعدم الغسل بخروجه بعد البول فی رد المحتار ای فیقال ان عدم وجوب الغسل بخروجه بعد البول اتفاقا اذالم یکن ذکره منتشرا فلو منتشر لوجب لانه انزال جدید وجد معه الدفع والشهوة اقول وكذا یقید عدم وجوبه بعد النوم والمشي الكثير ج ۱ ص ۱۶۶۔

۲۷ شعبان ۱۳۳۱ھ (تمتہ ثانیہ ص ۶۵)

نیند سے بیدار ہونے والے پر غسل کے واجب یا غیر واجب ہونے کی تفصیل

سوال (۳۴) بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ خواب بالکل یا ذہن نہیں رہتا اور کپڑے پر دھبہ پایا جاتا ہے اس وقت میں نہانا فرض ہے یا نہیں اور کس طرح امتحان کیا جاوے کہ وہ منی ہے یا مذی یا ودی۔ ان تینوں کی پوری کیفیت تحریر فرمائیے۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ آنکھ کھل جاتی ہے اور رطوبت خارجہ اس وقت پائی جاتی ہے لیکن اس زور سے خارج ہوتی معلوم نہیں ہوتی جس

(۱) احقر مجیب کے ذہن میں ترتیب غلط یا درہی کہ پیشاب کے بعد غسل کیا ہے حالانکہ سوال میں ہے کہ غسل کے بعد پیشاب کیا ہے اس لئے جواب اس طرز سے دیا گیا تھا اب موافق سوال کے جواب یہ ہے کہ وہ نماز تو ہو گئی کیونکہ خروج بعد میں ہوا ہے۔ رہا غسل کے بعد جو منی آئی ہے اس میں تفصیل یہ ہے کہ اگر مشی کثیر کا اس کے قبل اتفاق ہوا ہے تو دوبارہ غسل واجب نہیں ورنہ واجب ہے۔ سائل اس سوال کے معلوم نہیں اگر سائل اس مسئلہ کو دیکھے تو صحیح جواب سمجھ کر یاد کریں اگر قاعدے سے دوبارہ غسل واجب ہوا ہو تو جتنی نمازیں اس کے بعد پڑھی ہوں اعادہ کریں اور جو پڑھائی ہوں یاد کر کے پڑھنے والوں کو اطلاع کر دیں جو یاد نہ آوے معاف ہے پھر بھی ایک آدھ بار مجمع میں اعلان کر دیں اور یہ اعادہ اس وقت تک کی نمازوں کا ہوگا جب تک اس کے بعد فرض یا سنت غسل نہ کیا ہو اور اس کے بعد کی نمازوں کا اعادہ نہیں ۱۲ منہ

زور سے منی خارج ہوتی ہے۔

الجواب۔ اگر دھبہ ہو تب تو غسل نہیں اگرچہ خواب یاد ہو اور اگر تری وغیرہ پائی جاوے تو اس میں چودہ (۱۴) صورتیں ہیں۔ کیونکہ یا تو منی کا یقین ہے یا مذی کا یقین ہے یا ودی کا یقین ہے۔ یا منی و مذی میں شک ہے یا مذی اور ودی میں شک ہے یا منی اور مذی اور ودی میں شک ہے۔ یہ سات احتمال ہیں اور ہر ایک میں دو احتمال ہیں خواب کا یاد ہونا اور یاد نہ ہونا پس یہ سب چودہ صورتیں ہو گئیں ان میں سے چار صورتوں میں غسل نہیں ہے ایک یہ کہ مذی کا یقین ہو اور خواب یاد نہ ہو۔ دوسری تیسری یہ کہ ودی کا یقین ہو اور خواب یاد ہو یا نہ۔ چوتھی یہ کہ مذی اور ودی میں شک ہو اور خواب یاد نہ ہو اور باقی دس صورتوں میں غسل واجب ہے کہ کذا فی الدر المختار ورد المختار۔ اور منی اور مذی اور ودی کی حقیقتوں کا تغایر تو مشہور و معلوم ہے مگر کوئی ایسی علامت یقینی نہیں جس سے تعین ہو جاوے ورنہ شک کی صورتیں محتمل نہ ہوتیں۔ ۱۴ محرم ۱۳۲۹ھ (تمہ اولی ص ۶)

سوال (۳۵) نمبر (۱) اگر کوئی شخص خواب سے بیدار ہوا اور اپنے فرش یا ران پر تری پائی اور اس کو یقین ہے کہ یہ مذی ہے تو ایسی صورت میں (اگر خواب یاد نہ ہو) اس پر غسل واجب ہے یا نہیں اور اگر خواب بھی یاد ہو اور اس تری کی بابت یقین مذی کا ہو تو کیا حکم ہے؟

نمبر (۲) اگر کوئی شخص بیدار ہوا اور..... کے سوراخ پر تری پائی اور انتشار قبل از نوم موجود نہ تھا پس اگر خواب یاد نہ ہو اور اس تری کے بابت اس کو یقین مذی کا ہو تو غسل واجب ہے یا نہیں؟

نمبر (۳) اگر کوئی شخص بیدار ہوا اور اس وقت اس نے سوراخ پر یا کہیں اور تری نہیں پائی بعد کچھ تھوڑی دیر کے حالت بیداری میں کچھ تری معلوم ہوئی تو اس کی نسبت کیا حکم ہے خواب یا انتشار یاد ہونے یا نہ ہونے کی صورت میں اگر حکم مسئلہ میں فرق پڑتا ہو تو تحریر فرما دیوے اگر کسی شخص پر یہ حالت قریب قریب ہر روز ہو جاتی ہو تو اس کے واسطے کیا حکم ہے؟

نمبر (۴) مذی اور ودی کی خاص علامات کیا ہیں؟

نمبر (۵) اگر مسئلہ مندرجہ سوال (۱) اور (۲) کے حکم میں کچھ فرق ہو تو اس کی کیا علت

ہے۔

الجواب عن الكل۔ اس میں بہت سی صورتیں نکل سکتی ہیں جن میں سے صرف چار صورتوں میں تو غسل نہیں ہے باقی سب میں غسل ہے۔ وہ چار صورتیں غسل نہ ہونے کی یہ ہیں۔

(۱) ایک یہ کہ مذی کا یقین ہو اور خواب یاد نہ ہو۔

(۲) دوسری یہ کہ ودی کا یقین ہو اور خواب یاد ہو۔

(۳) تیسری یہ کہ ودی کا یقین ہو اور خواب یاد نہ ہو۔

(۴) چوتھی یہ کہ مذی اور ودی میں شک ہو اور خواب یاد نہ ہو۔

کذ فی الدرالمختار وردالمختار اور منی اور مذی اور ودی کی حقیقتیں تو متغائر یقینی ہیں مگر اس کی ایسی علامت یقینی نہیں جس سے تعین متیقن ہو جاوے ورنہ شک کی صورتیں نہ نکلتیں۔ اور بیداری میں اگر خروج ہو تو یہ دیکھ لے کہ دفن اور شہوت اگر ہے تو غسل واجب ہے ورنہ نہیں۔ اس قاعدہ کلیہ سے امید ہے کہ سائل صاحب کو اپنے سب سوالوں کا جواب معلوم ہو گیا ہوگا لیکن اگر کوئی مقام مخفی رہ گیا ہو مکرر سوال کر لیں۔ اب صرف دو امر پر متنبہ کرنا باقی رہا ایک یہ کہ مدار حکم انتشار و عدم انتشار پر نہیں صرف انتشار ایک قرینہ ہے مذی ہونے کا جبکہ خواب یاد نہ ہو سو قرینہ اسی میں منحصر نہیں مذی کے یقین میں یہ سب قرینے آ گئے۔ دوسرا امر استفسار نمبر (۵) کے متعلق ہے وہ یہ کہ نمبر (۱) کے دو جزو ہیں ایک جزو مذی کا یقینی ہونا اور خواب یاد نہ ہونا۔ دوسرا جزو مذی کا یقینی ہونا اور خواب یاد ہونا اور نمبر (۲) بعینہ نمبر (۱) کا پہلا جزو ہے۔ پس استفسار نمبر (۵) میں جو سوال نمبر (۱) و سوال نمبر (۲) میں فرق پوچھا گیا ہے سائل کی مراد اگر سوال نمبر (۱) کا جزو اول ہے سو وہ اور نمبر (۲) تو بالکل متحد ہیں فرق پوچھنے کے کوئی معنی نہیں اور اگر مراد سوال نمبر (۱) کا جزو ثانی ہے تو وجہ فرق ظاہر ہے کہ ایک میں خواب یاد نہیں اور ایک میں خواب یاد ہے جو قرینہ ظاہر ہے منی کا اور اگر کچھ اور مقصود ہے تو ظاہر کیا جاوے۔

۱۱/ رجب ۱۳۳۱ھ (تمتہ ثانیہ ص ۵۳)

شب عرفہ میں غسل کا حکم

سوال (۳۶) غسل شب عرفہ غایۃ الاوطار میں مستحب لکھا ہے۔ پس یہ حکم منہ میں حاجیوں کو ہے یا ہر کس کو؟

الجواب۔ فی ردالمحتار و عرفۃ ای فی لیلتها تاترخانیہ و قہستانی و ظاہر الاطلاق شمولہ للحاج و غیرہ ج ۱ ص ۱۷۵۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہر کسی کے لئے

۱۵/ ذی الحجہ ۱۳۲۹ھ (تمتہ اولیٰ ص ۸)

ہے۔

نابالغ لڑکی سے صحبت کی گئی تو اس پر غسل واجب
نہیں شراب سے جو سرکہ بنالیا جاوے وہ پاک ہے

سوال (۳۷) انچہ در شرح وقایہ و ہدایہ نوشتہ کہ آں پوستہائے غیر ماکول اللحم
از دباغت پاک شوند از ذکات نیز پاک می شوند پس بر ایں پاکی ایں چہ مہابذکات دلیلے از خبر یا
اثر ہست۔ اگر ہست تکلیف نوشتش گوارا فرمودہ ممنون سازند و ہم چنین دلیلے از خبر و اثر بخوردن
و پاکی آں سرکہ کہ از شراب حاصل شدہ باشد دلیلے از خبر و اثر بر عدم وجوب غسل صغیرہ موطوۃ۔

الجواب۔ فی الہدایۃ ثم ما یطہر جلدہ بالدباغ یطہر بالذکاة قال العینی
روی الدار قطنی عن ابن عباس لما مر بشاة میمونة فقال ہلا استمتعتم بجلدہا
قالوا یا رسول اللہ ﷺ انہا میتة قال ان دباغہا ذکاتہا فی حق الجلد فعلمنا ان
الذکاة ہی الاصل فی الطہارۃ وان الدباغ قائم مقامہا عند عدمہا ولان الذکاة
ابلع من الدباغ لانہا انزع للدماء والرطوبات قبل التشریب والفساد بالموت۔

فی العینی علی الہدایۃ الخامس ام سلمۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اخرج
حدیثہا الدار قطنی انہا كانت لہا شاة تحتلبہا ففقدہا النبی ﷺ فقال ما
فعلت الشاة قالوا ماتت قال افلا انتفعتم باہابہا فقلنا میتة فقال ﷺ ان دباغہا
یحل کما یحل خل الخمر وفیہ قال البیہقی فی المعرفۃ رواہ المغیرۃ بن زیاد
عن ابی الزبیر عن جابر عن النبی ﷺ انہ قال خیر خلکم خل خمر کم اہ قلت
والتشبیہ فی الحدیث الاول دلیل علی جواز التخلل والتخلیل کما یجوز لانتفاع
بالاہاب بعد الدباغ سواء کان اضطرار یا او اختیار یا فتفقہ و تنبہ۔

قال رسول اللہ ﷺ رفع القلم عن ثلثۃ عن النائم حتی یتقیظ وعن
الصبی حتی یحتلم وعن المجنون حتی یفیک فدل علی کون الصغیرۃ لایجب
علیہا شیئی من الاحکام والغسل من جملة الاحکام فلا یجب نعم تؤمر
بالغسل تخلقا واعتیادا او قد صرح بہ الفقہاء فلا یرد حدیث مروا صبیانکم
بالصلوۃ الخ

ودی کا حکم

سوال (۳۸) میں نے کتاب میں دیکھا ہے کہ جب یقین و دی نکلنے کا ہو اور خواب یاد ہو تو غسل واجب نہیں ہے اب اس مسئلہ میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ و دی بعد پیشاب کے نکلتی ہے اگر صحیح ہے تو خواب سے بیدار ہونے کی حالت میں جبکہ ابھی بستر کو نہ چھوڑا ہو و دی ہرگز نہیں نکل سکتی تو پھر یہ کہنا کہ خواب یاد ہونے کی حالت میں تری کی بابت و دی کا یقین ہوتے ہوئے غسل واجب نہیں ہے غلط ہوگا۔

الجواب۔ کتابوں میں جو لکھا ہے کہ و دی بعد پیشاب کے نکلتی ہے اس سے نہ تو یہ لازم آتا ہے کہ بدون پیشاب کے نہیں نکلتی اور نہ یہ لازم ہے کہ پیشاب کے بعد فوراً نکلتی ہو لیکن کبھی بدون پیشاب کے بھی نکلتی ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ سونے کے قبل جو پیشاب کیا تھا اس کے بعد ذرا فصل سے سونے میں نگلی ہو پس کچھ اشکال نہ رہا اور علامہ شامیؒ نے خزانہ سے ایک قول یہ بھی نقل کیا ہے ان الودی ما یخرج بعد الاغتسال من الجماع و بعد البول و هو شیئی لزج جلد ۱ ص ۱۷۱ پس ایک جواب اس سے بھی نکل آیا۔ ۸ محرم ۱۳۳۲ھ (تمہ ثانیہ ص ۱۱۲)

نیند سے بیدار ہونے کے کچھ دیر بعد رطوبت کا دیکھنا

سوال (۳۹) اگر کوئی شخص بیدار ہوا اور اس کو خواب یاد ہے پس حالت بیداری میں اس کے بستر سے اٹھنے سے پہلے بیدار ہونے کے دو یا تین منٹ بعد اس کو تری معلوم ہوئی جس کو نہ وہ مذی سمجھتا ہے تو اس پر یہ خیال کر کے کہ شاید یہ منی رک گئی ہو جواب نگلی ہے غسل واجب ہو گا یا اس کو خیال نہیں کرنا چاہیے بلکہ یہ دیکھنا چاہیے کہ دفع و شہوت کے ساتھ نگلی ہے یا کس طرح؟

الجواب۔ جزئیہ تو دیکھا نہیں مگر قواعد سے غسل واجب ہونا چاہیے کیونکہ خواب کا یاد ہونا علامت اس کی ہے کہ یہ یا منی ہے یا مذی اور دونوں کا احتمال خروج موجب غسل ہے اور دفع و شہوت کی شرط ہونے کا یہ مطلب ہے کہ انفصال عن المقر کے وقت شہوت ہو گو خروج کے وقت نہ ہو اور اگر کوئی عارض مانع نہ ہو تو دفع بھی ہو اور یہاں ممکن ہے کہ انفصال کے وقت شہوت ہو اور دفعہ آنکھ کھلنے سے رک گئی ہو مگر احتیاط یہ مسئلہ کہیں اور بھی پوچھ لیا جاوے۔

۸ محرم ۱۳۳۲ھ (تمہ ثانیہ ص ۱۱۲)

زخم پر کسی دوا کا چپک جانا غسل کے وقت اس کا حکم

سوال (۴۰) اگر کسی دانہ یا چوٹ پر چونا لگا دیا گیا تھا اور وہ چونا اس حصہ جسم یا کھال پر چپک گیا تھا اور خشک ہو گیا تھا کہ آسانی سے چھوٹ بھی نہ سکتا تھا ایسی حالت میں غسل جنابت کیا گیا اور بعد اداۓ غسل نماز پڑھی گئی اب نماز کے کچھ دیر بعد وہ چونا چھڑانے سے چھوٹ گیا تو کیا اس حصہ کھال یا جسم پر پانی پہنچانا اور نماز کا اعادہ ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب۔ فی الدر المختار والمسح یبطلہ سقوطها عن برء والا لافان سقطت فی الصلوۃ استأنفها ولذا الحکم لو سقط الدواء او برأ موضعها ولم تسقط مجتبیٰ و ینبغی تقييده بما اذا لم یضر ازالتها فان ضره فلا یجز فی رد المختار قوله فان ضره ای ازالتها لشدة لصوقها به و نحوه بحر ج ۱ ص ۳۹۰ اس سے معلوم ہوا کہ صورت مسئلہ میں نماز کا اعادہ ضروری نہیں البتہ اس موضع کو پھر تر کرے کیونکہ نیچے سے جلد اچھی تھی صرف چونا چھڑانے کی دشواری کے سبب اس وقت دھونا معاف ہو گیا تھا۔

۲ ربیع الاول ۱۳۳۳ھ (تمتہ ثالثہ ص ۲۳)

معدور کے لئے آخر وقت میں نماز ادا کرنے کا حکم

سوال (۴۱) اگر نماز مغرب کے قریب کہیں چوٹ لگ جائے یا کوئی چھوٹا دانہ ٹوٹ جائے اور دونوں حالتوں میں خون نکل آئے اور خون بند نہ ہو بلکہ ذرا سا پانی ایسا پانی نکلتا رہے۔ ایسی حالت میں مغرب کا وقت نہایت مختصر ہوتا ہے نماز کس طرح ادا کی جائے۔

الجواب۔ فی رد المختار فی احکام المعدور ولو عرض بعد دخول وقت فرض انتظر الی اخره فان لم ینقطع یتوضأ ویصلی ثم ان انقطع فی اثناء الوقت الثانی یعید تلك الصلوۃ وان استوعب الوقت الثانی لا یعید لثبوت العذر ح من وقت العروض اھ اس سے معلوم ہوا کہ صورت مسئلہ میں آخر وقت میں نماز پڑھے پھر اگر عشاء کے وقت وہ بند ہو گیا اور ختم وقت عشاء تک بند رہا تو مغرب کی نماز پھر لوٹا دے۔

۲ ربیع الاول ۱۳۳۳ھ (تمتہ ص ۲۲)

وجوب غسل کے لئے دفع منی شرط نہیں

سوال (۴۲) ایک شخص کی منی بہت ہی رقیق ہے اور اپنی بیوی سے تفریح کے وقت اس کی منی بدون جست کے خارج ہوتی ہے تو کیا یہ شخص بغیر غسل کے اپنی نمازیں پڑھ سکتا ہے یا کہ نہیں؟

الجواب۔ غسل واجب ہے فی الدر المختار و فرض الغسل عند خروج منی منفصل عن مقره بشهوة ای لذة ولم يذكر الدفع ليشمل من المرأة ولانه ليس بشرط عندهما خلافاً للثانی ص ۱۶۵ و ص ۱۶۶ ج ۱ ۱۸ رزی الحجۃ ۱۳۳۳ھ (تمتہ ثالثہ ص ۱۲۲)

بوقت غسل کان کے سوراخ میں پانی پہنچانے کا حکم

سوال (۴۳) ایک جوان عمر عزیز کا کان بچپن میں چھدا تھا غسل کرتے وقت وہ سوراخ میں بھیگی ہوئی سینک ڈال لیا کرتے تھے۔ اب اس قصد سے کہ سوراخ رفتہ رفتہ بند ہو جائے انہوں نے سینک ڈالنی چھوڑ دی ہے البتہ پانی کی دھارا ہتمام سے ڈال لیتے ہیں وہ دریافت کرتے ہیں کہ آیا یہ کافی ہے۔

الجواب۔ فی الدر المختار ولولم یکن یثقب اذنه قرط فدخل الماء فیہ ای الثقب عند مروره علی اذنه اجزأه كسرة واذن دخلهما الماء والا یدخل ادخله ولو باصبعه ولا یتكلف بخشب وغيرها والمعتبر غلبة ظنه بالوصول فی رد المحتار قوله ولا یتكلف ای بعد الامرار كما قدمناه عن شرح المنیة اھ۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ دھار ڈال لینا کافی ہے اور اگر دھار ڈالتے وقت انگلی سے بھی ذرا مل لیا کریں زیادہ احتیاط ہے زیادہ وہم نہ کریں۔

۲۱ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۳ھ (النور ص ۸ جمادی الاخریٰ ۱۳۵۴ھ)

غسل خانہ میں بات چیت کرنے کا حکم

سوال (۴۴) اغلاط العوام فی باب الاحکام میں نمبر ۸۳ پر یہ مسئلہ ہے غسل خانہ و پاخانہ میں بات کرنے کو عوام ناجائز سمجھتے ہیں سو اس کی کچھ اصل نہیں البتہ بلا ضرورت باتیں نہ کرے اور مشکوٰۃ المصابیح میں آداب خلاء کی فصل ثانی میں یہ حدیث ہے۔

عن ابی سعید قال قال رسول اللہ ﷺ لا ینخرج الرجلان یضربان الغائط کاشفین عن عورتہما یتحدثان فان اللہ یمقت علی ذلک رواہ احمد و ابوداؤد وابن ماجہ۔
اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کشف عورت میں بات چیت کرنے سے اللہ تعالیٰ غصہ ہوتے ہیں اور غسل خانہ بالخصوص پاخانہ میں کشف عورت لازمی ہے۔

الجواب۔ اس حدیث کا محمل یہ ہے کہ دونوں اس طرح برہنہ ہوں کہ ایک دوسرے کو برہنہ دیکھتے ہوں ورنہ رجلان کی کیا تخصیص تھی۔ الرجل یضرب الغائط کاشفا عن عورتہ یتحدث عبارت ہوتی واذا لیس فلیس۔ ۹/ ذی قعدہ ۱۳۴۵ھ (تمہ خامسہ ۵۳۴)

بحالت جنابت بال کٹوانا مکروہ ہے۔

سوال (۴۵) بحالت جنابت خط بنوانا بال کتروانے اور ناخن ترشوانے جائز ہیں یا نہیں اور یہ قول کہ ایسی حالت میں غسل سے پہلے بالوں یا ناخن کے جدا کرنے سے بال اور ناخن جنبی رہیں گے اور قیامت کو مستغیث ہوں گے کہ ہم کو جنبی چھوڑا گیا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب۔ فی رسالۃ ہدایۃ النور لمولانا سعد اللہ "در مطالب المومنین می آرد ستردن و تراشیدن موئے و گرفتن ناخنہائے در حالت جنابت کراہت ستاھا اس سے امر مستول عنہ کی کراہت معلوم ہوئی باقی اس کے متعلق جو قول نقل کیا گیا ہے کہیں نظر سے نہیں گزرا اور ظاہراً صحیح بھی نہیں۔ (تمہ ثالثہ ص ۱۶)

باب الماء الذی یجوز بہ الوضوء وما لا یجوز بہ

مستقف حوض کے پانی سے وضوء جائز ہے

سوال (۴۶) ایک حوض دہ دردہ بنا ہوا ہے اس پر چھت پاٹ دی ہے لوہے کے پٹروں سے۔ جب حوض خوب بھرتا ہے تب پٹروں کے کنارے پانی میں نوانچہ ڈوبتے ہیں حرکت دینے سے پٹروں کے پیچھے کا پانی ہلتا نہیں ہے اور بعض کہتے ہیں کہ پانی سب ملا ہوا ہے نیچے سے اوپر تک پڑیاں نوانچہ ڈوبنے سے پانچ حصہ بن جاتے ہیں یہ بات صحیح ہے مگر یہ مانع نہیں ہے۔ بہت

اختلاف ہو رہا ہے، بعض وضو نہیں کرتے ہیں۔ بعض بناتے ہیں۔ مفصل جواب معہ حوالہ کتب بیان فرمائیں اللہ تعالیٰ جزاء خیر عنایت کریں۔ آمین۔

الجواب۔ فی الدر المختار ولو جمد مائه فثقب ان الماء منفصلاً عن الجمد جاز لانه كالمسقف وان متصلاً لالانه كالقصعة فی رد المحتار قوله وان متصلاً لا ای لا يجوز الوضوء منه وهو قول نصیر والا سکاف وقال ابن المبارک و ابو حفص الكبير لا بأس به وهذا او سع والاول احوط الى قوله وفي الحلية ان هذا مبني على نجاسة الماء المستعمل ج ۱ ص ۲۰۰ قلت والمفتی به طهارة الماء المستعمل فلم يبق خلاف فافهم بنا برروایت و تقریر بالا اس حوض سے وضو بلا تکلف جائز ہے اگرچہ پانی نہ ہلتا ہو۔ ۲۷ شوال ۱۲۸۸ھ (تمتہ اولی ص ۵)

جس چیز کی نجاست معلوم نہ ہو اس کا پانی میں گرنا پانی کو ناپاک نہیں کرتا

سوال (۴۷) یہاں چاہات میں آج کل ایک سرخ رنگ کی دوا ڈالی جا رہی ہے جس سے تمام چاہ کا پانی نہایت سرخ رنگ کا ہو جاتا ہے اور وہی سرخ پانی وضو نہانے کھانے پینے غرضیکہ ہر استعمال میں آتا ہے اور اس دوا کی ماہیت سے یہاں بجڑ ڈاکٹروں کے اور کوئی واقف نہیں ہے جس کے متعلق نہیں کہا جاسکتا کہ اس میں علاوہ رنگین ہونے کے کوئی ناجائز شے تو ایسی نہیں ہے جس کا استعمال شرعاً ممنوع ہو لہذا میں امید کرتا ہوں کہ براہ عنایت اس امر سے مطلع فرمایا جاوے کہ آیا اس پانی کے استعمال میں کوئی شرعاً حرج تو نہیں ہے۔

الجواب۔ جب اس دوا میں کسی نجس چیز کا ہونا معلوم اور ثابت نہیں تو بقاعدہ الاصل فی الاشیاء الطہارۃ اس کو طہر سمجھنا چاہیے اس لئے اُس پانی کا استعمال جائز ہوگا۔

۱۳ رمضان ۱۳۸۱ھ (حوادث صفحہ ۱۱۹-۱۲۰)

پانی خوشبودار ہو کر آب مطلق ہونے سے نہیں نکلتا

سوال (۴۸) ایک مسئلہ دریافت طلب ہے کہ عرق و عطر کی کشیدگی کے لئے دیگ بھکے جو لگاتے ہیں تو وہ لگرا جس میں عرق یا عطر کشید ہو کے آتا ہے ٹھنڈے پانی میں ڈوبا رکھا جاتا ہے تاکہ اس میں آ کے بخارات پانی یا روغن کی صورت میں جمع رہیں تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد وہ پانی خوب تیز گرم ہو جاتا ہے جس کے بعد بدل دیا جاتا ہے اس پانی میں گاہے کسی قدر خوشبو بھی اس

شے کی پیدا ہو جاتی ہے جو دیک و بھپکہ میں ہوتی ہے آیا یہ پانی مستعمل سمجھا جائے گا اور اس سے غسل و وضو درست نہ ہوگا یا غیر مستعمل اور اس کو غسل و وضو کے کام میں لانا درست ہوگا کیوڑہ۔ گلاب ملے ہوئے پانی سے غسل و وضو جائز ہے یا ناجائز۔ جب کہ پانی میں خوب اچھی طرح خوشبو ہو۔ علی ہذا کسی کم صاف کئے ہوئے ظرف میں پانی گرم ہو اس میں چکنائی معلوم ہونے لگی اس سے بھی وضو و غسل واجب ہوگا یا ناجائز۔

الجواب۔ ان سب اقسام سے وضو و غسل درست ہے یہ سب ماء مطلق ہے۔

۲۷/ محرم ۱۳۳۲ھ (حوادث او ۲ صفحہ ۱۲۸)

فصل فی البیر

کنوئیں کے نل میں نجاست گرجانے کا حکم

سوال (۴۹) آج کل یہ آہنی نل جو کنوئیں کا کام دیتے ہیں ایجاد ہوئے ہیں اگر ان کے اندر کوئی شخص پیشاب وغیرہ ڈال دے تو آیا یہ ناپاک ہو جاتے ہیں یا نہیں اور پہلی شق پر ان کے پاک کرنے کی کیا صورت ہے؟

الجواب۔ فی الدر المختار ینزح کل مائها الذی کان فیہا وقت الوقوع بعد اخراجه الا اذا تعذر الی قوله وان تعذر نزح کلها فیقدر مافیہا وقت ابتداء النزح قالہ الحلبی ۲۱۸ تا ۲۲۰۔

اس روایت سے ثابت ہوا کہ نجاست کا واقع ہونا کنوئیں میں اس کو نجس کر دیتا ہے سو اس میں بھی جب نجاست گرگی ناپاک ہو جاوے گا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ وقوع نجاست کے وقت جس قدر پانی ہو اس قدر نکال دینے سے وہ پاک ہو جاوے گا اور یہ شبہ نہ کیا جاوے کہ نل کے نیچے زمین میں سے پانی کی آمد ہوتی ہے تو کیا وہ ناپاک نہ ہوگا بات یہ ہے کہ وہ پانی ایسا ہے جیسا متعارف کنوؤں میں بھی علاوہ بھرے ہوئے پانی کے ابلنے والا پانی ہوتا ہے مگر چونکہ وہ فی البیر نہیں ہے اس کا اعتبار نہیں اسی طرح جو پانی بالفعل اس آہنی کنوئیں کے اندر نہ ہوگو بطور آمد کے نیچے سے بذریعہ مسامات ارض کے اس کے اندر آ جاتا ہو وہ معتبر نہیں البتہ اگر تجربہ سے یہ ثابت ہو

جاوے کہ اس نل کی جڑ میں پانی مجتمع رہتا ہے تو اس کو نجس کہیں گے اور تخمینہ سے جب اس قدر نکل جاوے کنواں پاک ہو جاویگا۔ اور عبارت مذکورہ سے ایک اور بات ثابت ہوئی کہ اگر اس آہنی کنوے میں ایسی نجس گر جاوے جو نکل نہ سکے تو اس کا نکالنا معاف ہے پھر اس میں دو صورتیں ہیں یا تو وہ چیز ذی نجاست ہے جیسے ناپاک لکڑی یا ناپاک کپڑا یا عین نجاست ہے جیسے مردار کی بوٹی۔ صورت اولیٰ میں بلا انتظار معاف ہے صرف پانی نکالنے سے پاک ہو جاوے گا اور صورت ثانیہ میں اتنی مدت تک انتظار کریں کہ گمان غالب ہو کہ وہ مٹی ہو پھر پانی نکال دیں۔

فی الدر المختار بعد قوله الا اذا تعذر كخشبة او خرقة متنجسة في رد المختار و اشار بقوله متنجسة الى انه لا بد من اخراج عين النجاسة ميتة و خنزير اهـ ج قلت فلو تعذر ايضاً ففي القهستاني عن الجواهر وقع عصفور فيها فعجزاً عن اخراجه فما دام فيها فنجسة فتترك مدة يعلم انه استحال و صار حمأة و قيل مدة ستة اشهر اهـ جلد ۱ ص ۲۱۹ (حوادث خامس ص ۳ و ۴)

سوال (۵۰) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہمارے مکان میں کنواں نل موجود ہے اور گڈریے مکان کے قریب آباد ہیں وہ ہمارے نل پر آ کر گوبر وغیرہ کے خراب ہاتھوں سے ہینڈل پکڑ کر پانی بھرتے ہیں۔ ناپاک بوند پانی کے کنویں کے اندر چلی جاتی ہے جس سے اندیشہ پانی کے ناپاک ہو جانے کا ہے اب فرمائیے کہ پانی بھرنے دیں یا نہیں؟

الجواب۔ برتنے دینے کا تو مالک کو اختیار ہے۔ باقی اگر ناپاک ہو جاویگا تو جتنا پانی اس وقت نل میں موجود ہے اس کے نکال دینے سے پاک ہو جاوے گا۔

۲۲/ ذی قعدہ ۱۳۳۳ھ (حوادث الفتاویٰ خامس ص ۴۶)

سانپ جس میں خون ہو اس سے کنواں ناپاک ہو جائے گا

سوال (۵۱) چاہ میں سانپ کا بچہ سوا ہا تھ کا لانا اور ایک انگل کو موٹا کر کر سڑ گیا لیکن جدا نہیں ہوا آیا اس کے نکالنے سے پانی پاک ہے یا ناپاک اور اگر پانی ناپاک ہو تو سارا پانی نکالنا ہے۔ جو حکم حضور عالی سے پایا جاوے وہ عمل میں لایا جاوے۔

الجواب۔ فی الدر المختار او مات فیہا حیوان دموی غیر مائی لم امر و انتفخ او تمعط او تفسخ ینزع کل مائها الذی کان فیہا وقت الوقوع بعد اخراجه اهـ مختصراً فی رد المختار تحت قوله و انتفخ ولا فرق بین الصغير

والکبیر کالفأرة والآدمی والفیل لانه تنفصل بلته وهی نجسة مائعة فصارت كقطرة
خمر الخ ج ۱ ص ۲۱۸

اس سے ثابت ہوا کہ یہ کنواں ناپاک ہو گیا اگر خشکی کا سانپ ہو پس اندازہ کر کے دیکھا
جاوے کہ اس میں کتنے سوڈول پانی ہے اتنا نکال دیا جائے اگرچہ ٹوٹے نہیں پاک ہو جاوے گا البتہ
اگر تجربہ سے یہ تحقیق ہو جاوے کہ ایسے سانپ میں بہنے والا خون نہیں ہوتا تو اس سے کنواں ناپاک نہ
ہوگا۔

فی الدر المختار فیفسد (ای الضفدع البری) فی الاصح کحیة بریة ان لهادم
والا لا اھ۔ قوله کحیة بریة اما المائیة فلا یفسد مطلقاً اھ۔ ج ۱ ص ۱۹۰ اسی طرح
اگر وہ سانپ پانی کا ہو تب بھی کنواں ناپاک نہ ہوگا۔ لمامر ۲ / ذیقعدہ ۱۳۳۲ھ (تمتہ ثانیہ ص ۱۸۰)

کوڑے کی بیٹ سے کنواں ناپاک نہیں ہوتا

سوال (۵۲) مسئلہ کو یعنی زراغ کی بیٹ کنوئیں میں گر جائے یا زراغ خود گرے پانی پینا کیسا ہے۔
الجواب۔ فی الدر المختار وخرء کل طیر لا یدرق فی الهواء کبط اھلی
ودجاج اما ما یدرق فیہ فان ما کولا فطاهر والا فمخفف ثم قال فیہ ثم الخفة
انما تظهر فی غیر الماء فلیحفظ فی ردالمحتار واستثنی الحلبي خرق طیر
لا یؤکل بالنسبة الی البئر فانه لا ینجسها لتعذر صونها عنه کما تقدم فی البئر
ج ۱ ص ۳۳۰ و ص ۳۳۱

اس روایت سے ثابت ہوا کہ صورت مسئلہ میں کنواں پاک ہے۔

سواء کان الغراب ما کولا او غیر ما کول علی الاختلاف فی زماننا (تمتہ ثانیہ ص ۱۸۰)

کنواں بیت الخلاء سے کتنی دور رہنا چاہیے

سوال (۵۳) پانچا نہ سنڈ اس جو گڑھا اس قدر نہیں کھودا گیا ہو کہ پانی نکل آیا ہو اور اس
سے بفاصلہ چار ہاتھ کے کنواں پختہ ہو تو اس کنوئیں کا پانی استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب۔ اس فاصلہ کی شرعاً کوئی حد نہیں۔ زمین کی نرمی و سختی کے تفاوت سے حکم متفاوت
ہو جاتا ہے۔ فاصلہ اس قدر ہونا چاہیے کہ نجاست کا اثر کنوئیں کے پانی میں نہ آوے۔ کذا فی
ردالمحتار۔ ج ۱ ص ۲۲۸۔ ۱۲ / شعبان ۱۳۳۰ھ (تمتہ اولیٰ ص ۱۰)

سوال (۵۴) ایک بیت الخلاء زمین دوز مثل کنواں ستائیس ہاتھ عمیق ہے اس میں دن رات پانچاں بول و براز روزمرہ لوگ گھر کے کرتے ہیں اور پانی اس زمین میں جس میں پانچاں ہے قریب ۳۵ ہاتھ کے نکلتا ہے اب سوال یہ ہے کہ اسی بیت الخلاء زمین دوز کے قریب چاہ بنانا چاہتے ہیں کتنی دور فاصلہ پر یعنی کتنے ہاتھ دور چاہ بنایا جاوے تو جائز عند الشرع شریف ہے۔

الجواب۔ اس میں کئی قول ہیں۔ ایک یہ کہ پانچ ہاتھ کا فصل ہو، ایک قول یہ ہے کہ سات ہاتھ کا ہو مگر رائج یہ ہے کہ اتنا فصل ہو جو رنگ یا بو یا مزہ کے پہونچنے سے مانع ہو اور یہ زمین کی نرمی و سختی کے تفاوت سے متفاوت ہوتا ہے اور اندازہ معین کرنے والوں کے اقوال کو بھی اسی پر مبنی کہا جاوے گا انہوں نے اپنی اپنی زمین کے اعتبار سے اندازہ بتلایا تو اس پر سب اقوال باہم متطابق ہو جاویں گے اور اس کا معیار اہل تجربہ کا قول ہے۔

هذا كله في رد المحتار تحت قول الدر المختار البعد بين البير والبالوعة بقدر مالا يظهر للنجس اثره فصل في البير قبيل مسائل السور - ج ۱ - ص ۲۸۸

۲۶ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۳ھ (تمتہ ثالثہ ص ۳۹)

سوال (۵۵) بیت الخلاء اور کنوئیں کے درمیان میں کس قدر فصل ہونا چاہیے جس سے نجاست کا اثر کنوئیں تک نہ پہنچ سکے عند الشرع کوئی فصل مقرر ہے یا نہیں۔ جواب سے مشرف فرماویں۔ یہاں ضلع سورت میں اکثر بیت الخلاء کنوئیں دار ہوتے ہیں۔

الجواب۔ فی الدر المختار قبیل احکام السور فرع البعد بین البیر والبالوعة بقدر مالا يظهر للنجس اثره فی رد المحتار اختلف فی مقدار الحد المانع من وصول نجاسة البالوعة الى البير ففي رواية خمسة اذرع و فی رواية سبعة وقال الحلواني المعتبر الطعم او اللون او الريح لم يتغير جازوا لا ولو كان عشرة اذرع وفي الخلاصة والخانية والتعويل عليه وصححه فی المحيط بحر والحاصل انه يختلف بحسب رخاوة الارض وصلابتها ومن قدره اعتبر حال ارضه (ج ۱ ص ۲۲۸)

اس عبارت سے امور ذیل مستفاد ہوئے۔

۱..... جنہوں نے اس فصل کی مقدار معین کی ہے انہوں نے اپنی زمینوں کی حالت دیکھ کر معین کی ہے ہر جگہ اس پر حکم نہیں کر سکتے۔

۲..... صحیح یہی ہے کہ اس کی مقدار معین نہیں بلکہ مدار اس پر ہے کہ نجاست کا کوئی اثر رنگ یا بویامزہ پانی میں ظاہر نہ ہو اور زمین کی نرمی سختی کے تفاوت سے اس کی حالت مختلف ہوگی۔

۱۸ شوال ۱۲۵۵ھ (تمتہ خامسہ ص ۵۳۳)

سوال (۵۶) کنواں اور پاخانہ میں کتنا فاصلہ ہونا چاہیے کنواں اور پاخانہ گہرائی میں برابر ہوتے ہیں اور زمین ہمارے یہاں کی نیچے سے زرد اور سخت ہے۔

الجواب۔ فی الدر المختار البعد بین البئر والبالوعة بقدر ما لا يظهر للنجس اثر فی رد المحتار اختلف فی مقدار البعد المانع من وصول نجاسة البالوعة الى البئر ففي رواية خمسة اذرع وفي رواية سبعة وقال الحلواني المعتبر الطعم او اللون او الريح فان لم يتغير جاز والا لا ولو كان عشرة اذرع وفي الخلاصة والخانية والتعويل عليه و صححه في المحيط بحر والحاصل انه مختلف بحسب رخاوة الارض وصلابتها ومن قدره اعتبر حال ارضه (قبیل احکام السور) اس سے معلوم ہوا کہ فاصلہ کی کوئی مقدار معین نہیں اتنا فاصلہ ہونا چاہیے جس میں نجاست کا رنگ یا بویامزہ پانی میں نہ پہنچے۔ ۱۰ شوال ۱۲۵۹ھ (النور جمادی الاخریٰ ۱۲۵۰ھ)

چیل اور گدھ کی بیٹ گرنے سے کنوئیں کا حکم

سوال (۵۷) چیل اور گدھ کی پیخال اگر کنوئیں میں گر جاوے تو کنواں پاک رہا یا ناپاک۔

الجواب۔ فی الدر المختار ولا نزع بخرء حمام وعصفور وكذا سباع طير فی الاصح لتعذر صونها عنه فی رد المحتار ومفاد التعليل انه نجس معفو عنه ج: ۱ ص: ۲۲۷۔ وفي الدر المختار و خرق كل طير لا يذرق في الهواء كبط اهلي ودجاج اماما يذرق فيه فان ما كولا فطاهر والا فمخفف في رد المحتار اي عندهما الخ ص ۳۳۰۔

ان روایات سے معلوم ہوا کہ جو پرندہ حرام اڑتا ہوا پیخال کر دیتا ہو اس سے کنواں ناپاک نہ ہونے کا قول بضرورت اختیار کیا گیا ہے۔ ۱۳ صفر ۱۳۳۰ھ (تمتہ اولیٰ ص ۹)

گو براور لید کنوئیں میں گر جانے کا حکم

سوال (۵۸) چلتے یعنی ہرٹ یا چرس والے کنوئیں میں گو بر گرتا رہتا ہے پانی پاک ہے یا ناپاک بچنا ضروری ہے یا نہیں۔

الجواب۔ فی رد المحتار مسائل البیر وفی التاترخانیة ولم یدکر محمد فی الاصل روث الحمار والخشی (ای البقر والفیل) واختلفوا فیہ فقیل ینجس ولو قليلا او یابساً وقیل لو یابساً فلا واكثر هم علی انه لو فیہ ضرورة وبلوی لاینجس والا نجس اه۔ جلد اول ص ۲۲۷۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر اس سے بچنا مشکل ہو تو قلیل عفو ہے۔ (۱) (امداد ج ۱ ص ۱۳) ۱۲ محرم ۱۳۳۵ھ

سوال (۵۹) زید کہتا ہے کہ گو بر یا لید بقدر دو لینڈی بکری یا اونٹ کے برابر گو بر خشک ہو یا تر کوئیں میں گر جاوے اور وہ ریزہ ریزہ ہو جاوے تو پانی پاک رہتا ہے نجس نہیں ہوتا ہے دلیل بحوالہ فتاویٰ قاضی خاں مطبع نول کشور ص ۶ و عن محمد التبنة والتبنتان (۲) عفو یہی دلیل سے کہتا ہے کہ پانی پاک رہتا ہے اور بکر کہتا ہے کہ گو بر تر ہو یا لینڈی تر ہو کہ کم ہو وے یا زیادہ کنوئیں میں گر جاوے تو سب پانی ناپاک ہو جاتا ہے اور یہ نجاست یعنی گو بر غلیظ ہے جیسا کہ (۳) میں ہے۔

والارواث والاختاء فکلها نجس نجاسة غلیظة عند ابی حنیفة رحمة الله علیه اور فتاویٰ قاضی خاں مطبع نول کشور ص ۶ والروث واختاء البقر بمنزلة البول۔ اس مسئلہ میں جیسا کہ آپ کے نزدیک تحقیق ہو ار سال فرمادیں۔

الجواب۔ فی الدر المختار حیث عدّ النجاسة الغلیظة وروث وخشی افاد بہما نجاسة خرة کل حیوان غیر الطیور وقالوا مخففة الی قوله و طهرهما محمد

(۱) اصلاح اس جواب پر بھی بحث کی گئی ہے جو کہ ص ۳۳۲ ملحقات تتمہ اولی امداد الفتاویٰ میں مذکور ہے اور اس حصہ کے تتمہ اولی ص ۳ میں حضرت مولانا نے اس کے جواب کی طرف اشارہ کیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ قلیل سے مراد مقدار ضروری ہے اور اس کی مقدار مبتنی بہ کی رائے پر ہے پس اس عبارت کے معنی یہ ہوئے کہ اگر وقوع نجاست سے بچنا مشکل ہے تو مقدار ضروری معاف ہے اور ضرورت کی مقدار رائے مبتنی بہ پر ہے۔ واللہ اعلم۔ (یہ اضافہ صحیح الاغلاط ص ۴ سے کیا گیا) محمد شفیع عفی عنہ۔

(۲) تبین کہتے ہیں بھوسہ کے تنکے کو خدا جانے سائل نے کیا سمجھ کر استدلال کیا ہے ۱۲ منہ۔

(۳) نام کتاب کا نہیں پڑھا گیا ۱۲ منہ

آخر اللبلوی وفي رد المحتار ان الروث للفرس والبغل والحمار والخثی وبکسر
للبقر والفیل و فيه عن النکت للعلامة قاسم ان قول الامام بالتغليظ رجحه في
المبسوط وغيره وفيه عن التاترخانية ولم يذكر محمد في الاصل روث الحمار
والخثی و اختلفوا فيه فقليل ينجس ولو قليلا او يابساً وقيل لو يابساً فلا واكثرهم
على انه لو فيه ضرورة و بلوی لا ينجس والا نجس اھ روایات بالاسے یہ امور مستفاد
ہوئے۔

۱..... لید اور گو بر میں علماء کا اختلاف ہے۔

۲..... رائج امام صاحب کا قول ہے کہ وہ نجس غلیظ ہے۔

۳..... کنوئیں میں اگر قلیل گر جاوے (۱) تو اگر اس کنوئیں کی حفاظت اس سے ممکن ہے تو وہ
نا پاک ہو جاوے گا اور اگر حفاظت نہیں ہو سکتی تو ناپاک نہ ہوگا۔ یکم صفر ۱۳۲۲ھ (تتمہ اولی ص ۲)

اصلاح تسامح متعلقہ مسئلہ نمبر ۵۸ و ۵۹ مندرجہ ملحقات تتمہ اولی امداد الفتاویٰ ص ۳۳۴

خلاصہ سوال۔ کنوئیں میں جو ہرٹ دار ہو گو بر گرتا ہے پاک ہے یا نہ۔

خلاصہ جواب۔ اگر اس سے بچنا مشکل ہو تو قلیل عفو ہے۔

اصلاح تسامح۔ سوال سائل ازاں بیرست کہ بذریعہ بقر روز و شب جاری ست و روث
آن ہمیشہ در بیرمی افتد چنانچہ دریں دیار واقع ست بسیار روث ملطخ بمع بول بقر و آب بیر در بیرمی
افتند نہایت بلوی عام ست و پرہیز نہایت مشکل ست برائے سہولت امور مسلمین جواب ایں طور
ضروری بود اگر بلوی عام ست و پرہیز مشکل و بیر جاری ست عفو ست بعینہ سند ایں آن عبارت
ست کہ در جواب خود مجیب مدظلہ تحریر فرمودند و اکثر ہم علی انہ لو فیہ ضرورۃ و بلوی
لا ینجس والا نجس ۱۲ رد المحتار۔ معلوم نیست کہ لفظ قلیل از کدام عبارت استخراج
فرمودند ہر گاہ بضرورت بلوی نجس نہاند قلیل و کثیر برابر شد در حکم و دیگر سند ایں مسئلہ روایت ذیل ست۔

وعن زفر روث مايو كل لحمه طاهر وفي المبتغى الارواث كلها نجسة
الارواية عن محمد انها طاهرة للبلوی فی هذه الرواية توسعة لارباب الدواب
فقلما یسلمون عن التلطح بالارواث والاختاء فتحفظ هذه الرواية اھ کلام

(۱) اور قلیل کی مقدار امام صاحب کے نزدیک رائے مبتدئی بہ پر ہے ۱۲ منہ

المبتغی واذا قلنا بذلك ههنا لا یبعد لان الضرورة داعية الى ذلك كما افتوا بقول محمد بطهارة الماء المستعمل للضرورة و نحو ذلك (الی ان قال) وقد قال فی شرح المنیة المعلوم من قواعد ائمتنا التسهیل فی مواضع الضرورة و البلوی العامة كما فی مسألة آبارا لفلوات و نحوها اه ای کالعفو عن نجاسة المعذور عن طین الشارع (الی ان قال) من ان المشقة تجلب التیسیر ومن انه اذا ضاق الامر اتسع والله تعالی اعلم ۱۲ ردالمحتار ص ۱۹۵ ج ۱)

نجس جوتے کا کنوئیں میں گرنا

سوال (۶۰) اگر جوتی کنوئیں میں گر گئی اور وہ اب نہیں نکلتی تو کیا کرنا چاہیے اور اگر نکل گئی تو کس قدر پانی نکالنا چاہیے۔

الجواب۔ فی الدر المختار ینزح کل مائها بعد اخ احه الا اذا تعذر کخشبة او خرقة متنجسة۔ اگر نکل سکے تو نکالنے کے بعد اور اگر نہ نکل سکے تو بدون اس کے نکالے ہوئے کل پانی نکالا جاوے اور اگر جوتی پاک تھی تو کوئی حرج نہیں۔ فقط ۱۱ ربیع الاول ۱۳۲۵ھ (امداد ص ۱۳ ج ۱)

سوال (۶۱) میرا جعفر ضلع روالپنڈی میں لب نالہ بارانی نشیب جگہ میں ایک کنواں ہے جس سے گاؤں کے لوگ پانی بھرا کرتے ہیں۔ ایک روز ایک راہ گزر لڑکی نو دس سالہ پانی پینے کے لئے کنوئیں پر گئی اتفاقاً اس کے ایک پیر کی سلپر جو ایک قسم کی جوتی ہے کنوئیں میں گر پڑی اس کی پلیدی کی کسی کو خبر نہیں کہ آیا وہ سلپر پاک تھی یا پلید ہاں تین عورتیں اس وقت کنوئیں پر موجود تھیں ان کا بیان ہے کہ جو سلپر دوسرے پیر میں تھی اس کے اوپر کا پنچہ صاف تھا بس اس قدر بیان ہے۔ اب التماس یہ ہے کہ یہ کنواں بحکم الیقین لا یزول الا بالیقین اپنی طہارت قدیمہ کے بموجب پاک و طاہر رہے گا جیسا کہ فقہاء کرام نے بلا تیقن نجاست نزح کل ماء یا بعض ماء کا حکم نہیں دیا ہے یا محض احتمال و شک نجاست پر نجاست چاہ کا حکم دیا جائے گا۔ مہربانی فرما کر اس کا جواب بادلائل مرحمت کیا جاوے۔

الجواب۔ فی ردالمحتار عن البحرو قیدنا بالعلم لانهم قالوا فی البقر و نحوه ینخرج حیا لا یجب نزح شیء وان کان الظاهر اشتمال بولها علی افخاذها لکن یحتمل طهارتها بان سقطت عقب دخولها ماء کثیرا مع ان الاصل الطهارة اه۔ ومثله فی الفتح ج ۱ ص ۲۱۹ روایت ہذا صریح ہے اس چاہ کے

طاہر ہونے میں فقط کتبہ محمد اشرف علی

۱۶ صفر ۱۳۲۸ھ (تمتہ اولیٰ فتاویٰ امدادیہ ص ۴)

تین سو (۳۰۰) ڈول بقول امام محمد زکالنے کی تحقیق

سوال (۶۲) طہارت بیر میں امام محمد صاحب کا قول تین سو ڈول کا جو منقول ہے وہ معلول بعلت ثابت ہوتا ہے کہ ان کے دیار میں اسی قدر پانی کنوؤں میں ہوتا تھا اب ہمارے دیار کے لوگ خواہ بدہمتی سے یا بے سامانی سے کل پانی کے اخراج میں بہت نالاں ہیں سو دریافت طلب یہ امر ہے کہ جو کنوے ایسے ہیں کہ جن کا پانی بدقت تمام یا بہ سہولت کل نکل سکتا ہے ان کے طہارت کا حکم بھی تین سو ڈول پر دیدینا ثابت ہے یا نہیں پھر اگر امام محمد صاحب کے قول کی حجت لی جائے تو اس علت پر نظر کیوں نہیں ہوتی جو ان کو ملحوظ تھی۔

الجواب۔ واقعہ میں علی الاطلاق تین سو ڈول کا فتویٰ مسلک ضعیف ہے رائج یہی ہے کہ علت پر نظر کی جاوے (شامی وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کل پانی نکل سکے تو کل نکالا جاوے اور اگر کل نہ نکل سکے تو اب تقدیر کی ضرورت ہوگی اور تقدیر میں اختلاف ہے بعض نے قول عدلین کا اختیار کیا ہے۔ اور بعض نے بوجہ تیسیر کے تین سو ڈول پر فتویٰ دیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جن کنوؤں کے متعلق سائل سوال کرتا ہے یہ تقدیر ان سے متعلق نہیں ہے اور نہ اس پر کسی کا فتویٰ ہے۔ پس قول مذکور محل تامل ہے فقط واللہ اعلم۔ یکم ربیع الثانی ۱۳۲۸ھ

نوٹ..... یہ اضافہ تصحیح الاغلاط سے کیا گیا ہے جو امداد الفتاویٰ جلد اول میں ہے ۱۲ منہ

فصل فی الآسار

لعاب دہن لگا کر انگلی سے قرآن مجید کی ورق گردانی کا حکم

سوال (۶۳) بوقت تلاوت قرآن مجید زبان کے لعاب یعنی تھوک انگشت میں لگا کر قرآن مجید کے ورق کو الٹاتے ہیں یا اسی طرح الٹانا بشرع جائز ہے یا نہیں آیا حرام یا مکروہ تحریمی یا تنزیہی۔ بینوا مع الدلیل فتوجروا۔

الجواب۔ مسئلہ فقہیہ سورۃ آدمی طاہر سے لعاب دہن کی طہارت ظاہر ہے اور تقبیل

حجر اسود کی مسنونیت سے اس لعاب کے لگنے کا خلاف ادب نہ ہونا بھی ظاہر ہے جو کہ تقبیل میں محتمل ہے اس سے اس طرح ورق گردانی مصحف کا جواز یقینی ہے۔ ۱۰ رزی الحجہ ۱۳۲۸ھ (تمہ اولیٰ ص ۵)

فصل فی التیمم

مسجد کی زمین پر تیمم کرنے کا حکم

سوال (۶۴) مسجد کی زمین میں تیمم درست ہے یا نہیں۔

الجواب۔ اس وقت روایت نہیں ملی مگر کہیں دیکھا ہے کہ مکروہ ہے۔ (تمہ اولیٰ ص ۶)

جواز تیمم کے لئے پانی سے کتنی دوری شرط ہے

سوال (۶۵) اگر شکار وغیرہ میں ایسی جگہ کہ جہاں پانی تلاش کرنے سے تو بہم پہنچ سکتا ہے لیکن تلاش کرنے میں نماز کے قضا ہو جانے کا اندیشہ ہے تو ایسے وقت میں تیمم کر سکتا ہے یا نہیں اگر تیمم نہیں کر سکتا تو کیا کرے۔

الجواب۔ اگر پانی ایک میل شرعی کے اندر ہو جو کہ میل انگریزی سے کچھ زیادہ ہوتا ہے تو تیمم جائز نہیں۔ اگرچہ (۱) نماز قضا ہو جائے پانی تلاش کر کے وضو کرے اور نماز قضا پڑھے۔

۱۳ صفر ۱۳۳۰ھ (تمہ اولیٰ ص ۶)

جو قفل میں قید ہو اس کے لئے تیمم کا حکم

سوال (۶۶) ایک مسئلہ یہ دریافت طلب ہے کہ مثلاً کوئی اپنے مکان کے اندر ہے اور غلطی سے ملازم باہر سے قفل بند کر کے چلا گیا اب مالک مکان اندر ہے اور نماز کا وقت آ گیا اور مکان میں پانی موجود نہیں ہے اور حتی الوسع مالک مکان نے کوشش کی کہ کسی کو آواز دیکر پانی لے مگر نہ ملا اور وقت نماز کا نکلا جاتا ہے آیا وہ تیمم سے پڑھ سکتا ہے یا نہیں اور اگر پڑھ سکتا ہے تو بعد

(۱) اولیٰ یہ ہے کہ احتیاطاً اس وقت تیمم کر کے نماز پڑھ لے اور پھر پانی ملنے کے بعد وضو کر کے اعادہ کر لے۔ کما فی رد المحتار ان الا حوط ان تیمم و یصلی ثم یعید انتہی وقال بعد ذلک وهذا قول متوسط بین القولین وفيہ الخروج عن العہدۃ بیقین فلذا أقرہ الشارح (الی قولہ) فینبغی العمل بہ احتیاطاً (شامی مصری ص ۱۸۰ ج ۱) ۱۲ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

پانی ملنے کے وہ اس تیمم والی نماز کو قضا کرے یا نہیں۔

الجواب۔ پڑھ سکتا ہے اور قواعد سے معلوم ہوتا ہے کہ اعادہ کرے۔ لانہ محبوس من جهة العبد۔

۱۲ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ (تمہ رابعہ ص ۲۶)

سرد ملکوں میں تیمم کرنے کا حکم

سوال (۶۷) اس جگہ برف باراں باری شدت ہوتی ہے سردی بھی بکثرت ہوتی ہے۔ ہوا نہایت تند چلتی ہے وضو کرنے سے سخت تکلیف ہوتی ہے حتیٰ کہ دست و پا اکڑ کر چند ساعت بالکل معطل رہتے ہیں۔ اس حالت میں تیمم یا مسح سے نماز جائز ہوگی یا نہیں۔

الجواب۔ فی الدر المختار باب التیمم او برد یهلك الجنب او یمرضه ولو فی المصر اذالم تکن له اجرة حمام ولا ما یدفنه فی رد المحتار قید بالجنب لان المحدث لا یجوز له التیمم خلافا لبعض المشایخ الی قوله وکانه لعدم تحقق ذلك فی الوضوء عادة وفيه ایضا نعم مفاد التعلیل بعدم تحقق الضرر فی الوضوء عادة انه لو تحقق جاز فیہ (ایضاً اتفاقاً اھ۔)

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ اگر کہیں شاذ و نادر ایسی صورت ہو کہ وضو کرنے سے ہلاکت یا مرض کا غالب اندیشہ ہو اور گرم پانی کرنے کا بھی سامان نہ ہو۔ نہ ایسا کوئی کپڑا ہو کہ اس میں لپٹ کر بدن گرم کر لیں۔ ایسی صورت میں تیمم جائز ہے۔ ورنہ جائز نہیں۔ اور پاؤں دھونے کا بدل مسح خفین ہو سکتا ہے۔ ۱۳ ربیع الثانی ۱۳۳۲ھ (امداد ص ۶)

ریل میں تیمم جنابت کی شرط

سوال (۶۸) ریل وغیرہ کے سفر میں کہیں ضرورت غسل کی ہو جاوے اور پانی بقدر غسل نہ ملے اور وضو وغیرہ جس میں ہو سکے اتنا ملتا ہو تو غسل کا تیمم کر کے نماز ادا کر سکتا ہے یا نہیں۔ اسٹیشن پر اگرچہ پانی ہر جگہ بکثرت مل سکتا ہے لیکن غسل کرنا اس کو ریل میں مشکل ہے تو تیمم کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب۔ غسل اسٹیشن پر مشکل نہیں لنگی باندھ کر پلیٹ فارم پر بیٹھ کر سقہ کو پیسے دے کر کہدے کہ مشک سے پانی چھوڑ دے اور اس کے قبل ٹانگیں وغیرہ ریل کے پائخانہ یا غسل خانہ میں جا کر پاک کرے یا برتن میں پانی لیکر یا اگر نل میں پانی موجود ہو تو اس سے اس پائخانہ یا غسل

خانہ میں بھی غسل ممکن ہے۔ ہمت کی ضرورت ہے ایسی حالت میں تیمم درست نہیں۔
 ۱۳/ صفر ۱۳۳۰ھ (تمہ اولیٰ ص ۹)

بَابُ الْمَسْحِ عَلَى الْخَفَيْنِ وَغَيْرِهِمَا

جُراہوں اور سوتی موزوں پر مسح کا حکم

سوال (۶۹) اونی یا سوتی موزہ پر مسح جائز ہے یا نہیں۔

الجواب۔ فی الدر المختار او جور بیه ولومن غزل او شعر الشخنین بحیث یمشی فرسخا و یثبت علی الساق بنفسه ولا یری ما تحتہ ولا یشف اھ اس روایت سے معلوم ہوا کہ اگر اونی یا سوتی موزوں میں یہ چند شرائط ہوں تو ان پر مسح جائز ہے۔

۱..... گاڑھے اور موٹے ایسے ہوں کہ صرف اس کو پہن کر تین میل یعنی بارہ ہزار قدم چلیں تو وہ پھٹیں نہیں۔

۲..... دوسرے یہ کہ اگر اس کو پہن کر پنڈلی پر نہ باندھیں تو گرے نہیں۔

۳..... تیسرے اس میں سے پانی نہ چھنے۔

۴..... چوتھے اس کے اندر سے کوئی چیز نظر نہ آوے۔ یعنی اگر آنکھ لگا کر اس میں سے دیکھے تو کچھ نہ دکھائی دے۔ ۱۳/ ذی قعدہ ۱۳۲۰ھ (امداد ص ۵ ج ۱)

سوال (۷۰) کتب فقہ میں سے مسح جو ربین پر بمذہب صاحبین رحمہما اللہ ثابت ہے مگر اس میں شرط تخنین کی لکھی ہے اس کی حد تک سمجھ کام نہیں کرتی ہے کہ تخنین کی تعریف کہاں تک ہے قدوری میں تو یہ لکھا ہے کہ یشغان الماء اور حاشیہ پر جو ہرہ نیرہ کے حوالے سے یہ لکھا ہے کہ مالا یری ماتحتہما من خلالہ اور شرح وقایہ میں یستمسکان علی الساق بلا شد لکھا ہے۔

ان کتابوں کی رو سے پورا اطمینان قلب کو نہیں ہوتا ہے اس وجہ سے خدمت عالی میں عرض ہے کہ آیا یہ جورب یعنی موزہ مروجہ جن کو ہم لوگ سردی اور گرمی کے موسم میں خواہ اونی یا سوتی جن میں ڈبل بھی ہوتے ہیں اور ہلکے بھی ہوتے ہیں ان پر مسح جائز ہے یا نہیں۔ میرے ایک عزیز

جن کو علم دینیات میں دخل ہے مگر تقلید سے نسبت نہیں ہے انہوں نے مجھ کو ہدایت کی ہے کہ تم بلا درلغ ان موزوں پر مسح کیا کرو ان پر مسح احادیث اور کتب فقہ سے پورے طور پر ثابت ہے اس وجہ سے اس کی تحقیق کرنے کی ضرورت پڑی کیونکہ تمام علماء کی زبانی یہ ہی شروع سے اس وقت تک سننے میں آیا ہے کہ ربڑ کے موزوں پر مسح ہو سکتا ہے اور جراب کے متعلق مدعی یہ کہتا ہے کہ یستمسکان علی الساق کے معنی یہ ہیں کہ پنڈلی کا موزہ رکار ہے۔ کعب کھلنے نہ پاوے اور مشہور یہ ہے کہ پنڈلی پر کھڑا رہے اور ایک فرسخ دو فرسخ چلنے سے بھی موزہ یعنی جراب گرنے جائے۔

الجواب۔ درمختار میں مجموعہ ان سب قیود کو شرط ٹھہراتا ہے اور ان سب شروط کے تحقق کی جو علت ہے یعنی اس کا معنی خف میں ہونا یہ دلیل ہے اس کی کہ لایستمسکان کے معنی یہی ہے کہ گرنے جاوے اور حدیث میں جو آیا ہے وہ مجمل و مبہم ہے کیونکہ وہ واقعہ کی حکایت ہے اور حکایت فعل کو عموم نہیں ہوتا لہذا دوسرے دلائل کی طرف رجوع کیا جاوے گا چونکہ ہماری متعارف جرائیں اس شان کی نہیں ہوتیں لہذا ان پر مسح جائز نہیں فقط ۲۵ جمادی الاخریٰ ۱۳۲۵ھ (تمہ اولیٰ ص ۷)

سوال (۷۱) مفتیان شرع متین کا کیا ارشاد ہے۔ زید و عمر باہم مناظر ہیں۔ زید کہتا ہے کہ کھال کے موزوں کے سوا مسح ہرگز درست نہیں۔ ہاں اگر جرائیں پشم کی ہوں یا ڈبل زین کی ہوں اور ایسی مضبوط بنی ہوئی ہوں جس میں گرد و غبار نفوذ نہ کر سکتا ہو اور صلابت ایسی ہو کہ اگر زمین پر رکھی جاویں تو کھڑی رہیں ان پر مسح درست ہے بحوالہ کتب فقہ ارشاد ہو۔ بینوا تو جروا۔

الجواب۔ زید کا قول صحیح ہے۔ عینی نے شرح ہدایہ میں اس پر فتویٰ نقل کیا ہے۔

۲۶/ ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ (تمہ ثانیہ ص ۱۰۴)

انگریزی بوٹ جو پورے پاؤں کو چھپالے اس پر مسح کا حکم

سوال (۷۲) فل بوٹ یعنی اس بوٹ پر جس میں ٹخنے چھپے رہتے ہیں مسح جائز ہے یا نہیں۔

الجواب۔ فی الدر المختار باب المسح علی الخفین شرط مسحه ثلثة امور الاول کونه ساتر محل فرض الغسل القدم مع الکعب او یکون نقصانه اقل من الخرق المانع فیجوز علی الزربول لو مشدودا الا ان یتظهر قدر ثلثة اصابع والثانی کونه مشغولاً بالرجل والثالث کونه مما یمکن متابعة المشی

المعتاد فیہ فرسخا فاکثر آہ فی ردالمحتار قوله مشدودا لان شدة بمنزلة الخیاطة وهو مستمسك بنفسه بعد الشد كالخف المخیط بعضہ ببعض فافهم و فی البحر عن المعراج ویجوز علی الجاروق المشقوق علی ظهر القدم وله ازرار یشدها علیہ تسده لانه کفیر المشقوق وان ظهر من ظهر القدم شیئ فهو کحرق الخف قلت والظاهر انه الخف الذی یلبسه الاتراك فی زماننا اه چونکہ اس بوٹ میں تینوں شرطیں جواز مسح کی پائی جاتی ہیں جو روایت بالا میں مذکور ہیں اسلئے مسح اس پر جائز ہے البتہ بوجہ اس کے کہ بجائے جوتہ کے مستعمل ہوتا ہے اس لئے یا بوجہ نجس ہونے کے اور یا بوجہ سوء ادب کے بلا ضرورت اس سے نماز نہ پڑھنا چاہیے۔ واللہ اعلم۔

یوم الاضحیٰ ۱۳۲۲ھ (امداد ص ۶ ج ۱)

سوال (۷۳) اگر وضو بھی ساقط ہو گیا تو اس پر جوتے پر مسح کر سکتا ہے یا نہیں جوتہ ایسا ہے جس کے اندر ہوا گرد و غبار نہیں پہنچ سکتا۔

الجواب۔ فی الدر المختار شرط مسحه کون۔ سائر القدم مع الکعب اویکون نقصانه اقل من المانع فیجوز علی الزربول لو مشدوداً الا ان یشہر قدر ثلاثة اصابع فی ردالمحتار لان شدة بمنزلة الخیاطة وهو مستمسك بنفسه بعد الشد كالخف المخیط بعضہ ببعض فافهم و فی البحر عن المعراج ویجوز علی الجاروق المشقوق علی ظهر القدم وله ازرار یشدها علیہ تسده لانه کفیر المشقوق وان ظهر من ظهر القدم شیئ فهو کحروق الخف اه والظاهر انه الخف الذی یلبسه الاتراك فی زماننا ج ۱ ص ۲۲۹۔

اس سے معلوم ہوا کہ جوتہ مذکور پر مسح بھی جائز ہے بشرطیکہ چلنے میں اندر سے پاؤں یا جراب نظر نہ آوے اور اگر نظر آوے تو پھر سوال میں ظاہر کرنا چاہیے کہ کتنا نظر آتا ہے۔ (تمتہ اولیٰ ص ۸)

جرا ب سوتی کے اوپر چمڑے کا موزہ پہن کر اس پر مسح

سوال (۷۴) کیا چرمی موزوں کے اندر جن پر مسح درست ہے آیا جراب پہننا درست ہے یا نہیں اور ان چرمی موزوں کے اندر جراب پہننے کی صورت میں مسح درست ہے یا نہیں جواب باصواب سے مطلع فرمایا جاوے۔

الجواب۔ فی الدر المختار او جرموقیه ولو فوق خف اولفافة ولا اعتبار

بما فی فتاویٰ الشادی لانه رجل مجهول لا یقلد فیما خالف المنقول. فی ردالمحتار ثم الذی فی هذه الفتاویٰ هو نقله عنها فی شرح المجمع من التفصیل وهو ان ما یلبس من الکرباس المجرد تحت الخف یمنع المسح علی الخف لکونه فاصلاً وقطعة کرباس تلف علی الرجل لا تمنع لانه غیر مقصود باللبس وقد اطلال فی رده فی شرح المنیة والدرر والبحر لتمسک جماعة به من فقهاء الروم قال وقد اعتنى یعقوب باشا بتحقیق هذه المسئلة فی کراسة مبینا للجواز لما سأله السلطان سلیم خان اهـ.

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ صورت مذکورہ سوال میں مسح درست ہے۔ ۱۰ ج ۱ ص ۲۳ (تمتہ خامہ ص ۳۶۲)

بَابُ الْحَيْضِ وَالنِّفَاسِ وَالِاسْتِحَاضَةِ

جمے ہوئے خون کے بعد جو خون آوے اس کا حکم

سوال (۷۵) بعد سقوط علقہ ومضغہ جو دم آوے گا وہ دم نفاس ہوگا یا نہیں؟

الجواب۔ نہیں۔ فی الدر المختار والنفاس دم ینخرج عقب ولد او اکثره ولو منقطعاً عضواً لا اقله۔ فقط۔ (امداد ص ۱ ج ۱)

استقاط حمل کے بعد حیض یا استحاضہ کا حکم

سوال (۷۶) اگر حمل گرنے کے بعد کوئی عضو ظاہر نہ ہوتا ہو بلکہ نرا خون ہی خون ہو یا محض گوشت کا لوٹھڑا ہو تو وہ خون جو بعد استقاط کے دیکھا ہے وہ حیض ہے یا استحاضہ۔

الجواب۔ فی الدر المختار وسقط ظہر بعض خلقه کید اور رجل او اصبع او ظفر او شعر ولد حکماً فتصیر به نفساء الی قوله فان لم یظہر له شیئی فلیس بشیئی والمرائی حیض ان دام ثلاثاً وتقدمه طهر تام والا استحاضة اهـ۔ فی ردالمحتار قوله و تقدمه ای وجد قبله بعد حیضها السابق لیصیر فاصلاً بین الحیضتین الخ قوله والاستحاضة ای ان لم یدم ثلاثاً وتقدمه طهر تام او دام

ولم يتقدمه طهر تامہ اولم یدم ثلثا ولا تقدمه طهر تام ح
پس صورت مسؤلہ میں نفاس تو نہیں پھر اگر یہ خون تین دن تک رہا اور اس کے قبل طہر کی
مدت پوری ہوئی تھی تو حیض ہے ورنہ استحاضہ۔ ۵ رجب ۱۳۳۱ھ (تمہ ثانیہ ص ۵۰)

استقاط حمل کے احکام متعلقہ نفاس و نماز روزہ وغیرہ

سوال (۷۷) دو ماہ کا استقاط ہو گیا مضغہ گوشت جس میں نشانات صورت نمودار تھے
گر اس کا کیا حکم ہے۔ دفن کرنا اور کفن لازم ہے یا نہیں اور اس صورت میں جو خون قبل استقاط یا
بعد استقاط جاری ہو وہ نفاس میں داخل ہے یا نہیں۔ نماز روزہ سے ایسی حالت میں کنارہ کش ہونا
واجب ہے یا نہیں۔ کیونکہ پوری ولادت نہیں ہے۔

الجواب۔ فی الدر المختار باب الحيض فی احکام النفاس وسقط ظہر
بعض خلقه كيد او رجل او اصبع او ظفر او شعر ولا يستبين خلقه الا بعد مائة
وعشرين يوماً ولد حکما فتصير المرأة به نفساء الى قوله فان لم يظهر له شيء
فليس بشيء والمرئي حيض ان دام ثلثا وتقدمه طهر تام والا استحاضة وفيه
باب صلوة الجنابة والا ای وان لم يستهل غسل وسمى عند الثاني وهو
الاصح فيفتي به على خلاف ظاهر الرواية اكراما لبنی ادم كما فی ملتقى البحار
وفى النهر عن الظهيرية وان استبان بعض خلقه غسل وحشر هو المختار وادرج
فی خرقه و دفن ولم يصل عليه اهـ فی ردالمحتار مواخذة على تقديره بمائة و
عشرين يوماً ما نصه ولكن يشكل على ذلك قول البحران المشاهد ظهور خلقه
قبل هذه المدة الى قوله ايضا هو موافق لما ذكره الاطباء الخ وفيه على قوله والا
يستهل مانصه شمل ماتم خلقه ولا خلاف فی غسله ومالم يتم وفيه خلاف
والمختار انه يغسل ويلف فی خرقه ولا يصلى عليه اهـ۔

راویت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی جزا جزاء بدن انسانی سے مثل ہاتھ یا پاؤں یا انگلی یا
ناخن یا بال وغیرہ نمودار ہو گیا ہے تو وہ شرعاً بچہ ہے اور اس کے بعد جو خون آیا وہ نفاس ہے اس
لئے نماز ساقط ہو جائے گی اور روزہ دوسرے ایام میں قضا کرے گی اور اس صورت میں اس کو
غسل بھی دیا جاوے گا۔ اور اگر کوئی چیز ظاہر نہیں ہوئی تو وہ بچہ نہیں ہے نہ اس کے لئے غسل و کفن
ہے نہ قاعدہ کے موافق دفن ہے البتہ چونکہ جزو آدمی ہے اس لئے زمین میں ویسے ہی دبا دینا

چاہیے اور اس صورت میں وہ خون نفاس بھی نہیں ہے بلکہ دیکھنا چاہیے کہ اس سے قبل حیض آئے ہوئے کتنا زمانہ ہوا اور یہ خون کے روز آتا ہے۔ اگر حیض آئے ہوئے پندرہ روز یا زیادہ ہو گئے ہوں اور یہ خون کم از کم تین روز آئے تو حیض ہے اور ایک شرط بھی کم ہو جاوے تو استحاضہ ہے جس میں نماز روزہ سب صحیح ہے واللہ اعلم۔ ۲۹ رزی الحجۃ ۱۳۲۱ھ (امداد ص ۱۴ ج ۱)

سوال (۷۸) اگر حمل کرنے کے بعد کوئی عضو ظاہر نہ ہوتا ہو بلکہ نرا خون ہی خون ہو یا محض گوشت کا لوٹھڑا ہو تو وہ خون جو بعد اسقاط کے دیکھا ہے وہ حیض ہے یا استحاضہ بتلادیتجئے۔

الجواب۔ جب کوئی عضو ظاہر نہیں ہوا تو یہ خون نفاس تو نہیں ہے اب دیکھنا چاہیے اگر یہ تین دن سے کم میں موقوف نہ ہوا اور اس خون آنے سے پہلی مدت طہر بحالت طہر گزری ہو تو یہ حیض ہے ورنہ استحاضہ۔

فی الدر المختار فان لم يظهر له شيء فليس بشيء والمرأى حيض ان دام ثلاثا و تقدمه طهر تام والاستحاضة امد باب الحيض والنفاس ۹۰ رزی قعدہ ۱۳۲۱ھ (تمتہ اولی ص ۱۰)

جس عورت کے پہلا بچہ پیدا ہوا اس کے پاک ہونے میں چالیس روز کا انتظار نہیں

سوال (۷۹) جس عورت کے اول مرتبہ بچہ پیدا ہوا ہے اور اس کو چار روز خون نفاس کا آ کر بند ہو گیا اور ایک شب و روز بند رہا تو دوسرے روز شوہر کو اس سے وطی جائز ہے یا نہیں کیونکہ اول بچہ ہے عادت کا حال معلوم نہیں ہو سکتا۔ یا اول بچہ جس عورت کے ہو اس کا انتظار چالیس روز کرنا شوہر کو ضروری ہے اگر نہیں ہے تو کتنے دن خون آنے کے بعد وطی کرے احتمال ہے کہ پھر آوے۔

الجواب۔ فی الدر المختار وان لعادتھا الی قوله حتی تغتسل او یمضی فی رد المحتار تحت قوله وان لعادتھا ما نصہ و کذا لو کانت مبتدأة درر چونکہ حیض و نفاس کا حکم اس امر میں یکساں ہے روایت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ صورتہ مسئلہ میں وطی جائز ہے۔ ۱۶ محرم ۱۳۲۱ھ (تمتہ اولی ص ۲)

ایام عادت بھولنے والی حائضہ کا حکم

سوال (۸۰) ایک عورت کو دس دن سے زیادہ خون آیا اور اس کو اپنی پہلی عادت بالکل یاد نہیں کہ پہلے مہینے میں کتنے دن آیا تھا تو اب اس عورت کو کتنے روز نماز قضا کرنی چاہیے۔

الجواب۔ وہ تحری یعنی اٹکل کرے یعنی یاد کرے کہ کتنے دن ماہ سابق میں حیض آیا تھا جتنے دن غالب گمان سے حیض یاد آوے اتنے دنوں اپنے کو حائضہ سمجھے اور اس کی نمازیں قضا نہ کرے اور جتنے دن غالب گمان سے طہر یاد آوے اسی قدر طاہر سمجھے اور ان کی نمازیں قضا کرے اور جس میں دونوں جانب برابر ہوں احتیاط پر عمل کرے یعنی ان کی بھی نمازیں قضا کر لے اور آئندہ ماہ میں بھی اگر عادت منظونہ سے بڑھنے لگے تو بھی نمازوں کے اوقات میں اٹکل پر عمل کرے یعنی نماز وغیرہ نہ پڑھے اور جو وقت طہر کا معلوم ہو اس میں غسل کر کے نماز وغیرہ پڑھے اور جس میں کوئی امر غالب ظن سے سمجھ میں نہ آوے اس میں احتیاط پر عمل کرے یعنی جس وقت یہ شبہ ہو کہ میں حائضہ ہوں یعنی ابھی حیض میرا منقطع نہیں ہوا یا طاہرہ ہوں یعنی حیض سابق میرا منقطع ہو گیا تو غسل کر کے نماز پڑھے اور اس صورت میں احتیاط یہ بھی ہے کہ اگلے وقت میں بھی غسل کر کے وقتیہ سے پہلے اس کا اعادہ کرے پھر وقتیہ پڑھے اور جس وقت یہ شبہ ہو کہ میں طاہرہ ہوں یعنی طہارت سابقہ میری مستمر ہے حیض شروع نہیں ہوا یا حائضہ ہوں یعنی حیض شروع ہو گیا تو وضو کر کے نماز پڑھے۔ کذا يفهم من الدر المختار ورد المحتار حیث قال وحاصله انها تتحرى الخ. ۸ جمادی الاخریٰ ۱۳۲۹ھ (تمتہ اولیٰ ص ۶)

اس عورت کا حکم جس کا خون تین روز سے کم میں منقطع ہو جاوے

سوال (۸۱) جس عورت کو اکثر ایسی عادت ہو کہ تین دن رات سے پہلے خون بند ہو جاتا ہو کیا وہ شروع میں دو تین روزے قضا نہ کرے انتظار میں احتیاطاً روزہ رکھے اگر تین دن رات پورے ہو گئے تب تو حیض سمجھ کر روزہ شمار نہ کرے اور پھر ان کی قضا رکھے اگر تین رات دن سے کم میں بند ہو گیا تو استحاضہ کر کے سمجھ لے کہ روزہ کوئی نہیں گیا اس میں کیا ہونا چاہیے۔

الجواب۔ فی الدر المختار (ای بالبروز) تترك الصلاة ولو مبتدأة فی الاصح لان الاصل الصحة والحیض دم صحة شمینی رد المحتار ج ۱ ص ۲۹۲۔ اسی طرح یہاں بوجہ عادت کے غالب اور ظاہر دم مرض ہے پس اس کا مقتضی یہ ہے کہ یہ عورت نماز روزہ نہ چھوڑے جیسا سوال میں تجویز کیا گیا ہے۔ ۱۷ رمضان ۱۳۳۲ھ (تمتہ ثانیہ ص ۱۶۶)

حکم اس خون کا جو اقل طہر سے پہلے شروع ہو کر اقل طہر کے بعد تک جاری رہے

سوال (۸۲) اگر کسی کو نوروز یا دس روز ماہواری کی عادت ہو اور بیس روز پاک رہنے کی

عادت ہو اور اس کو دوسری تاریخ ماہواری شروع ہو اور دس تاریخ کو پاک ہو جاوے اور پاک ہونے کے نو روز کے بعد پھر آ جاوے جس کو آج چھٹا روز ہے اس زمانہ میں نماز روزہ سب بدستور کیا جس طرح بہشتی زیور میں ہے کہ ہر نماز کے واسطے تازہ وضو کر لیا کرے اب یہ پوچھنا ہے کہ اب پاکی کے زمانہ کو پندرہ روز ہو گئے تو اب کل سے ماہواری کا زمانہ شمار کیا جاوے گا یا عادت کے موافق بیس روز پاک رہے گی اور بیس روز کے بعد ماہواری کا زمانہ شروع ہوگا اور اگر کل سے پاکی کا زمانہ نہیں ہے تو اس حالت میں اعتکاف درست ہے یا نہیں یعنی قرآن اور نماز نہ پڑھے صرف تسبیح وغیرہ پڑھتی رہے۔

الجواب۔ فی ردالمحتار ان وقع (ای الاستمرار) فی المعتادة فطهرها وحيضها ما اعتادت فی جميع الأحكام ان كان طهرها اقل من ستة اشهر والا فترد الى ستة اشهر الساعة وحيضها بحاله ج ۱ ص ۲۹۴ يراد بالاستمرار ظهور الدم فی غیر زمان الحيض فيحكم فی المسئول عنها بالاستمرار لان المدة التي ظهر فيها الدم ليس بزمان حيض لانه لم ينقض اذ ذاك اقل زمان الطهر ولا يراد بالاستمرار عدم الانقطاع ابدالاً نه يحسب يتعذر الحكم عليها ابدًا مادامت حية هف و يصدق على هذه ايضاً ان طهرها اقل من ستة اشهر فيحكم عليها بردها الى عاداتها.

حاصل یہ کہ اس کے خون کو استحاضہ کا خون کہیں گے اور عادت کے موافق بیس روز تک پاک کہیں گے۔ ۲۸/ رمضان ۱۳۳۳ھ (تمتہ ثالثہ ص ۸۶)

طہر پندرہ روز سے کم نہیں ہوتا اگرچہ کمی قلیل بھی ہو

سوال (۸۳) کتب فقہ میں لکھا ہے کہ مکرمت طہر کی پندرہ روز کامل گزرنا ہے اور کسی عورت کا حیض یا نفاس مثلاً رمضان کی پہلی تاریخ ظہر کے بعد موقوف ہو اور پندرہ تاریخ مہینہ مذکور کے عین دوپہر کے وقت پھر خون دیکھا آیا ایک پہر یا ایک ساعت یا دو ساعت کم کا اعتبار کر کے طہر کا حکم ہوگا یا نہیں۔

الجواب۔ طہر نہ ہوگا کیونکہ پندرہ یوم ولیلہ سے کم ہے۔

فی الدرالمختار باب الحيض والناقص عن اقله الخ فی ردالمحتار قوله والناقص الخ ای ولو بیسیر قال القهستانی فلورأت الدم حين طلع نصف

قرص الشمس وانقطع في اليوم الرابع حين طلع ربه كان استحاضة الى ان يطلع نصفه فحينئذ يكون حيضا والمعتادة بخمسة مثلاً اذ ارات الدم حين طلع نصفه وانقطع في الحادى عشر حين طلع ثلثاه فالزائد على الخمسة استحاضة لانه زاد على العشرة بقدر السدس اهـ اى سدس القرص ج ۱ ص ۲۹۳ .

۲۶ رذی الحجۃ ۱۳۳۱ھ (تمتہ ثانیۃ امداد الفتاویٰ ص ۱۰۲)

حائضہ کو دعائیں اور وظائف پڑھنے کا حکم

سوال (۸۴) بعض مستورات کا سوال ہے کہ جناب کی تالیف کتاب قربات عند اللہ و صلوات الرسول ﷺ و مناجات مقبول ايام حیض میں بھی اس کی منزل پڑھی جاوے یا نہ اس لئے کہ آیات قرآن مجید و احادیث رسول اللہ ﷺ کی اس میں مسطور ہیں

الجواب۔ فی الدرالمختار۔ احکام الجنب و یحرم بہ تلاوة القرآن ولو دون اية على المختار بقصدہ فلو قصد الدعاء او الشاء او افتتاح امر او التعليم ولقن كلمة كلمة فی الأصح اهـ فی ردالمحتار قوله على المختار اى من قولین مصححین۔ ثانیہما انه لا یحرم مادون اية و رجحه ابن الہمام بانه لا یعد قارئاً بما دون اية فی حق جواز الصلوة فکذا ہہنا و اعترضہ فی البحر تبعا للحيلة بان الاحادیث لم تفصل بین القلیل و الكثير و التعلیل فی مقابلة النص مردود اهـ قلت رای اشرف علی (بانه لیس تعلیلاً بل تفسیر للحديث الناهی كحديث ابن عمر عن النبی ﷺ تقرأ الحائض ولا الجنب شیئاً من القرآن اخرجہ الترمذی فان النهی تعلق بالقرآن و مادون اية لا یسمى قرآناً و النصوص واردة على محاویات اهل اللسان فهو ایضاً عمل بالحديث ثم ذکر فی الدرالمختار فی احکام الحيض و قراءة قرآن بقصدہ الخ فی ردالمحتار قوله بقصدہ فلو قرأت الفاتحة على وجه الدعاء او شیئاً من الايات التي فيها معنى الدعاء ولم ترد القراءة لا باس به كما قدمناه عن العيون لأبى الليث (قلت وهو مانقل فی احکام الجنب و نصه) قال فی العيون لأبى الليث قرأ الفاتحة على وجه الدعاء او شیئاً من الايات التي فيها معنى الدعاء ولم يرد القراءة لا باس به و فی الغابة انه المختار و اختاره الحلواني لكن قال الهندواني لا افتي

به وان روی عن الإمام الخ ان روایات سے چند امور مستفاد ہوئے۔

امر اول۔ جب اور حائض کو قرآن پڑھنا جائز نہیں اس میں کسی کا اختلاف نہیں اسی سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ایک آیت تامہ کا پڑھنا جائز نہیں۔

امر ثانی۔ احادیث کا پڑھنا جائز ہے اس میں بھی اختلاف نہیں۔

امر ثالث۔ آیت سے کم پڑھنا بعض کے نزدیک جائز نہیں۔

امر رابع۔ اگر قرآن بقصد تلاوت نہ پڑھا جاوے بلکہ بقصد دعا پڑھا جاوے..... جبکہ اس میں دعا کے معنی ہوں تو اکثر کے نزدیک جائز ہے بعض نے اس پر فتویٰ نہیں دیا۔

امر خامس۔ چونکہ مفہیم روایات فقہیہ کے حجت ہیں لہذا یہی روایات جواز قرأت احادیث پر خصوصاً احادیث دعا پر دال ہیں اس تقریر سے سوال کا مفصل جواب حاصل ہو گیا۔ یہ تو نفس احکام کا بیان تھا جو ضروری تھا جس کے دلائل بیان کرنا عمل کیلئے ضروری نہیں لیکن اہل علم کے نشاط کے لئے ان کے دلائل کی طرف مختصراً اشارہ کرتا ہوں۔ امر اول کی دلیل عبارت مذکورہ میں مذکور ہے یعنی لا تقرأ الحائض ولا الجنب الخ و فی الباب احادیث کثیرہ غیر ما ذکر۔

امر اول کے جزء ثانی کی دلیل بھی یہی احادیث ہیں کیونکہ اس پر قرأت قرآن صادق آتی ہے۔ امر ثانی کی دلیل بھی یہی احادیث ہیں کیونکہ اس پر قرأت قرآن صادق نہیں آتی۔ نیز بجز بخاری و نسائی کے سب اصحاب صحاح نے حدیث ذکر کی ہے۔ کان صلی اللہ علیہ وسلم یذکر اللہ فی کل احیانہ کذا فی احیاء السنن۔ ظاہر ہے کہ یہ حدیث کو بھی عام ہے بلکہ قرآن کو بھی لیکن چونکہ قرأت قرآن سے نہی وارد ہے وہ اس سے مخصوص ہو گئی اور قرأت حدیث اس عموم میں داخل رہی نیز خود حضور اقدس ﷺ ایسے حالات میں کلام فرماتے تھے اور آپ کا ہر کلام حدیث ہے پس قرأت حدیث کا جواز دلیل فعلی سے بھی ثابت ہو گیا۔

امر ثالث۔ مانع کی دلیل یہی احادیث ہیں منطوقاً اس بناء پر کہ قرأت لغتہ اس کو بھی عام ہے اور میج کی دلیل بھی یہی احادیث ہیں مفہوماً اس بناء پر کہ یہ عرف اور محاورے میں قرأت نہیں۔ امر رابع اکثر کی دلیل یہ حدیث ہو سکتی ہے۔

عن عائشةؓ کان رسول اللہ ﷺ اذا کان جنباً واراد ان یاکل او ینام توضأ وضوءہ للصلوة رواہ مسلم وعن عائشةؓ ان النبی ﷺ کان اذا اراد ان یطعم

وهو جنب غسل كفيه ومضمض فاه ثم طعم رواه الدارقطني وقال صحيح كذا في احيا السنن۔

اور دوسری احادیث سے ابتداءً کل میں بسم اللہ اور فراغ عن الاکل پر الحمد للہ کہنا منقول ہے اور وضو شرعی بھی رافع جنابت نہیں اور وضو لغوی تو وضو ہی نہیں تو جنابت کی حالت میں بسم اللہ اور الحمد للہ کہنا ثابت ہوا۔ اور بسم اللہ کا قرآن ہونا تو اتر سے ثابت اور دلائل مطلق ہیں تسمیہ تامہ اور غیر تامہ کو اور الحمد للہ ایک قول پر کہ قرآن آیت غیر تامہ کو بھی عام ہے قرآن ہے مگر چونکہ اس تسمیہ و حمد لہ سے مقصود تلاوت نہ تھی بلکہ افتتاح و اختتام و تبرک مقصود تھا اس لئے جائز رکھا گیا پس امر رابع میں اکثر کا قول ثابت ہو گیا۔ اور بعض کا قول معلوم ہوتا ہے کہ محض تنزہ احتیاط پر مبنی ہے کہ لوگ حد و سے تجاوز نہ کرنے لگیں پس بطور سد ذرائع کے جواز پر فتویٰ نہیں دیا اور نہ تسمیہ و حمد لہ کو وہ بھی ناجائز نہیں کہتے کیونکہ اس وقت اس کے قرآن ہونے کا خطور بھی نہیں ہوتا تو اس میں تجاوز عن الحد و کا احتمال نہ تھا۔

امر خامس کے لئے امر ثانی کی تقریر کافی ہے فرع چونکہ جب اور حائض کے احکام میں کچھ فرق نہیں اس لئے یہ احکام اور دلائل دونوں کے لئے مشترک ہیں اصل سوال کا خلاصہ جواب یہ ہے کہ قربات عند اللہ کی ادعیہ قرآنیہ و حدیثیہ کا حائضہ کو پڑھنا جائز ہے صرف ادعیہ قرآنیہ میں یہ قید ہوگی کہ دعا کی نیت سے پڑھے۔ قرآن کی نیت سے نہ پڑھے اور جہاں اس احتیاط کی علماً و عملاً توقع نہ ہو وہاں احوط و اورع منع ہی ہے اور عجب نہیں فقیہ ہندوانی نے ایسے ہی عوام کے لئے منع فرما دیا ہو۔

فائدہ اس تحریر سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ سب اہل فتویٰ کا قصد اتباع حدیث کا ہے گو وجہ استدلال میں اختلاف ہو گیا۔ واللہ اعلم۔ اشرف علی ۴ شعبان ۱۳۵۶ھ (النور رمضان ۱۳۵۷ھ)

باب الانجاس و تطہیرھا

مردار کی کھال دباغت کے بعد پاک ہے اور ہڈی وغیرہ کے احکام

سوال (۸۵) کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین در بارہ پاک ہونے چرم اس

حیوان کے جو بقضائے اپنے فوت ہوا اور قوم چہار اس کا گوشت حرام اپنے تصرف میں لاتے اور چرم کو اس کے دباغت دے کر جفت پاپوش وغیرہ تیار کرتے ہیں جملہ مسلمانان اہلسنت وجماعت میں یہ امر رواج یافتہ ہے کہ بعد وضو کے پاؤں دھو کر اس میں رکھتے ہیں۔ اس صورت میں پاؤں اس کا اور لباس مصلیٰ کا پاک رہا یا نجس ہوا۔ اور دباغت دادہ کافر چرم اصل مردار کیونکر پاک ہوا۔

الجواب۔ سوائے خنزیر کے کہ وہ نجس العین ہے اور سوائے انسان کے کہ وہ مکرم و محترم ہے اور سب جانوروں کا چرم دباغت سے پاک ہو جاتا ہے اگرچہ وہ جانور مردار ہو۔

وکل اہاب دبغ فقد طهر وجازت الصلوة فيه والوضوء منه الا جلد الخنزیر والادمی لقوله عليه السلام ایما اہاب دبغ فقد طهر ہدایہ جلد اول ص ۲۴

عن میمونۃ قال اہدی لمولاء لنا شاة من الصدقة فما تت فمر بها النبی ﷺ فقال ألا دبغتم اہابها فاستمتعتم به فقالوا یا رسول اللہ ﷺ انہا میتة قال انما حرم اکلها ابو داؤد جلد ثانی ص ۲۱۳ اور بہت حدیثیں اس مضمون کی ہیں من شاء فلیرجع الی کتب الحدیث پس جب چرم مدبوغ پاک ہوا تو اس میں ڈالنے سے بھیگا پاؤں ناپاک نہیں ہوتا۔ (امداد ص ۱ ج ۱)

سوال (۸۶) شیر اور گرگ اور کتا وغیرہ جو جانور کہ مردار ہیں ان کی کھال اور استخوان اور چربی وغیرہ کو استعمال میں مسلمان لوگ لا سکتے ہیں یا نہیں۔ اگر لا سکتے ہیں تو کس طریقہ سے؟

الجواب۔ مردار جانوروں کی کھال سوائے آدمی و خنزیر کے دباغت سے پاک ہو جاتی ہے اس کا استعمال جائز ہے اور ہڈی اور پیٹھ اور سینگ اور بال اور اون سب پاک ہیں۔ انتفاع ان سے جائز ہے اور چربی مردار کی ناپاک ہے اس کا کسی طرح استعمال نہ چاہیے۔

ولا بیع جلود المیتة قبل ان تدبغ ولا باس ببيعها والا انتفاع بها بعد الدباغ ولا باس ببيع عظام المیتة و عصها و صوفها و قرنھا و شعرھا و وبرھا والا انتفاع بذلك کله ۱۲ ہدایہ ج ۱ ص ۲۷ و كذلك الزيت اذا وقع فيه ودك المیت فان كان الزيت غالباً جاز بیعه وان كان الودك غالباً لم یجز والمراد من الانتفاع حال غلبة الحلال الا انتفاع فی غیر الابدان واما فی الابدان فلا یجوز الانتفاع به کذا فی المحيط ۱۲ عالمگیری ج ۳ ص ۱۳۱۔ فقیل یا رسول اللہ ارأیت شحوم المیتة فانه یطلى بها السفن ویدهن بها الجلود ویستصبح

بہا الناس فقال لا هو حرام ۱۲۔ ابو داؤد ج ۲ ص ۷۳ فقط ۱۹ ربيع الثانی ۱۳۰۷ھ (امداد ص ۱۵ ج ۱)

داد سے جو رطوبت نکلتی ہے اس کے پاک ناپاک ہونے کی تحقیق اور جس کپڑے پر یہ رطوبت لگی ہو اس سے نماز پڑھنے کا حکم

سوال (۸۷) داد کے کھلانے سے جو پانی نکلتا ہے وہ ناپاک ہے یا نہیں پانی سے داغ پڑ جائیں تو نماز جائز ہوگی یا نہیں۔

الجواب۔ فی رد المحتار عن المجتبیٰ الدم والقیح والصدید وماء الجرح والنفطه وماء البثرة والشدی والعین والاذن لعلہ سوءاً علی الاصح اس سے معلوم ہوا کہ یہ پانی ناقص ہے اور درمختار میں ہے۔ و کذا اکل ما خرج منه موجبا لوضوء او غسل مغلظ۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ پانی نجس ہے اور نجس مغلظ اس لئے ان داغوں کا دھونا واجب ہے^(۱) ہے اور نجس مغلظ ایک درہم تک عفو ہے اس لئے وہ داغ اگر پھیلاؤ میں ایک روپیہ سے زائد نہ ہو نماز ہو جاوے گی۔ ۱۷/ رمضان ۱۳۲۲ھ (امداد ص ۵ ج ۱)

تر کپڑے کو کسی نجس زمین یا نجس کپڑے میں لپیٹنا

سوال (۸۸) اگر ایک کپڑا پاک کر کے نچوڑا اور وہ کپڑا تر پاک شدہ کسی ناپاک کپڑے یا بورے پر یا زمین پر رکھا جاوے تو وہ تر کپڑا پاک کیا ہونا پاک ہو گیا یا نہیں۔

الجواب۔ فی الدر المختار لف طاهر فی نجس مبتل بماء ان بحیث لو عصر قطر تنجس والا لا ولولف فی مبتل بنحو بول ان ظهر نداوتہ او اثرہ تنجس والا لا۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ ناپاک کپڑا بوریا وغیرہ اگر عین کسی نجاست سے ناپاک ہوا ہے تو اس کے اثر کے آجانے سے یہ پاک کپڑا ناپاک ہو جاوے گا ورنہ نہیں۔ اور اگر وہ عین نجاست سے ناپاک نہیں ہوا بلکہ ناپاک پانی وغیرہ سے ناپاک ہوا تھا تو اگر یہ کپڑا نچوڑنے سے نچڑ سکتا ہے تو ناپاک ہو گیا ورنہ نہیں۔ ۲/ ذی الحجہ ۱۳۲۲ھ (امداد ص ۶ ج ۱)

(۱) یہ اس صورت میں ہے کہ زخم سے نکل کر پانی بہہ گیا اور وہ کپڑے کو لگ گیا اور اگر پانی، پیپ وغیرہ صرف زخم کے منہ پر رہی اور

کپڑا اس کو بار بار لگتا رہا یہاں تک کہ کپڑے پر پھیل گیا یہ ناپاک نہیں نہ اس کا دھونا واجب ہے ۱۲ محمد شفیع

اصلاح از تصحیح الاغلاط

چونکہ سوال میں مبتل پاک ہے اور غیر مبتل نجس اور مقصود سائل یہ ہے کہ اگر مبتل طاہر غیر مبتل نجس پر رکھ دیا جاوے تو وہ پاک رہے گا یا ناپاک ہو جاوے گا اور جواب میں جو روایت فقہیہ نقل کی گئی ہے وہ اس کا عکس ہے یعنی مبتل نجس ہے اور غیر مبتل طاہر۔ پس روایت مذکورہ جواب میں نص نہ ہوگی۔ نیز عنوان جواب بظاہر سوال کے مطابق نہیں ہے۔ نیز جو کپڑا ناپاک پانی سے نجس ہو وہ نجس بخوبی داخل ہے مگر جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو نجس مبتل بالماء میں داخل کیا گیا ہے ان وجوہ سے تغیر عبارت ضروری معلوم ہوتی ہے اور تقریر جواب یوں ہونی چاہیے۔ اس عبارت سے مفہوم ہوتا ہے کہ اگر بوری یا وغیرہ پانی سے بالکل تر نہیں ہو اتو کپڑا پاک ہے اور اگر تر ہو گیا ہے تو اگر اتنا تر ہو گیا ہے کہ اس سے کپڑے میں اتنی تری آگئی ہے کہ وہ نچوڑنے سے نچڑ سکتا ہے تب تو ناپاک ہے ورنہ پاک کیونکہ اس وقت بوری یا وغیرہ نجس مبتل بالماء ہے جس کا حکم یہ ہے۔

بحیث ان عصر تنجس والا لا۔ لیکن اس تقریر پر بھی یہ جواب مخدوش ہے کیونکہ شرح منیہ ص ۱۷۲ میں ہے۔ وکذا (ای لا یتنجس) لو نشر الثوب المبلول الطاهر علی مکان یابس نجس فابتل منه لکن لم یظهر عین النجاسة فی الثوب وکذا ان نام علی فراش نجس فعرق وابتل الفراش من غیرہ فانہ ان لم یصب بلل الفراش بعد ابتلا له بعرق جسده لا یتنجس جسده وکذا اذا غسل رجله و مشی علی بدن نجس فابتل اللبد لا یتنجس رجله وکذا ان مشی علی ارض نجسة بعد ما غسل رجله فابتلت الارض من بلل رجله واسود وجه الارض ای بالنسبة الی اللون الاول لکن لم یظهر اثر اللبل المتصل بالارض فی رجله لم یتنجس رجله وجازت صلواته بدون اعاده غسلها لعدم ظهور عین النجاسة فی جمیع ذلك الخ۔

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جب کوئی طاہر مبلول نجس یا بس سے متصل ہو تو جب تک مبلول کی تری نجس سے مل کر نجس نہ ہو جاوے اور نجس ہو کر شے طاہر سے دوبارہ متعلق نہ ہو جاوے اس وقت تک شے طاہر نجس نہیں ہوتی اور جب ایسا ہو جاوے تو نجس ہو جاتی ہے خواہ بعد عصر متقاطر ہو یا نہ ہو اور جواب مذکور میں اشتراط تقاطر مذکور ہے اسلئے جواب مذکور صحیح نہ ہوگا۔ پس

روایت در مختار کو چھوڑ کر روایات شرح منیہ سے استدلال کرنا چاہیے اور تقریر جواب یہ ہونی چاہیے کہ اگر بوریا وغیرہ خشک ہیں جیسا کہ ظاہر سوال سے مفہوم ہوتا ہے تب یہ جواب ہے کہ اگر بوریا وغیرہ کپڑے سے تر نہیں ہو تب تو پاک ہے اور اگر تر ہو گیا ہے تو اگر اتنا تر ہو گیا ہے کہ اس کی تری کپڑے میں نہیں لگی تب بھی پاک ہے اور اگر اتنا تر ہو گیا ہے کہ اس کی تری کپڑے میں لگ گئی ہے تب ناپاک ہے اور اگر بوریا وغیرہ بھی تر ہے تو بہر حال ناپاک ہے ہذا معندی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

ہاتھی کی سوئڈ سے جو پانی نکلے اس کا حکم

سوال (۸۹) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ہاتھی پر جو لوگ سوار ہوتے ہیں تو ہاتھی چلتے میں گرمی کے سبب سے سوئڈ کے ذریعہ سے پیٹ کا پانی نکال کر اپنے بدن پر چھڑکا کرتا ہے یہ اس کی عادت ہے آیا وہ پانی پاک ہے یا ناپاک۔ کیونکہ سوار ہونے والوں کے کپڑوں پر کم و بیش ضرور پڑتا ہے۔ فقط۔

الجواب۔ ناپاک ہے۔ فی العالمگیریۃ۔ لعاب الفیل نجس کلعاب الفہد والاسد اذا اصاب الثوب بخرطومہ ینجسہ کذا فی فتاویٰ قاضی خان اہ ص ۲۹ مطبع مصطفائی۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم۔ ۷/ رمضان ۱۳۲۳ھ (امداد ج ۱ ص ۸)

مچھلی کا پتہ نجس ہے

سوال (۹۰) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ پتہ (زہرہ) مچھلی کا پاک ہے یا ناپاک۔ پتہ کا حکم فقہ میں مثل پیشاب کے لکھا ہے مگر مچھلی کے پیشاب کے وجود ہی میں شبہ ہے اور اگر ہو بھی تو بوجہ جانور آبی کے غالباً ناپاک نہ ہو۔

دوسرے یہ کہ مچھلی کا پتہ اگر پاک اجزاء میں شامل کر کے تیل نکالا جاوے تو بوجہ قلب ماہیت و دفع اجزاء نجسہ (مثل خاستر عقرب و سرطان) جائز ہے یا نہیں۔

الجواب۔ نمبر (۱)۔ ناپاک ہے (۱) فی الدر المختار کرہ تحریماً من الشاة سبع الحیاء والخصیة والغدة والمثانة والمرارة والدم المسفوح والذکر فی رد المحتار

(۱) اس مسئلہ کی مزید تحقیق اس کے بعد تتمہ مسئلہ نمبر ۹۰ کے عنوان سے آرہی ہے اس کو دیکھا جائے ۱۲ محمد شفیع۔

ذکر الشاة اتفاقاً لان الحكم لا يختلف في غيرها من الماكولات اهـ.

نمبر (۲)۔ جائز نہیں ہے یہ قلب ماہیت نہیں بلکہ ایک خاص ترکیب سے اس کے اجزاء کا لینا یا مرکب ہونے کے بعد مجموعہ نجس کا روغن لینا ہے بخلاف خاکستر کے کہ وہ بالکل ایک نئی چیز بعد استحالہ کے حادث ہوئی ہے اور یہ امر نہایت ظاہر ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۹ رمضان ۱۳۲۳ھ (امداد ص ۸ ج ۱)

(تتمہ مسئلہ نمبر (۹۰) از تتمہ اولیٰ ص ۳۳۱)

خلاصہ سوال (۱) از پاکی و ناپاکی زہرہ ماہی (۲) جواز روغن برآوردہ ازاں

خلاصہ جواب۔ از ہر دو سوال ناپاک۔

تساح..... پاکی ناپاکی چیز دیگرست وحلت و حرمت امر دیگرست چنانچہ حیوان مائی المولد مثل سنگ پشت و ضفدع پاک اند کہ اگر در آب ریزہ ریزہ گداخته شوند آب ناپاک نگر دو وضو جائز است مگر بسبب حرمت اوشان اکل و شرب حرام ست فلو تفتت فیہ نحو ضفدع جاز الوضوء بہ لا شربہ لحرمة لحمہ ۱۲ الدر المختار ص ۱۹۱ پس بالتسلیم از ثبوت حرمت زہرہ ماہی ناپاکی آں ثابت نمی شود کما لا تخفی اگر گفته شود کہ مراد سائل از پاکی ناپاکی حلت حرمت ست لہذا مولانا غرض او فہمیدہ جواب دادندی گویم بر مفتی بر آں محیط نیست خصوصاً در جواب مفتی صاحب نیز لفظ ناپاک گذشتہ است اگر ایں چنین بودے تعبیر بحرام یا مکروہ فرمودندے (تتمہ اول ص ۳۳۱)

روئی کے پاک کرنے کا طریقہ

سوال (۹۱) شامی صفحہ ۲۲۱ جلد اول میں متنجس کی کئی قسمیں کی ہیں (۱) جس میں نجاست جذب نہیں ہوتی۔ (۲) کم جذب ہوتی ہے۔ (۳) بہت جذب ہوتی ہے قسم ثالث کی دو قسم ہیں (نمبر ۱) نچوڑنا ممکن ہے۔ (نمبر ۲) نچوڑنا ممکن نہیں اگر بہت جذب ہوتی ہو اور نچوڑنا ممکن نہ ہو تو محمدؐ کے نزدیک طہارت کا کوئی طریق نہیں اور ابو یوسفؒ کے نزدیک ظاہر ہو جاتی ہے کہ تین بار دھو کر خشک کرے جیسے نئے گھڑے وغیرہ۔ سوال یہ ہے کہ روئی کس میں داخل ہے اور اس کی طہارت کا کیا طریق ہے اور یہ کہنا ممکن ہے کہ یہ نچوڑی نہیں جاسکتی اور جذب کثیر کرتی ہے۔

الجواب۔ روئی ظاہراً قسم ثالث سے معلوم ہوتی ہے بمنزلہ ثوب وغیرہ کے اور نچوڑنا ممکن

بھی ہے جیسا کہ ظاہر ہے۔ ۱۲ رذی الحجہ ۱۳۳۳ھ (امداد ص ۸ ج ۱)

ہاتھ ناپاک ہونے کی صورت میں مٹکے وغیرہ سے پانی نکالنے کی صورت

سوال (۹۲) بڑے برتن میں پانی موجود ہے لیکن اس میں سے نکالنے کی کوئی چیز نہیں ہے اور ہاتھ اس کا نجس ہے تو ایسی صورت میں کس طرح وضو کرے اور نماز پڑھے نماز کا وقت جاتا ہے آیا تیمم کرے اور نماز پڑھ لیوے یا کہ قضا کرے۔

الجواب۔ اگر دوسرا شخص موجود ہو اس سے کہہ کر پانی نکلا کر ہاتھ دھولے ورنہ اگر رومال اس میں ڈال کر باہر نکال کر جو پانی اس سے ٹپکے اس سے ایک ہاتھ دھو سکے تو اس طرح کرے یا اگر اس میں منہ جاسکے تو کلی لیکر اس سے ہاتھوں کو دھولے۔ اگر یہ کچھ بھی ممکن نہ ہو تو ایسی صورت میں تیمم کر کے نماز پڑھے اور اس کا اعادہ نہ کرے۔ فی الدر المختار ص ۱۱۲ ولو لم یمكنه الاعتراف بشیئی ویداه نجستان تیمم و صلی ولم یعد اور صورتیں رد المختار میں مذکور ہیں۔ ۱۷ محرم ۱۳۲۴ھ (امداد ص ۹ ج ۱)

جو کپڑا چوتھائی سے زیادہ نجس ہو اس میں نماز کا حکم

سوال (۹۳) اگر کسی کا کپڑا نجس چوتھائی سے زیادہ ہے اور پانی وغیرہ نہیں پاتا کہ دھو وے ایسی صورت میں نماز جائز ہے اگر جائز ہے تو اعادہ نماز کا بعد کو کرے کہ نہ کرے۔

الجواب۔ اگر اس کے پاس اور کوئی طاہر نہیں ہے تو اسی میں نماز پڑھے اور اعادہ نہ کرے۔

فی الدر المختار شروط الصلوة ولو كان ربعه (۱) طاهرا صلی فیہ حتما اذا ربع کالکل ۱۷ محرم ۱۳۲۴ھ (امداد ص ۹ ج ۱)

(۱) هذا الجواب مبني على ما هو الظاهر من السؤال من كون النجس من الثوب اقل من النصف ووجه الاستدلال ان الطاهر منه على هذا التقدير اكثر من الربع لامحالة فتجب فيه الصلوة بالاولى وان كان المراد بكون النجس اكثر من الربع اعم فالجواب انه ان كان الطاهر منه بقدر الربع فتجب فيه الصلوة حتما والا فان كان اقل من ربعه طاهرا ندب الصلوة فيه وان كان الكل نجسا فان كانت نجاسة عارضة بنحو بول وغيره ندب صلوته فيه ايضاً وان كانت اصلية يصلی عريانا حتما كما يظهر من الدر المختار والشامی ۱۲

(نوٹ) یہ تغیر تصحیح الاغلاط ص ۳ سے کیا گیا ہے۔

ولایتی رنگ سے رنگے ہوئے کپڑے کا حکم

سوال (۹۴) فقہاء نے اشیاء نجس کو بہت جگہ استہلاک کی وجہ سے طاہر سمجھا ہے جیسے صابون اور کھگل میں اگر بھوسہ سڑ گیا ہو اور گوبری حتیٰ کہ درختار میں تو یہاں تک لکھدیا ہے کہ پانی اور مٹی میں جو چیز طاہر ہوگی مرکب اسی کے تابع ہوگا۔ اگرچہ صاحب فتح نے اس کے خلاف کو ترجیح دی ہے لیکن بہر حال مسئلہ قابل گنجائش ہے۔ پس آجکل ولایتی رنگوں میں کہ علی الاغلب اسپرٹ شامل ہوتا ہے اگر گنجائش نکالی جائے تو کیسا ہے؟ گوبری سے بڑھ کر اس کی حالت نہیں اور عموم بلوے اس کو مقتضی ہے کہ ولایتی کپڑے جس قدر آتے ہیں سب انہی رنگوں میں رنگے ہوتے ہیں سب کا دھو کر استعمال کرنا علی الخصوص جاڑے کی کچی چھینٹوں کا استعمال مشکل ہے خصوصاً امام صاحب کے مذہب پر گنجائش بھی ہے کیونکہ اسپرٹ خمر علمی سے نہیں بنائی جاتی ہے اور امام محمد کا مذہب اگرچہ مفتی بہ ہے لیکن اس وجہ سے اس پر فتویٰ دیا گیا ہے کہ لوگ پرہیز کریں اسلئے شرباً تو یہ صحیح ہے اور استعمالاً محل بحث ہے۔ احادیث سے بھی حرمت ثابت ہے نہ کہ نجاست باقی عموم بلوے کی یہ حالت ہے کہ پرہیز مشکل ہے حتیٰ کی چمڑہ جو جلدوں میں لگایا جاتا ہے کہ قرآن مجید تک اس سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔

الجواب۔ فقہاء کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ انقلاب حقیقت مطہر ہے لیکن انقلاب وصف مطہر نہیں ردالمحتار ج ۱ ص ۳۲۵ سو اس کو انقلاب حقیقت کہنا مشکل معلوم ہوتا ہے۔ بل ہو کالدبس لانہ عصیر حمد بالطبخ ردالمحتار ص مذکور اور اس کے صفحہ ۳۳۵ میں ہے۔ مایستقطر من دردی الخمر وهو المسمی بالعرفی فی ولایۃ الروم نجس حرام کسائر اصناف الخمر ۵۱ پس اسپرٹ کا حال تو اس سے معلوم ہوا۔ اب رہا مرکب سودر مختار کے اس جزئیہ میں تو بہت کلام ہے اور صحیح نجاست ہی ہے۔ رہی ضرورت سو جب ہے کہ تخر نہ ہو سکے اور یہ مفقود ہے ردالمحتار ص ۳۳۲ میں ہے لو اصابہ بلا قصد الخ یا کوئی ضروری شے بدوں اس کے نہ بن سکے ردالمحتار ص ۳۶۱ میں ہے بخلاف السرقین اذا جعل فی الطین للتطین لاینجس لان فیہ ضرورة لانه لایتھیأ الا به حلیۃ البتہ یہ بات کہ یہ اثر بہ منہیہ سے نہیں بنتی محل گنجائش ہے اگر ثابت ہو جاوے تحقیق کیا جاوے۔

کیم ربیع الثانی ۱۳۲۴ھ (امداد الفتاویٰ ص ۱۰ ج ۱)

سوال متعلق جواب مذکور (۹۵) اسپرٹ کی نسبت ڈاکٹروں اور ڈاکٹری کتابوں سے

جہاں تک تحقیق ہوا یہی ہے کہ گڑیا جو کی شراب سے بنائی جاتی ہے۔ نیز اس میں عموم بلوے گوبری سے بدرجہا زائد ہے ادنیٰ امر یہ ہے کہ ہر تعلیم یافتہ کی جیب میں کچھ نہ کچھ کاغذ و خطوط ہوتے ہیں جو عموماً انگریزی روشنائی سے لکھے ہوتے ہیں اور ڈاک خانہ شہر کا نام لکھتا ہے وہ تو عموماً انگریزی روشنائی ہوتی ہے بلکہ دیسی روشنائی بھی ولایتی کا جل سے تیار کی جاتی ہے جس کا حال مثل دیگر رنگوں کے ہے کتابیں جو پریس میں چھپتی ہیں اب عموماً ولایتی روشنائی سے چھاپی جاتی ہیں اور اب جہاں تک علم ہے کوئی مطبع والا دیسی روشنائی سے کتاب نہیں چھاپتا۔ ان تمام سے احتیاط نہایت ہی دشوار ہے یوں تو گوبری سے بھی احتیاط ممکن ہے۔ مکان میں پختہ پلاستر یا کچا کرا کے اس کی طرف برابر توجہ رکھنا ممکن ہے گوبری کا فائدہ صرف یہ ہے کہ کہگل کے بعد شقاق کو روکتی ہے۔ ممکن ہے کہ اس شقاق میں مٹی بھردی جاوے اس کی نسبت درمختار میں ہے لانه لا یتھیلاً الا بہ اور ظاہر ہے کہ آجکل رنگ بغیر ولایتی پڑیا کے متعسر ہیں غرض کہ ابتلاء گوبری سے بدرجہا زائد ہے اور ضرورت اس سے کسی طرح کم نہیں نجس بھوسہ کی نسبت فقہانے تصریح کر دی ہے کہ جب سٹر کر کہگل میں مل جاوے تو انقلاب حقیقت سمجھا جاوے گا اس سے بھی اس کی حالت کم نہیں ہے اس پر اگر نظر کی جاوے ممکن ہے۔ غرضکہ ہر صورت میں اس کی نسبت آسانی معلوم ہوتی ہے۔

الجواب۔ انقلاب حقیقت تو اب تک میرے جی کو نہیں لگا البتہ ضرورت و عموم بلوائے واقعی معلوم ہوتا ہے اور اثر بہ منہیہ سے نہ بننے کا محل گنجائش ہونا یہ پہلے بھی عرض کیا گیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (امداد ص ۱۱ ج ۱)

ناپاک رنگ سے رنگے ہوئے کپڑے کا حکم

سوال (۹۶) نیل میں اگر پلید جامہ کو غوطہ دیا جاوے اس کے بعد پاک جامہ کو غوطہ دیا جاوے وہ پاک کس طرح ہو سکتا ہے فقط تین بار دھونے سے یا زیادہ۔

الجواب۔ اتنا دھوئے کہ پانی غیر رنگین نکلنے لگے۔ (تمتہ خامہ ص ۲۴)

دودھ، گھی کے پاک کرنے کا طریقہ

سوال (۹۷) ترکیب الصلوٰۃ میں لکھا ہے کہ دودھ یا روغن اگر ناپاک ہو جاوے تو اس میں تین حصے پانی ملا کر آگ پر پکانا شروع کرے جب سب پانی جل جاوے صرف دودھ و روغن رہ جاوے تو پاک ہو گیا درست ہے اس کو استعمال کرے۔

الجواب۔ فی الدر المختار و يطهر لبن و عسل و دبس و دهن يغلى ثلاثا
وفى رد المحتار عن الدرولو تنجس العسل فتطهير ان يصب فيه ماء بقدره
فيغلى حتى يعود الى مكانه و الدهن يصب عليه الماء فيغلى فيعلوا الدهن
الماء فيرفع بشيئى هكذا ثلث مرات اهـ و هذا عند ابى يوسف خلافاً لمحمد
وهو اوسع و عليه الفتوى ج ۱ ص ۳۴۵ روايت هذا سے معلوم ہوا کہ اس طریق سے
پاک ہو جائے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۷ ربيع الثانی ۱۳۲۵ھ (امداد ص ۱۳ ج ۱)

ایک شخص کا پاک کیا ہوا کپڑا دوسرا شخص استعمال کر سکتا ہے

سوال (۹۸) کپڑے نجس کی طہارت کے لئے فقہاء نے نچوڑنا اس قدر شرط لکھا ہے کہ
طاقت اس سے زائد کی نہ ہو حتیٰ کی اس سے زائد طاقت والے کے لئے طاہر نہ ہوگا۔ یہ مسئلہ بہت
مشکل ہے لازم آتا ہے کہ ایک کے دھوئے ہوئے کپڑے سے دوسرا نماز نہ پڑھ سکے۔

الجواب۔ فی الدر المختار و يطهر محل غیرها أى غیر مرئية بغلبة ظن
غاسل لو مكلفاً والا فمستعمل طهارة محلها الى قوله طهر بالنسبة اليه دون
ذلك الغير فى رد المحتار لان كل احد مكلف بقدرته ووسعه ولا يكلف ان
يطلب من هو اقوى ليعصر ثوبه.

مجموعہ عبارتوں سے معلوم ہوا کہ اگر مستعمل کو غلبہ ظن زوال نجاست ہو تو اس کے حق میں بھی پاک ہے
اور اگر نہ ہو مگر غاسل نے اپنی قوت پوری خرچ کی تھی تو غاسل کے حق میں پاک ہے مستعمل کے حق (۱)
میں پاک نہیں ہے اور چونکہ یہ صورت قلیل ہے لہذا کوئی مشکل لازم نہیں آتی واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۶ / رجب ۱۳۲۵ھ (امداد ص ۱۴ ج ۱)

(۱) رد مختار کی پوری عبارت یہ ہے لان كل احد مكلف بقدرته ووسعه ولا يكلف ان يطلب من هو اقوى ليعصر
ثوبه شرح المنية قال فى البحر خصوصاً على قول ابى حنيفة ان قدرة الغير غير معتبرة و عليه الفتوى اهـ
اس عبارت سے معلوم ہوا کہ امام صاحب کا مذہب یہ ہے کہ قدرت غیر کا اصلاً اعتبار نہیں۔ نہ غاسل کے حق میں اور نہ
مستعمل کے حق میں کما يدل عليه قوله خصوصاً اور یہ بھی معلوم ہوا کہ مفتی بہ قول امام ہے تو نتیجہ یہ نکلا کہ جب کوئی غاسل
مکلف اپنی پوری قوت سے نچوڑ دے گا تو وہ علی الاطلاق پاک ہو جاوے گا۔ واللہ اعلم۔ (صحیح الاغلاط ص ۵)

کتے کے جھوٹے برتن کے پاک کرنے طریقہ

سوال (۹۹) کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین و مفتیان شرع مبین کہ جھوٹا برتن کتے کا تین مرتبہ دھو ڈالنے سے پاک ہو جاتا ہے۔ بموجب کتب فقہ کے چنانچہ ایک سند اس کی یہ بھی ہے کہ ابن عدی نے کامل میں ابو ہریرہؓ سے مرفوع روایت کی ہے کہ جس وقت کتا کسی کے برتن میں منھ ڈال دے پس چاہیے کہ اس کو خالی کرے اور تین بار دھو ڈالے پس مطلب سائل یہ ہے کہ ظروف دھات و مس و چاندی وغیرہ ظروف گلی و ظروف لکڑی و ظروف چینی یہ سب اقسام کے برتن تین مرتبہ دھو ڈالنے میں داخل ہیں اور پاک ہو جاتے ہیں یا نہیں یا کچھ فرق و تفصیل ان میں ہے۔ بینواتو جروا

الجواب۔ جس برتن میں نجاست جذب نہ ہو وہ تو صرف تین بار دھونے سے پاک ہو جاتا ہے اور جس میں جذب ہوتا ہو جیسا مٹی کا نیا برتن اور مانند اس کے وہ بقول مفتی بہ تین بار دھونے اور ہر بار خشک کرنے سے پاک ہو جاتا ہے۔ اور خشک کرنے سے مراد یہ ہے کہ پانی ٹپکنا موقوف ہو جاوے۔
وقدر بتثلیث جفاف ای انقطاع تقاطرفی غیرہ ای غیر منعصر مما یتشرب النجاسة والا بقلعها در مختار وان علم شربه كالخذف الجديد والجلد المدبوغ بدھن نجس والحنطة المنتفخة بالنجس فعند محمد لا يطهر ابداً
وعند ابی یوسف ینقطع فی الماء ثلثا ویجفف کل مرة والاوّل اقیس والثانی اوسع اھـ وبہ یفتی درر ۱۲ شامی جلد اول ص ۲۲۱ واللہ اعلم
۲۴ شوال ۱۳۰۴ھ (امداد الفتاویٰ ص ۱۵ ج ۱)

روئی دار کپڑے کے پاک کرنے کا طریقہ اور چھوٹے بچوں کے پیشاب کا حکم

سوال (۱۰۰) کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ گدے و رضائی میں نجاست غلیظ پڑ جاوے تو روئی نکال کر پاک کرنا شرط ہے یا کیا اور صبی و صبیہ کے پیشاب میں مابین مدت رضاعت طہارت مثل پیشاب بالغین کے کرنا چاہیے یا کچھ فرق ہے۔

الجواب۔ روئی نکالنا شرط نہیں بلکہ مع روئی تین بار دھو ڈالنا کافی ہے اور نچوڑنا کچھ ضرور نہیں اگر دشوار ہو بلکہ تین بار پانی بہا دینا اور ہر بار تقاطر موقوف ہو جانا کافی ہے اور اگر نچوڑنا دشوار نہ ہو تو تینوں بار نچوڑنا چاہیے۔

وقدر بغسل و عصر ثلاثاً فیما ینعصر و بتثلیث جفاف ای انقطاع تقاطر فی غیرہ ای غیر منعصر درمختار قوله ای غیر منعصر ای بان تعذر عصرہ کالخزف اولعسر کالبساط افادہ فی شرح المنیۃ ردالمحتار - جواب سوال ثانی۔

صبیہ اور صبی کا پیشاب نجاست غلیظ ہے اگرچہ دودھ پیتا ہو۔ (وبول غیر ما کول ولو من صغیر لم یطعم درمختار) اور احادیث تضحیح بول غلام کے محمول ہیں ترک تکلیف شدید نہ طہارت پر یا نجاست خفیفہ پر کمافی محلہ واللہ اعلم (امداد ص ۱۶)

غیر ماکول اللحم کے دودھ کا حکم

سوال (۱۰۲) جانور غیر ماکول اللحم کا دودھ نجس یا نجاست غلیظہ ہے یا پاک ہے۔ بینوا تو جروا۔

الجواب۔ بجز خنزیر کے اور سب جانوروں کا دودھ پاک ہے گو حلال نہ ہو پس حرام جانور کا دودھ پینا حلال نہ ہوگا۔ (کذا فی الدر المختار قبیل فصل البیر)۔
فقط ۵ ربیع الاول ۱۳۲۷ھ (تمتہ اولیٰ ص ۳)

از ترجیح الرائج حصہ چہارم ص (۷۹)

(تمتہ اولیٰ ص ۳) بجز خنزیر کے سب جانوروں کا دودھ پاک ہے الخ اگرچہ مسئلہ مختلف فیہ است مگر ترجیح صریح بقول ناپاک است۔

ولبن المیتة وانفحتها عند ابی حنیفۃؒ وقالوا نجسة وهو الاظهر الخ۔ ۱۲ نفع المفتی از مواہب الرحمن جزئیات مذہب پر ناپاکی صریح اند۔ لبن الاتان نجس فی ظاہر الروایۃ ۱۲ نفع۔ بیض مالا یوکل لحمہ اذا انکسر علی ثوب انسان فقیل نجس اعتباراً للحم مالا یوکل لبته ۱۲ نفع۔ (ترجیح صاحب الدر المختار ماخوذ از تقدم ملتقى غير صريح است وقول شامی) وانه لا خلاف فی اللبن الخ (غیر مسلم)۔ قال فی التحریر المختار حاشیۃ شامی قوله وانه لا خلاف فی اللبن الخ۔ نص علی الخلاف فی البحر فی اللبن کالانفحة ۱۲ خصوصاً در پاکی و ناپاکی احتیاط در حکم ناپاکی است۔

از ترجیح خامس ص ۱۵۰ در تحقیق طہارت و نجاست حیوانات غیر ماکول اللحم

سوال (۱۰۲) تتمہ ثانیہ امداد الفتاویٰ ص ۳ پر یہ لکھا ہے کہ بجز خنزیر کے اور سب

جانوروں کا دودھ پاک ہے۔ اور اس مضمون کو درمختار سے نقل فرمایا ہے درمختار کی عبارت میں اس مضمون کی تصریح نہیں ہے گو موہم اس معنی کو ضرور ہے لیکن مراقی الفلاح کی عبارت میں اس کی تصریح ہے کہ غیر ماکول اللحم جانوروں کا دودھ نجس ہے۔ چنانچہ ص ۱۹ مراقی مع طحاوی پر ہے لتولد لعابها من لحمها وهو نجس کلبنها اس لئے خدمت عالی میں گزارش ہے کہ غیر ماکول اللحم جانوروں کا دودھ نجس ہے یا نہیں۔

الجواب۔ صریح مقدم ہے ضمنی پر لہذا نجاست کو ترجیح ہوگی۔ ۹ جمادی الاخریٰ ۱۳۳۳ھ

مردار اور حرام جانور کو تیل میں جلانے سے تیل ناپاک ہوگا یا نہیں؟

سوال (۱۰۳) کسی تیل میں ایک مردار جانور مثلاً چوہا، چھچھو ندر، نیولا وغیرہ جلا کر خاک کر دیا گیا ہے تو اس تیل کی بیع و شراء خرید و فروخت کرنی اور اس کی مالش کر کے اس سے بغیر دھوئے نماز پڑھنی درست ہے یا نہیں۔ بینواتو جروا۔

الجواب۔ فی الدر المختار و نجیز بیع الدھن المتنجس والا نفع به فی غیر الاکل بخلاف الودک فی رد المحتار قوله فی غیر الاکل کالاستصحاب والدباغة و غیرهما ابن ملک ج ۴ ص ۱۸۶۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ اس تیل کی خرید و فروخت درست ہے اور بضرورت مالش بھی درست ہے مگر بغیر دھوئے نماز درست نہیں۔ ۲۷ رجب ۱۳۳۲ھ (تمتہ اولیٰ امداد الفتاویٰ ص ۳)

(از ترجیح الرائج حصہ رابع ص ۷۹)

تمتہ جلد ص ۳۰۔ عنوان مسئلہ مردار حرام جانور کے تیل میں جلانے سے تیل ناپاک نہیں ہوتا ۱۲ الصواب۔ ہوتا ہے چنانچہ درس ۶ مصرح است

گر گٹ خون والے کو تیل میں جلانے سے اس تیل کا حکم

سوال (۱۰۴) ایک گر گٹ خون والا مع آنت وغیرہ کے تیل کنجد میں خوب جلا کر کوئلہ کر لیا جاوے تو وہ تیل پاک ہے یا نہیں۔

الجواب۔ نہیں۔ (تمتہ اولیٰ ص ۶)

حلال جانور کے جلے ہوئے تیل کا حکم

سوال (۱۰۵) جو جانور حلال ہو اس کو مع آنت وغیرہ کے اگر ایسا کرے تو تیل پاک رہے گا یا نہیں؟

الجواب - نہیں۔ (تمہ اولیٰ ص ۶)

حکم رطوبت فرج

سوال (۱۰۶) اکثر عورات کو رحم سے سفید رطوبت ہمیشہ جاری رہتی ہے کیا وہ پاک ہے یا ناپاک اور نماز بحالت اخراج جائز ہے یا نہ بحالت اخراج وضو ساقط تو نہیں ہو جاتی ہے۔

الجواب - یہاں تین موقع ہیں اور ہر جگہ کی رطوبت کا حکم جدا۔ ایک موقع فرج خارج کا ہے اس کی رطوبت درحقیقت پسینہ ہے اور وہ ظاہر ہے اور ایک موقع فرج داخل کا باطن یعنی اس سے آگے ہے یعنی رحم اس کی رطوبت مذی یا مثل مذی ہے اور وہ نجس ہے اور ایک موقع فرج داخل اس کی رطوبت میں تردد ہے کہ وہ پسینہ ہے یا مذی اس لئے اس کی نجاست میں اختلاف ہے اور احتیاط اس کے نجس کہنے میں ہے۔

وان كان الاقوى دليلاً هو الطهارة لان هذا المحل ليس بمعدن للنجاسة ولا الرطوبة هذا من الرحم وانما هي ابخرة محتبسة صارت ماء بالاحتقان فهي كالعرق و من ثم ابيح الوطى في هذا المحل والالم يبح لكونه موضع الاذى كحالة الحيض -

پس رطوبت مذکورہ سوال قسم دوم ہے اور اسلئے نجس ہے البتہ اگر محقق ہو جاوے کہ قسم اول ہے تو ظاہر ہے یا قسم سوم ہے تو احتیاطاً نجس ہے اور جو نجس ہے ناقض وضو ہے البتہ اگر ہر وقت جاری رہے اس کا حکم معذور کا سا ہے۔

فی الدر المختار برطوبة الفرج فيكون مفرعاً على قولهما بنجاستها اما عنده فهي طاهرة كسائر رطوبة البدن جوهره في رد المختار قوله برطوبة الفرج الخارج فطاهرة اتفاقاً اه وفي منهاج الإمام النووي رطوبة الفرج ليس بنجاسة في الأصح قال ابن حجره في شرحه وهي ماء ابيض متردد بين الأبيض والعرق يخرج من باطن الفرج الذي لا يجب غسله بخلاف ما يخرج مما يجب غسله

فانه طاهر قطعاً ومن وراء باطن الفرج فانه نجس قطعاً لكل خارج من الباطن كالماء الخارج في الولد او قبيله اهـ ج ۱ ص ۳۲۲ وما قالوا من طهارة رطوبة الولد الخارج من الرحم فالمراد ما على بدنه وهو كالدّم الذي على اللحم مع ان الدم السائل نجس فكذلك رطوبة الرحم نجسة ورطوبة الولد طاهرة فافهم۔ ۱۲ رمضان المبارک ۱۳۲۷ھ (تمتہ اولی ص ۳)

سوال (۱۰۷) کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ عورتوں کے رحم سے جو رطوبت رستی ہے وہ ناقص وضو ہے یا نہیں۔

الجواب۔ فی الدر المختار ای برطوبة الفرج فيكون مفرعاً على قولهما بنجاستها اما عنده فهي طاهرة كسائر رطوبات البدن جوهره في رد المختار قوله برطوبة الفرج ای الداخل بدلیل قوله اولج واما رطوبة الفرج الخارج فطاهرة اتفاقاً اهـ وفي منهاج الإمام النووي رطوبة الفرج ليست بنجسة في الأصح قال ابن حجر في شرحه وهي ماء ابيض متردد بين المذی والعرق يخرج من باطن الفرج الذي لا يجب غسله بخلاف ما يخرج مما يجب غسله فانه طاهر قطعاً ومن وراء باطن الفرج فانه نجس قطعاً ككل خارج من الباطن كالماء الخارج مع الوالد او قبيله اهـ ج ۱ ص ۳۲۲۔
اس روایت سے معلوم ہوا کہ یہاں تین موقع ہیں۔

نمبر (۱) فرج خارج جس کا دھونا غسل میں فرض ہے اس کی رطوبت پاک ہو۔

نمبر (۲) فرج داخل جس کا دھونا غسل میں فرض نہیں ہے اس کی رطوبت میں اختلاف ہے اور احتیاط نجاست میں ہے۔

نمبر (۳) نہ فرج داخل نہ فرج خارج بلکہ فرج داخل سے بھی متجاوز اس کی رطوبت نجس ہے۔

۱۶ ذی قعدہ ۱۳۳۱ھ (تمتہ ثانیہ ص ۹۴)

سوال (۱۰۸) بعض عورتوں کو جو سفیدی اکثر وقت آتی رہتی ہے۔ یہ پاک ہے یا ناپاک اور اس سے وضو ٹوٹتا ہے یا نہیں۔

الجواب۔ فی الدر المختار رطوبة الفرج طاهرة خلافاً لهما في رد المختار تحت قوله رطوبة الفرج طاهرة مانصه ولذا نقل في التاترخانية ان رطوبة

الولد عند الولادة طاهرة وكذا السخلة اذا خرجت من امها وكذا البيضة فلا يتنجس بها الثوب ولا الماء اذا وقعت فيه لكن يكره التوضي به للاختلاف وكذا الانفحة هو المختار الخ ج ۱ ص ۳۶۱).

اس سے معلوم ہوا کہ اس مسئلہ میں اختلاف ہے لیکن امام صاحب کا مذہب ہونے کے سبب بھی اور اس زمانہ میں ضرورت ہونے کے سبب بھی ترجیح اسی کو ہے کہ وہ پاک ہے اور اس سے وضو نہیں ٹوٹتا۔
۱۶/شوال ۱۳۳۲ھ (تمتہ رابعہ ص ۵۷)

(از ترجیح خامس ص ۳۳ در تحقیق و تفصیل رطوبت فرج)

امداد الفتاویٰ حصہ ۴ کے مسئلہ مرقومہ تاریخ ۱۶/شوال ۱۳۳۲ھ میں جو کہ رسالہ الامداد بابت محرم ۱۳۵۵ھ میں شائع ہوا ایک جواب طہارت رطوبت فرج کے متعلق لکھا گیا ہے اس پر ایک دوست صاحب علم کا خط ذیل آیا ایک دوسرا مسئلہ جس میں جمہور کی ظاہراً مخالفت لازم آتی ہے اس پر غور کر کے اشاعت اصلاح ضروری ہے وہ یہ ہے کہ اس پرچہ مذکورہ کے صفحہ (۳۴) میں جو سوال سفیدی خارج از فرج کا ہے اس سے مراد وہ سفیدی ہے جو مرض سیلان الرحم میں خارج ہوتی ہے جیسا کہ مردوں کو مرض جریان میں ہوتا ہے جسے اصطلاح اطباء وفقہاء میں ودی کہتے ہیں یہ بالاتفاق نجس اور وضو شکن ہے اور در مختار کی جو عبارت آپ نے اس مسئلہ کے جواب میں نقل فرمائی ہے (ص ۳۵) پر اس میں وہ رطوبت مراد ہے جو فرج پر ہر وقت موجود رہتی ہے جیسے کہ انسان کے لب پر اور اسی طرح سخلہ و جلد ولد پر جو رطوبت موجود رہتی ہے وہ پاک ہے۔ فتغایرا۔

جواب اس کا یہاں سے لکھا گیا

فی شرح الأسباب والعلامات بحث سیلان الرحم انه قد يعرض النساء ان يسيل من ارحامهن دائماً رطوبات وربما عرض لهن سيلان المنى كما يعرض للرجال وتلك الرطوبات اما يكون تولدها في الرحم نفسه اذا ضعف القوة الغذائية التي فيها واما فضول تصل اليها من جميع البدن على جهة الاستفراغ والتنقية و فيه ويستدل على المنى بلونه في البياض وقوامه في يسير الغلظ وعدم العفونة الى قوله فلذلك يكون (اي المنى السائل) خالياً من العفونة بخلاف الرطوبات الفضلية التي تصرف فيها الحرارة الغريبة الى

قوله واما سيلان المنى فقد ذكر اقسامه وفيه قبل ذلك في تعريف الودى وهو رطوبة لزجة تسيل في مجرى البول عند ارادته (اى البول) الى قوله وهى اذا كثرت غلظت وسالت بعد البول ايضاً وفيه اما سيلان المنى وخروجه من غير ارادة اى من غير مزاوله جماع فيكون اما لكثرة المنى لقله الجماع وكثرة تناول مولدات المنى واما لحدة المنى وحرقته واما لاسترخاء اوعية المنى وبرد مزاجها وضعف قوتها الماسكة واما لتشنج وتمدّد يعرض لعضل اوعية المنى واما لضعف الكلية و ذربان شحمها فى شدة الشهوة او كثرة الجماع واما الفكر فى الجماع او سماع من حديثه اهـ ملخصاً وفى ردالمحتار على قول الدرالمختار ان رطوبة الفرج طاهرة عنده اهـ مانصه اى الداخلى اما الخارج فرطوبته طاهرة باتفاق الى قوله فرطوبته كرطوبة الفم والانف والعرق الخارج من البدن ص ۱۷۲ ج ۱

ان عبارات سے امور ذیل مستفاد ہوئے۔

نمبر (۱) جو رطوبت اکثر اوقات رحم سے سائل ہوتی ہے جس کو اصل سائل نے پوچھا ہے چنانچہ سوال میں اکثر کا لفظ مصرح ہے وہ ودی نہیں ہے جیسا کہ ودی کی تعریف مذکور فی العبارة الطبية المذكورة سے معلوم ہوئی ہے۔

نمبر (۲) وہ رطوبت منی بھی نہیں ہے کہ سيلان منی ایسے اسباب سے ہے جو گاہ گاہ عارض ہوتے ہیں چنانچہ اس کے اسباب مذکورہ فی العبارة الطبية المذكورة سے معلوم ہوا اور اس رطوبت مسئلہ کا سيلان اکثر ہوتا ہے۔

نمبر (۳) بس جب نہ وہ ودی ہے نہ منی اور ہے رطوبت سائلہ پس یہ وہ ہے جس کو اس عبارت میں ذکر کیا گیا ہے قد يعرض للنساء ان يسيل من ارحامهن دائماً رطوبات اور دائماً سے مراد وہی ہے جس کو اصل سائل نے بعنوان اکثر تعبیر کیا ہے چنانچہ ظاہر ہے اور یہ رطوبت وہ بھی نہیں ہے جس کو سائل ثانی نے انسان کے لب سے تشبیہ دی ہے کیونکہ یہ تو بالاتفاق ظاہر سے چنانچہ عبارة فقہیہ مذکورہ میں مصرح ہے تو اس کو محل اختلاف کیسے کہہ سکتے ہیں پس یہ نہ جب ودی ہے جیسا سائل متاخر کو شبہ ہوا اور نہ منی ہے اور مذی کا نہ ہونا ظاہر ہے تو اس کے نجس ہونے کے لئے ودی و منی کا نجس ہونا تو کافی ہے نہیں کوئی دوسری دلیل مستقل چاہیے اور نہ وہ

رطوبت ہے جو رطوبت فم کے حکم میں ہے جو کہ بالاتفاق طاہر ہے پس اسی رطوبت مغائرہ للودی والمنی والمذی والتشبیہہ باللعباب میں امام صاحب وصاحبین مختلف ہیں اور بوجہ ابتلاء کے اصل جواب میں قول بالطہارۃ پر فتویٰ دیا گیا جس پر سائل ثانی نے اس کے ودی ہونے کی بناء پر شبہ کیا پس جب تقریر بالا میں اس بناء کا منہدم ہونا ثابت ہو گیا تو شبہ کا منہدم ہونا بھی طاہر ہو گیا۔

(تنبیہ) اصل جواب کے وقت بوجہ طب نہ جانے کے احقر کا ذہن اس تفصیل سے خالی تھا بعد ورود سوال ثانی کے تردد ہوا تو ایک مہمان دوست کے پتہ دینے پر شرح اسباب کی طرف رجوع کیا تو یہ تحقیق بالا ذہن میں آئی چونکہ عدم مہارت طب کا نقص اب بھی مجھ میں باقی ہے دوسرے علماء سے جواب پر نظر کرا لی جاوے جو صحیح جواب معلوم ہو اس پر عمل کیا جاوے۔

۲۰ ربیع الاول ۱۳۳۵ھ

از ترجیح خامس ص ۸۸ در تحقیق انتقاض وضو بر طوبۃ فرج بر تقدیر طہارت او

ایک لفافہ آیا جس میں میرے ایک جواب کی نقل اور دوسرا جواب اس کے خلاف مرقوم تھا وہ ذیل میں ہے۔

سوال۔ بعض عورتوں کو جو سفیدی اکثر وقت آتی رہتی ہے یہ پاک ہے یا ناپاک ہے اور اس سے وضو ٹوٹتا ہے یا نہیں۔

الجواب۔ فی الدر المختار رطوبة الفرج طاهرة خلافاً لهما فی رد المحتار تحت قوله رطوبة الفرج طاهرة مانصه ولذا نقل فی التاترخانیۃ ان رطوبة الولد عند الولاد طاهرة وكذا السخلة اذا خرجت من امها وكذا البيضة فلا ينجس لها الثوب ولا الماء اذا وقعت فيه لكن يكره التوضی به للاختلاف وكذا الانفحة هو المختار الخ ج ۱ ص ۳۶۱۔

اس سے معلوم ہوا کہ اس مسئلہ میں اختلاف ہے لیکن امام صاحب کا مذہب ہونے کے سبب بھی اور اس زمانہ میں ضرورت ہونے کے سبب بھی ترجیح اسی کو ہے کہ وہ پاک ہے اور اس سے وضو بھی نہیں ٹوٹتا۔

سوال۔ ما قولکم دام فضلکم فی رطوبة الفرج الداخل هل هي طاهرة ام لا وعلى الاول فلو خرجت من الداخل هل ينتقض بها الوضوء ام لا۔

الجواب۔ رطوبة الفرج الداخل طاهرة عند الإمام لكن ينتقض بها الوضوء لو خرجت منه في الوقاية وناقضه أي الوضوء ماخرج من السبيلين أو من غيره ان كان نجسا في شرح الوقاية قوله ان كان نجسا متعلق بقوله أو من غيره في عمدة الرعاية لا بقوله ماخرج من السبيلين فان الخارج من السبيلين ناقض من غير تقييد و في البحر الرائق شرح كنز الدقائق تحت قوله لا خروج دودة من جرح بعد كلام ان الدودة حيوان وهو طاهر في الاصل والشيئي الطاهر اذا خرج من السبيلين نقض الوضوء كالريح بخلاف غير السبيلين كالدمع والعرق وفي منية المصلي وشرحه الكبيرى ان كانت أي المرأة احتشت أي الكرسف في الفرج الخارج فابتل داخل الحشو انتقض وضوءها سواء نقد البلل الى خارج الحشو اولم ينفذ لليقن بان خروج من الفرج الداخل وهو المعتبر في الانتقاض لان الفرج الخارج بمنزلة القلفة فكما ينتقض بما يخرج من قصبة الذكر الى القلفة كذلك بما يخرج من الفرج الداخل الى الفرج الخارج وان لم يخرج من الخارج واما اذا احتشت في الفرج الداخل فح ان نفذ البلل الى خارجه أي الحشو انتقض الوضوء والا أي وان لم ينفذ الى خارج فلا ينتقض كما في حشو الإحليل الخ ومن ههنا وضح الجواب والله تعالى اعلم بالصواب۔

یہاں مولوی حبیب احمد صاحب نے میرے استفسار پر اس کا یہ جواب لکھا
جناب والا کا فتویٰ عدم انتقاض رطوبة الفرج بر تقدیر طہارت رطوبة مذکورہ بالکل صحیح ہے
اور مولوی محمد امین صاحب کا جواب صحیح نہیں ہے۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ جس طرح خروج من غیر السبیلین کی صورت میں انتقاض طہارت کے لئے نجاست خارج ضروری ہے یوں ہی خروج من السبیلین کی صورت میں بھی ضروری ہے اور دلیل اس کی یہ ہے کہ ریح قبل غیر مفضاة کے غیر ناقض ہونے کے متعلق شرح منیہ میں لکھا ہے۔

الذی عول علیہ قاضی خان وغیرہ ان الخلاف انما هو فی الخارجة من قبل المفضاة ولا خلاف فی عدم النقض فی غیرها لانها غیر منبعثة عن محل

النجاسة كذا في الهداية وهو يشير الى ان الريح نفسها ليست بنجسة وانما
 ينجس لمرورها على محل النجاسة۔ اس سے معلوم ہوا کہ خارج من السبيلين کے لئے
 بھی نجس ہونا ضروری ہے خواہ بنفسہ ہو کالبول والغائط یا غیرہ ہر کالريح المستتب
 للنجاسة وعلل صاحب مراقی الفلاح عدم الانتقاض بريح قبل بقوله لانه
 اختلاج لا ریح وان كان ریح افلا نجاسة فيه و ریح الدبر ناقضة لمرورها
 بالنجاسة كذا في السعاية اور سعايہ میں ہے علل في البدائع كون الدودة
 ناقضة بالنجاسة لتولدھا من النجاسة وذكر الا سبيجدنی ان فيه طريقتين احد
 انهما ما ذكرنا و ثانيتهما ان الناقض ما عليها واختاره الزيلعي كذا في السعاية
 یہ روایات نص ہیں اشراط نجاست پر نیز سعايہ میں ہے ان كانت خارجة (ای الدودة)
 من قبل المرأة ففيه اختلاف المشايخ فالذين قالوا بنقض الريح الخارجة من
 القبل قالوا بنقضها ومن لم يقل به لم يقل به والخارجة من الذكر ناقضة كذا
 في الذخيرة والخلاصة و في التاترخانية الدورة اذا خرجت من قبل المرأة
 فعلى الاقوال التي ذكرنا اه سعايہ اس سے بھی ضرورت اشراط ثابت ہے اور شرح مينہ
 میں ہے۔ وكذا الدودة والحصاة اذا خرج من احد هذين الموضعين ای الدبر
 والقبل فعليه الوضوء لاستتباع الرطوبة وهي حدث في السبيلين وان قلت
 بخلاف الريح۔ اس سے بھی اشراط ثابت ہے۔ لانه قال لاستتباع الرطوبة اذ لو كان
 الخروج مطلقاً ناقضاً لم يحتج الى التعليل المذكور۔ عناية میں ہے۔ ان قلت
 الكلية (ای ماخرج من السبيلين ناقض) منتقضة بالريح الخارجة من الذكر
 والقبل فان الوضوء لا ينتقض به في اصح الروايتين اجيب بانه مخصوص من
 العموم لان الريح لا تنبعث من الذكر وانما اختلاج والقبل محل الوطى
 وليس فيه نجاسة يتنجس الريح بالمرور عليها وهو في نفسه طاهر عند
 المصنف انتهى ان تمام تنصیحات سے ثابت ہے کہ سبيلين میں بھی غير سبيلين کی طرح
 خروج نجس شرط ہے جب یہ معلوم ہو گیا تو بر تقدیر رطوبة فرج کے طاهر ہونے کے انتقاض وضو
 کوئی معنی نہیں رکھتا رہی وہ روایت جو مولوی صاحب نے غنیتہ سے پیش کی ہے سو اس کی نسبت
 کہا جاتا ہے کہ وہ مبنی ہے قول نجاست رطوبة پر کما يدل عليه دليله المذكور بقوله
 لاستتباع رطوبة۔ پس اس سے استدلال نہیں ہو سکتا اور البحر الرق کی جو عبارت ہے

الشیئی الطاهر اذا خرج من السبیلین نقض الوضوء كالريح۔ اس عبارت میں طاهر سے مراد طاهر لذاتہ نجس لغیرہ ہے نہ کہ طاهر مطلقاً۔ چنانچہ عبارات مذکورہ سے طاهر ہے نیز درمختار میں ہے وخروج غیر نجس مثل ریح اور شامی نے اس کے تحت میں لکھا ہے فانها تنقض لانها منبعثة عن محلا لنجاسة لا لان عينها نجسة لان الصحيح ان عينها طاهرة یہ عبارت ہمارے بیان پر دلالت واضح رکھتی ہے۔

رہی شرح و فایہ کی عبارت سو اس کا جواب یہ ہے کہ وہاں نجس سے نجس لذاتہ کا لبول والغاٹ مراد ہے اور چونکہ اس صورت میں ریح خارج ہوتی تھی اس واسطے شارح نے کہا کہ ان کان نجسا او من غیرہ سے متعلق ہے تاکہ اس میں ریح داخل ہو جاوے جو کہ طاهر لذاتہ اور نجس لغیرہ ہوتی ہے دلیل اس کی یہ ہے کہ شارح نے کہا ہے والروایۃ النجس بفتح الجیم وهو عن النجاسة۔ نیز شارح نے لادودة خرجت من جرح کی شرح میں لکھا ہے لانها طاهرة (۱) وما عليها من النجاسة قليلة (۲) واما الخارجة من الدبر فتنقض لان خروج القليل منه ناقض اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خروج طاهر من السبیلین ناقض نہیں ہے ورنہ ان کو چاہئے تھا کہ وہ لان خروج القليل منه ناقض کے بجائے لان خروجها ناقض مطلقاً کہتے کما لا يخفى على من له ذوق سليم ومعرفة باساليب الكلام یس اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ خروج طاهر بھی ناقض ہے بلکہ اس کے خلاف ثابت ہے وفي عمدة الرعاية صحيح صاحب الهداية والمنية والمحيط وغيرهم عدم نقضها (ای الریح الخارجة من القبل) قائلین انها اختلاج لاریح وان كانت ریحاً فلا نجاسة اس عبارت سے بھی اشتراط نجاست طاهر ہے اور مولوی عبدالحی صاحب نے جو عمدة الرعاية میں فرمایا ہے قوله ان كانت ای الخارج من غیر السبیلین ناقض من غیر تقييد اس کا مطلب یہ ہے کہ من غیر تقييد بهذا القيد ای کونہ عین النجاسة اور مطلق تقييد کی نفی مقصود نہیں ہے دلیل اس کی یہ ہے کہ انہوں نے شارح کے قول متعلق بقوله اور من غیرہ کے تحت میں لکھا ہے لا بقوله ماخرج من السبیلین والایلزم ان لا یكون ریح الدبر ناقضة لانها لیست بنجسة بنفسها اور وجه دلالت یہ ہے کہ اگر ان کے نزدیک مصنف کا قول ان کان نجساً لعینه و لغیرہ دونوں کو

(۱) فلا تنقض بنفسها ۱۲ منہ

(۲) فلا تنقض بغیرها فثبت عدم النقض مطلقاً ۱۲ منہ

شامل ہوتا باوجود یہ کہ وہ تصریح شارح کے خلاف ہے کیونکہ اس نے اس کو بفتح جیم ضبط کیا ہے اور اس کے معنی عین نجاست بتلائے ہیں تو اس سے بر تقدیر اس کے ماخرج من السبیلین کے متعلق ہونے کے ریح دبر کا غیر ناقض ہونا لازم نہیں آتا کیونکہ گو وہ بنفسہ نجس نہیں ہے مگر بغیرہ نجس ہے۔ وحينئذ بطل قوله الا يلزم ان لا يكون ریح الدبر ناقضة وايضا لبطل تعليله بقوله لانها ليست بنجسة بنفسها لان عدم كونه نجسة بنفسها لا يستلزم عدم نقضه لجواز نقضه بالنجاسة المكسبة العرضية اور اگر بالفرض شارح وقایہ صاحب البحر الرائق کا یہی مسلک ہو کہ خروج من السبیلین مطلقاً ناقض ہے تو یہ دیگر فقہاء پر حجت نہیں ہے جو کہ نجاست کی شرط لگاتے ہیں۔ فلا اعتراض بقولهما فثبت المدعى باحسن وجه والله الحمد تم الجواب الثالث۔ اب ناظرین علماء سے اس کی تنقید کر لیں۔

از ترجیح خامس ص ۱۳۶ در تفصیل اجمال موہم متعلق رطوبت فرج

سوال۔ بسلسلہ تتمہ رابعہ امداد الفتاویٰ پر چہ الامداد ماہ محرم ۱۳۳۵ھ میں شروع صفحہ ۳۵ پر جو جواب ۱۶/ شوال ۱۳۳۴ھ کا لکھا ہوا درج ہے وہ مطابق سوال نہیں ہے کیونکہ سوال کیا گیا ہے سفیدی خارج من الفرج سے اور جواب میں جو دلائل قائم کئے گئے ہیں وہ ہیں رطوبت فرج کے۔ سفیدی تو بسبب سیلان رحم کے فرج سے آتی ہے جیسا کہ مردوں کے جریان منی کی وجہ سے سفیدی آتی ہے اور رطوبت مذکورہ فی الجواب وہ رطوبت ہے جو مثل رطوبت شفتین کے جلد فرج پر ہر وقت موجود رہتی ہے یہ معنی رطوبت کے میں نے مولانا محمود حسن صاحب مرحوم سے سنا ہے۔ امید کرتا ہوں کہ اس مسئلہ پر نظر ثانی فرما کر اس کی اصلاح شائع فرمادیں۔ آئندہ جو رائے عالی ہو۔

الجواب۔ واقعی میں طب نہ جاننے کے سبب اس رطوبت کو سائل من الرحم نہیں سمجھا جو کہ نجس بھی ہے اور ناقض وضو بھی میں مطلق سمجھ گیا پھر اس مطلق میں غیر سائل من الرحم سمجھ گیا جو کہ امام صاحب کے نزدیک طاہر ہے اور غیر ناقض وضو اور یہ بھی غلطی ہے مطلق سمجھنے کی صورت میں اس تفصیل کی ضرورت تھی جو کہ تتمہ اولیٰ امداد الفتاویٰ کے صفحہ ۳ پر ایک ایسے ہی سوال کے جواب مرقوم ۱۲/ رمضان ۱۳۲۲ھ میں مذکور ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ یہاں تین موقع ہیں اور ہر موقع کی رطوبت کا جدا حکم ہے فرج خارج کی رطوبت طاہر ہے اور فرج داخل کے باطن یعنی رحم کی رطوبت کا جدا حکم ہے فرج خارج کی رطوبت طاہر ہے اور فرج داخل کے باطن یعنی رحم

کی رطوبت نجس ہے اور خود فرج داخل کی رطوبت مختلف فیہ ہے امام صاحب کے نزدیک طاہر صاحبین کے نزدیک نجس اور اس مقام پر روایات بھی مذکور ہیں۔ پس ناظرین کو چاہئے کہ اس مجمل کو اس تفصیل پر محمول کر لیں گو وہ مفصل تاریخ میں مقدم ہے مگر اس موخر کو ناخن نہ سمجھیں۔

۴ ربیع الثانی ۱۳۴۲ھ

مینڈک کا پیشاب

سوال (۱۰۹) بول غوک پاک است یا نہ اگر ناپاک کدام ناپاک۔

الجواب۔ فی الدر المختار فی النجاسة الغلیظة وبول غیر ماکول۔ پس بنا بریں قاعدہ بول غوک نجس غلیظ است البتہ در غوک کے کہ در آب می ماند حکم نجاست نکرہ شود للضرورة کما فی الدر المختار مسائل البیر ولا نزح فی بول فارة علی الاصح فی رد المحتار ولعلہم رجحوا القول بالعفو للضرورة۔

۹ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۸ھ (تتمہ اولیٰ ص ۵)

مینڈک کی پاکی پر شبہ اور اس کا جواب

سوال (۱۱۰) آپ نے بہشتی زیور میں لکھا ہے۔ ”دریائی جانور سوائے مچھلی کے سب حرام ہیں۔“ بہشتی گوہر میں لکھا ہے ”دریائی مینڈک کی چربی پاک ہے“ اگر پاک ہے تو کھانا چاہئے یا استعمال میں اور کھانے میں کچھ فرق ہے اس سے مطلع فرمائیے گا۔

الجواب۔ پاک ہونے کے لئے حلال ہونا لازم نہیں، اس لئے کھانا درست نہیں۔

(تتمہ خامسہ ص ۳۲۰)

جوتا رگڑنے سے پاک ہو جاتا ہے

سوال (۱۱۱) ایک شخص بوٹ جوتا استعمالی ٹخنوں سے اوپر تک کا با وضو پہن کر شکار میں گیا راستہ میں اس کی تلے پر نجاست گارہ گوہر وغیرہ لگ گئی جب وقت نماز کا ہوا جوتے کے اتارنے میں بہت دقت معلوم ہوئی کہ پٹیاں کھولے اور موزہ اتار کر جوتا اتارے اس وجہ سے اس نے جوتے کی تلے کو گھاس پر رگڑ کر خوب صاف کر لیا اور جوتا پہنے ہوئے نماز ادا کی تو اس کی نماز ہو گئی یا نہیں؟

الجواب۔ فی الدر المختار و یطہر خف و نحوه کنعل تنجس بذی جرم
هو کل ما یری بعد الجفاف ولو من غیرها کخمر و بول اصابہ تراب بہ یفتی
بذلك یزول بہ اثرہا۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ صورتہ مسئلہ میں جوتہ پاک ہو جاوے گا۔
۱۳ / صفر ۱۳۳۰ھ (تمتہ اولی ص ۸)

چوہے کی مینگنی گھی میں پک جائے تو اس کا حکم

سوال (۱۱۲) پانچ سیر گھی میں ایک مینگنی چوہے کی جوش ہوگئی جس وقت چھانا تو وہ
معلوم ہوئی وہ گھی پاک رہا یا نہیں۔

الجواب۔ فی رد المحتار وان خراہا (ای الفارۃ) لا یفسد مالہ یمظہر اثرہ
ج ۱ ص ۱۲۲ اس سے معلوم ہوا کہ وہ گھی پاک ہے۔ ۱۲ / شعبان ۱۳۳۱ھ (تمتہ ثانیہ ص ۶۰)

اعضائے انسانی اشیاء غیر منصرہ میں داخل نہیں

سوال (۱۱۳) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ قاعدہ شرعی یہ ہے کہ جو چیز
ناپاک نچڑ نہیں سکتی ہے تو وہ جب پاک ہوتی ہے کہ جب اس کا قطرہ قطرہ ٹپک جاوے تو اب
سوال یہ ہے کہ آیا ہاتھ پیر انسان کے اسی قاعدہ ماسبق میں داخل ہیں یا نہیں اگر داخل ہیں تو کوئی
شخص بھی ایسا نہیں کرتا ہے یعنی قطرہ قطرہ نہیں ٹپکنے دیتا ہے اور ویسے ہی پے درپے تین دفعہ دھو کر
لوٹے وغیرہ کو ہاتھ لگا دیتا ہے تو آیا لوٹے وغیرہ ناپاک ہو جاتے ہیں یا نہیں اور اگر داخل نہیں تو
کیا قاعدہ ہے۔ اگر نچوڑنے کا قاعدہ ہے تو کوئی شخص بھی نہیں نچوڑتا تو کسی کی بھی نماز وغیرہ نہ ہونا
چاہیے۔ جناب تحریر فرمادیں کہ اعضاء انسان میں پاک کرنے کا کیا قاعدہ ہے۔ بینوا تو جروا

الجواب۔ فی الدر المختار و قدر بتثلیث جفاف ای انقطاع تقاطر فی غیرہ
ای غیر منصر یتشرب النجاسة والا فبقلعها فی رد المحتار قوله والا فبقلعها
الی قوله و مثله یتشرب فیہ شیئی قلیل کا لبدن والنعل ج ۱ ص ۳۴۳۔ اس
روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ بدن میں قاعدہ یہ نہیں۔ ۲۴ / رمضان ۱۳۳۱ھ (تمتہ ثانیہ ص ۷۷)

نرام جانوروں کا چمڑا ذبح کرنے سے پاک ہو جاتا ہے

یہ مسئلہ فصل فی الغسل میں فتاویٰ ہذا کے صفحہ ۲۳ پر پورا لکھا جا چکا ہے۔

دھوپ میں سوکھا ہوا چمڑا تر ہو جانے سے ناپاک نہیں ہوتا

سوال (۱۱۴) اونٹ کے مردار اور کچے چمڑے کے گھی رکھنے کے لئے برتن (کوڑیاں) بنائی جاتی ہیں ایسے برتن میں رکھا ہوا گھی کھایا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب۔ دباغت سے وہ پاک ہو جاتا ہے اور دباغت کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ وہ بالکل خشک ہو جاوے اور اس میں ذرار طوبت باقی نہ رہے پھر وہ تر ہونے سے بھی ناپاک نہیں ہوتا کذا فی رد المحتار فقط ۲۶/ ذی الحجہ ۱۳۳۲ھ (تمہ ثانیہ صفحہ ۲۰۳)

جونک نجس نہیں

سوال (۱۱۵) خشک جونک گھی یا تیل میں ملا کر اگر کسی عضو پر لگائے تو بغیر دھوئے نماز جائز ہے یا نہیں؟

الجواب۔ جائز ہے کیونکہ وہ حرام ہے نجس نہیں بوجہ دموی نہ ہونے کے۔

۱۲/ ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ (حوادث الفتاویٰ ص ۱۲۵ ج ۱ و ۲)

نجس رنگ سے رنگی ہوئی گھڑیا کا پاک کرنا

سوال (۱۱۶) پانی کے گھڑے دیہات میں ہندو کمہار چھاپ کر بناتے ہیں اور خنزیر کے بالوں کی کوچی سے چھپائی ہوتی ہے آگ میں زینے سے پہلے چھپائی ہوتی ہے اس میں پانی کا استعمال کرنا جائز ہے یا ناجائز۔

الجواب۔ وہ رنگ ناپاک ہو جاتا ہے اس لئے جب تک وہ رنگ باقی رہے وہ سطح برتن کا ناپاک ہے البتہ اگر اس کو خوب مل کر دھوویں تو پاک ہو جاوے گا مگر اتنا دھوویں کہ پانی صاف نکلنے لگے۔

۲۷/ رجب ۱۳۳۲ھ (حوادث ص ۱۴۵ ج ۱ و ۲)

منی اور ندی جو رقیق ہو اس کا رگڑ دینا طہارت کے لئے کافی نہیں

سوال (۱۱۷) منی جو اس زمانہ میں ضعف طبائع کے سبب رقیق ہوتی ہے اگر کپڑے پر لگ کر سوکھ جائے تو فرک سے پاک ہو جائے گی یا غسل کی ضرورت ہے اور ندی اگر کپڑے کو لگ جاوے تو فرک کافی ہے یا غسل لازم ہے۔

الجواب۔ فی رد المحتار والنص ورد فی منی الرجل و منی المرأة لیس مثله لرقته و غلظ منی الرجل والفرك انما يؤثر فی زوال المفروك و تقليله و ذلك فیما له جرم والرقيق المائع لا يحصل من فركه هذا الغرض فیدخل منی المرأة اذا كان غلیظا و یدخل منی الرجل اذا كان رقیقا لعرض ج ۱ ص ۳۳۲ وفيه قال شمس الاثمة الحلواني مسألة المنی مشكلة لان كل فحل یمدی ثم یمنی الا ان یقال انه مغلوب بالمنی مستهلك فيه فیجعل تبعاً اهـ ج ۱ ص ۳۲۱۔

روایت اولیٰ سے معلوم ہوا کہ منی رقیق فرک سے پاک نہ ہوگی۔ اور روایت ثانیہ سے معلوم ہوا کہ منی کا مطلقاً دھونا واجب ہے۔ والا لم یکن لهذا الا یراد و الجواب معنی ۸ صفر ۱۳۳۳ھ (تمتہ ثالثہ ص ۱۶)

مٹکا جس پر گوبر لگایا گیا ہو آگ میں چلنے کے بعد پاک ہے

سوال (۱۱۸) ایک اور بات قابل دریافت ہے وہ یہ ہے کہ اگر کسی مٹکے کی تلے کو بوجہ دراریں ہو جانے کے مٹی اور گوبر سے لپک کر جس سے وہ دراریں بند ہو جاویں گرم کیا جاوے تو اس پانی سے وضو و غسل جائز ہے یا نہیں۔

الجواب۔ چونکہ کچھ پانی اس نجاست تک پہنچے گا اور باقی پانی اس سے متصل ہوگا۔ سب ناپاک ہو جاوے گا لیکن جب وہ گوبر دو چار بار آگ جلانے سے جل جاوے تو انقلاب ماہیت سے وہ پاک ہو گیا پھر پانی بھی پاک رہے گا چلنے کے قبل اس میں پانی گرم کر کے گراتے جاویں اور چلنے کے بعد اس مٹکے کو پاک کر کے پھر استعمال میں لاویں۔

۱۳ ربیع الثانی ۱۳۳۳ھ (تمتہ ثالثہ ص ۲۹)

شہد میں چوہا مر گیا تو اس کے پاک کرنے کا طریقہ

سوال (۱۱۹) ایک مسئلہ دریافت طلب یہ ہے کہ بندہ کے یہاں ایک شہد کے پیسہ میں جس میں بانئیں سیر شہد تھا چوہا گر کر مر گیا پھولا پھٹا نہیں شہد میں بدبو تک بھی نہیں آئی اس کے پاک ہونے کی کوئی صورت ہے یا نہیں۔ ایک صاحب کی تجویز ہے کہ پانی ہموزن ملا کر تین دفعہ پکا کر پانی جلاویں تو پاک ہو سکتا ہے جیسے گھی کو لکھا ہے اگر پاک نہ ہو سکے تو چماڑوں بھنگیوں کے

ہاتھ اس کو بیچ دینا درست ہے یا نہیں جبکہ وہ مردار کھانے کے عادی ہیں۔ یا آب کاری والوں کے ہاتھ بیچ لینا درست ہے یا نہیں۔

الجواب۔ اگر شہد سیال ہے تو سب ناپاک ہو گیا پانی ڈال کر جوش دینا اور اس کا جلا دینا بعض کے نزدیک مطہر ہے اس طرح طاہر کر کے کفار کے ہاتھ فروخت کر دیا جاوے اور نجس کا فروخت کرنا بھی درست نہیں۔ ۶ شعبان ۱۳۳۳ھ (تمہ ثالثہ ص ۵۹)

کتے نے دانتوں سے کپڑا پھاڑ دیا تو وہ پاک ہے یا ناپاک

سوال (۱۲۰) زید کے گھر میں کتے ہیں حفاظت کے لئے جو کپڑا چار پائی کے نیچے لٹکتا ہے کتے اس کو نوچ ڈالتے ہیں ایک روز صبح زید نے مسجد میں جماعت کی نماز پڑھائی۔ چادر اوڑھ کر بعد نماز معلوم ہوا کہ چادر نوچی ہوئی ہے جس سے قیاس کیا کہ کتوں نے رات میں نوچی ہے چادر میں کتوں کا لعاب ضرور لگا ہو گا کتوں کو نوچتے ہوئے دیکھا نہیں۔ اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ نماز زید کی اور مقتدیوں کی ہو گئی یا لوٹائی جائے۔

الجواب۔ یہ تو ذرا بعید ہے کہ کپڑا کسی اور سبب سے پھٹ گیا ہو اور یہ بھی بعید ہے کہ لعاب نہ لگا ہو مگر یہ بعید نہیں کہ لعاب قدر درہم سے کم لگا ہو خصوص جب کپڑا تھوڑی دور میں سے نچا ہوا ہو اور قدر قلیل مانع صلوٰۃ نہیں اور جب تک کثیر کی کوئی دلیل نہ ہو قلیل ہی پر محمول کیا جاوے گا اس لئے نماز درست ہو جاوے گی۔ ۱۶ ذی قعدہ ۱۳۳۳ھ (تمہ ثالثہ ص ۱۰۰)

چوہا جس کو ذبح نہ کیا ہو اس کی چربی ناپاک ہے

سوال (۱۲۱) میرے پیر میں چوہے کی چربی ملنے کو لوگ بتاتے ہیں تو کیا یہ نجس ہے نماز ایسی حالت میں درست ہے یا نہیں۔

الجواب۔ فی اصلاح الطب عن العالمگیریۃ الجلد الاول فصل ما یجوز بہ التوضی ما طہر جلدہ بالدباغ طہر جلدہ بالزکوة و كذلك جميع اجزائه یطہر بالذکوة سوى الدم اھ۔

اس جزئیہ سے معلوم ہوا کہ اگر چوہا بلا ذبح اور کسی طریقہ سے مر جاوے تو اس کی چربی نجس رہے گی اور اس سے نماز درست نہ ہوگی البتہ اگر ضرورت شدید ہو ایسے وقت استعمال کرے کہ نماز کے وقت دھو سکے۔ ۳ محرم ۱۳۳۴ھ (تمہ رابعہ ص ۱۰)

ابتلائے عام کے وقت کپڑوں کی طہارت میں توسع و گنجائش کے احکام

سوال (۱۲۲) یہاں سرکاری طرف سے دھویوں کو کپڑے دھونے کے واسطے سرکاری حوض چھوٹے چھوٹے بنوادیئے گئے ہیں ان میں وہ لوگ کپڑے دھوتے ہیں پانی ان حوضوں میں کنویں سے بھرا جاتا ہے بہت سے کپڑے یکبارگی ان حوضوں میں دھونے کو ڈالے جاتے ہیں اس میں پاک اور ناپاک سب ہوتے ہیں ایسے حوض کے دھوئے ہوئے کپڑے پاک ہوں گے یا ناپاک اور ان پر نماز ہو جاوے گی یا نہیں۔ دھوبی کا بیان ہے کہ وہ تین مرتبہ پانی بدل کر دھوتا ہے مگر اس سے اطمینان نہیں ہوتا اس کے علاوہ ہندو دھوبی بھی دھوتے ہیں جن کو پاک کرنے کا طریقہ بھی معلوم نہیں۔ ندی یہاں سے تین کوس پر ہے اس وجہ سے بہت کم دھوبی وہاں کپڑے دھونے جاتے ہیں۔ حوض کی پیمائش اتنی ہوتی ہے کہ ان کا شمار قلتین میں ہو سکتا ہے جو کہ شاید امام اعظمؒ کے نزدیک جائز نہیں ہے۔

الجواب۔ یہ مسئلہ ائمہ کے درمیان مختلف فیہ ہے سخت ضرورت میں جیسا کہ صورت مسئلہ میں ہے دوسرے امام کے قول لے لینا جائز ہے اس لئے جو شخص دوسرے طریقہ سے نہ دھلوا سکے اس کے لئے پاکی کا حکم کیا جاوے گا۔ ۲۲ جمادی الاخریٰ ۱۳۳۲ھ (تمتہ رابعہ ص ۴۵)

آنحضرت ﷺ کے فضلات پاک تھے یا نہیں

سوال (۱۲۳) حضور اقدس ﷺ کا جنگ احد میں بعض صحابہ کا خون زخم کا چوسنا اور اس کا ذائقہ حاصل کرنا اور حضور ﷺ کا بول لیجانا روایت معتبرہ سے ثابت ہے درحالیکہ یہ دونوں چیزیں نجس العین ہیں پس اس واقعہ کی تاویل کیا ہے ارشاد فرمایا جاوے۔

الجواب۔ روایت کی تو میں نے تنقید نہیں کی لیکن اگر یہ ثابت بھی ہو تو علماء نے حضور اقدس ﷺ کے ان رطوبات کو طاہر کہا ہے علامہ شامی نے اس کی تحقیق کی ہے پس کچھ بھی اشکال نہیں اور اس کی کوئی دلیل میں نے کسی کے کلام میں منقول نہیں دیکھی لیکن اسی وقت میرے ذہن میں آئی ہے وہ یہ کہ حضور ﷺ نے ان شاربین پر نکیر نہیں فرمایا اور آپ کا نکیر نہ فرمانا حجۃ شریعہ بالا جماع ہے۔ ربیع الثانی ۱۳۳۲ھ (تمتہ خامہ ص ۲۳۸)

سوال (۱۲۴) ایک واعظ صاحب یہاں تشریف لائے تھے انہوں نے حسب ذیل روایات بیان کیں جن کے متعلق یہاں اکثر اصحاب اختلاف کرتے ہیں حضور براہ کرم برائے

اطمینان اہل اسلام ان روایات کے متعلق تحریر فرمادیں کہ وہ صحیح ہیں یا غلط اور اگر تکلیف نہ ہو تو کسی کتاب کا حوالہ بھی تحریر فرمادیں۔

روایات

نمبر (۱) انبیاء علیہم السلام کا بول و براز پاک ہوتا ہے اور خصوصاً ہمارے رسول اکرم ﷺ کے فضلات بالکل پاک تھے کیونکہ آپ سر اپا نور تھے۔

نمبر (۲) انبیاء علیہم السلام کے بول و براز کوز میں فوراً ہضم کر جاتی ہے۔

الجواب۔ خواہ مخواہ انہوں نے ایسی باتیں بیان کر کے مسلمانوں کو پریشان کیا جو نہ عقائد ضروریہ میں سے ہیں نہ احکام میں سے بیان کرنے کی چیز عقائد و احکام ہیں نہ کہ ایسی روایات جن پر دوسری اقوام بھی ہنسیں ایسی روایات بعض غیر معتبر کتابوں میں آئی ہیں جن کی نہ تصدیق واجب ہے کیونکہ سند صحیح نہیں اور نہ تکذیب واجب ہے اس لئے کہ فی نفسہ ممکن ہیں اسلئے ایسے امور میں مشغول ہی نہ ہونا چاہئے نہ تصدیقاً نہ تکذیباً اور ایسے واعظوں کا واعظ ہی کیوں سنا جاتا ہے اور ان سے مطالبہ سند کا کیوں نہ کیا گیا اسی جلسہ میں حقیقت کھل جاتی۔

۸ ربیع الثانی ۱۳۵۰ھ (النور رمضان ۱۳۵۰ھ ص ۱۰)

اس کے بعد اسکے متعلق دوسرا خط آیا جو ذیل میں منقول ہے

السوال۔ جناب ماسٹر محمد شریف خاں صاحب نے حال میں ایک استفتاء خدمت عالی میں پیش کیا جو ہر شتہ عریضہ ہذا ہے جواب سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ روایات مذکورہ ضعیف ہیں اور ان کی کوئی سند نہیں حسب اتفاق ایک صاحب کو نشر الطیب میں انہیں روایات کو دیکھنے کا اتفاق پیش آ گیا انہوں نے نشر الطیب کے صفحات ۱۳۵ و ۱۳۶ مجھ کو دکھائے اب وہ فتویٰ اور یہ تحریر متضاد معلوم ہوتی ہیں۔ نشر الطیب میں روایت بقول حضرت عائشہ صدیقہؓ بیان کی گئی ہے جواب جلد عطا فرمائیے تاکہ تسکین ہو۔ ۲۲ اگست ۱۹۳۱ء

الجواب۔ ضعیف بلا سند نہیں ہوتی بلکہ ہند ضعیف ہوتی ہے جو عقائد میں حجت نہیں فضائل میں کھپ جاتی ہے میں نے تحریر سابق میں یہی لکھا ہے کہ سند صحیح نہیں تو دونوں تحریروں میں تضاد نہیں کیونکہ ضعیف کی نفی نہیں کی اور اس ضعف سند ہی سے ایسی کتابوں کو غیر معتبر بتلایا تھا کیونکہ معتبر صحیح کو کہتے ہیں باقی یہ کہ پھر کتاب میں کیوں لکھا سو کتاب تو فضائل میں ہے عقائد و احکام

میں نہیں اگر شاذ و نادر ایسی بھی کوئی روایت لکھی جائے کھپت ہو جاتی ہے بخلاف وعظ کے کہ وہ عقائد و احکام کی تعلیم کیلئے ہوتا ہے اس میں ایسے مضامین نہیں کھپتے دوسرے وعظ سننے والے اکثر کم فہم ہوتے ہیں اور کتاب پڑھنے والے اکثر فہیم۔ ۸ ربیع الثانی ۱۳۵۰ھ

اضافہ۔ بعد تحریر جواب ہذا شرح الشفا لملا علی القاری میں یہ بحث نظر سے گزری انہوں نے فصل نظافۃ جسم نبوی میں اس پر بہت مبسوط لکھا ہے خلاصہ اس کا یہ ہے کہ بعض روایات کا تو ثبوت مقدوح ہے اور بعض کی دلالت اور بعض روایات میں شاربین کا یہ قول مذکور ہے شربتہ وانا لا اعلم یا لا اشعر اور ایک روایت میں حضور ﷺ کا اس کے متعلق نہی فرمانا مذکور ہے اور وہ یہ ہے۔

روی ابن عبد البر ان سالم بن ابی الحجاج حجه صلی اللہ علیہ وسلم ثم ازدر دای ابتلع فقال اما علمت ان الدم كله حرام و فی رواية لا تعد فان الدم كله حرام۔ پس مسئلہ بالکل منقح ہو گیا کہ طہارت کا دعویٰ بلا دلیل ہے۔

۸ ربیع الثانی ۱۳۵۰ھ (النور شوال ۱۳۵۰ ص ۷)

تفصیل در حکم اسپرٹ

سوال (۱۲۵) انگریزی دوا جو پینے کی ہوتی ہے اس میں عموماً اسپرٹ ملائی جاتی ہے (یہ قسم ہے اعلیٰ درجہ کے شراب کی یعنی شراب کا ست ہے) تو جب اس امر کا یقین ہو چکا اور مسلم ہے تو انگریزی (ہسپتال) کی دوا پینا جائز ہے یا ناجائز۔

الجواب۔ اسپرٹ اگر عنب وزیب و رطب و تمر سے حاصل نہ کی گئی ہو تو اس میں گنجائش ہے للاختلاف ورنہ گنجائش نہیں للافتاق۔ ۲۱ محرم ۱۳۳۲ھ (حوادث رابع ص ۶۲)

خفاش کا بول اور بیٹ پاک ہے

سوال (۱۲۶) چمگاڈر کا پیشاب اور بیٹ پاک ہے یا نہیں؟

الجواب۔ خفاش کا بول اور بیٹ پاک ہے۔

فی الدر المختار و بول غیر ماکول ولو من صغیر لم یطعم الا بول الخفاش و خراہ فطاهر و فی رد المحتار عن البدائع و غیرہ لیس بنجس لتعذر صیانة الثوب والأوانی عنها ثم بعد اسطر کان الاولى ان یقول فمعفو عنه اھ باب الانجاس۔ ۱۲ جمادی الثانی ۱۳۳۹ھ (النور ص ۱۸ رمضان ۱۳۳۹ھ)

کورے کپڑے کی نجاست طہارت کی تحقیق

سوال (۱۲۷) کوراکپڑا بزاز کے یہاں بغیر دھلائے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب۔ فی الدر المختار ثياب الفسقة واهل الذمة طاهرة جلد ۱ ص ۳۶۲۔ اس سے معلوم ہوا کہ کور ابد رجبہ اولیٰ پاک ہے۔ ۱۳۲۵ھ (امداد ص ۱۷۹ ج ۲)

سوال (۱۲۸) آئے دن یہاں اخباروں میں ایک مضمون شائع ہوا ہے جس کو مسئلہ شرعی سے تعلق ہے جب سے میں نے اس مضمون کو پڑھا ہے دل میں خلش ہو گئی ہے اس لئے اپنے اطمینان کے لئے گوش گزار کرتا ہوں وہ یہ کہ حکومت بمبئی کی جانب سے تردید کی گئی ہے کہ ہندوستان میں ولایتی پارچہ کے متعلق جو یہ خبر مشہور کی گئی ہے کہ اس کو جلاء دینے کے لئے سورا اور گائے کی چربی کا استعمال ہوتا ہے یہ غلط ہے اس کی قیمت زیادہ ہوتی ہے اسلئے یہ چربی استعمال نہیں کی جاتی بلکہ دوسرے جانوروں کی چربی استعمال کی جاتی ہے اس مضمون سے سورا اور گائے کی چربی کے استعمال کی تردید تو ہوتی ہے مگر چربی کا استعمال ثابت ہے، یورپ میں ذبیحہ کا طریقہ رائج نہیں۔ اس صورت میں کسی مردار جانور کی چربی بھی نجس ٹھہری اور اس سے جلا دیا ہوا پارچہ پہن کر نماز جائز ہوگی یا نہیں براہ کرم مطلع فرمادیں دیگر یہ کہ اکثر مردوں کو ولایتی کپڑے ہی کا کفن دیا جاتا ہے اگر دراصل چربی کے استعمال سے کپڑا نجس ہو جاتا ہے تو یہ کس قدر افسوس کی بات ہے۔

۲۵ شوال ۱۳۵۰ھ۔

الجواب۔ چونکہ مسئلہ باب طہارت و نجاست سے ہے اسلئے قاعدہ شرعیہ سے ایسی روایت جب تک اس کا تواتر ثابت نہ ہو جائے خواہ تواتر بالذات ہو خواہ لعارض قرائن حافہ ہو یا اگر متواتر نہ ہو تو جب تک سند متصل مسلمان راویوں کی ثابت نہ ہو جاوے حجت نہیں نیز اس کی تحقیق بھی ضروری ہے کہ خالص چربی کا استعمال کیا جاتا ہے یا کسی کے ساتھ ترکیب دے کر اور دوسری صورت میں آیا اس ترکیب سے چربی کا استحالہ ہو جاتا ہے جیسے صابون میں نجس تیل کا استحالہ ہو جاتا ہے یا استحالہ نہیں ہوتا۔ اور اگر کسی کو پھر بھی شبہ ہو تو دھو کر استعمال کر لیا جائے۔

۲۹ شوال ۱۳۵۰ھ (النور جمادی الاولیٰ ۱۳۵۱ ص ۷)

سوال (۱۲۹) زید کہتا ہے کہ ولایتی جدید کپڑے میں بدون غسل نماز جائز نہیں ہے کیونکہ جس وقت ہندوستان میں یہ خبر شہرت پذیر ہوئی تھی کہ اس کی دھلائی میں اور استری میں سورا کی چربی ملائی جاتی ہے اس وقت کارخانوں کے منتظمین اور شریک داروں کی طرف سے اعلان ہوا

تھا کہ ہم چربی سور کی نہیں ملا تے کیونکہ وہ گراں چیز ہے گائے کی چربی ملا تے ہیں لیکن یہ معلوم ہے کہ وہاں مشین کے ذریعہ سے ذبح ہوتے ہیں اور ذائقہ خیر غیر مسلم بھی ہیں اس لئے مردار کی چربی کا استعمال اس کے اندر ضرور ہوتا ہے لہذا وہ کپڑے ناپاک ہوئے۔

کما فی بدائع الصنائع ص ۸۱ ج اول و قالوا فی الدیاج الذی ینسجہ اهل فارس انه لا یجوز الصلوٰۃ فیہ لانہم یتعملون فیہ البول عند النسج یرعمون انه یرید فی بریقہ ثم لا یغسلون لان الغسل یفسدہ فان صح انہم یفعلون ذلك فلا شک انه لا تجوز الصلوٰۃ معہ اھ عمر و کہتا ہے کہ یقین لایزول بالشک۔ کپڑے جدید اہل الذمہ کا ہمیشہ قرون اولی سے استعمال چلا آ رہا ہے لہذا اس کو طہارت کا حکم دیا جاوے کما فی بدائع الصنائع ص ۸۱ ج ۱ ولا باس بلبس ثياب اهل الذمة والصلوة فیہا الا ازار والسر او یل فانه تکرہ الصلوٰۃ فیہما و تجوز اما الجواز فلان الاصل فی الثياب هو الطہارۃ فلا تثبت النجاسة بالشک ولان التوارث جار فیما بین المسلمین بالصلوة فی الثياب المغنومة من الکفرة قبل الغسل۔ اور طہارت و نجاست دیانات سے ہے۔

اور دیانات میں فاسق اور کافر کی خبر معتبر نہیں ہے اس لئے جب تک مسلم عادل اس کی خبر نہ دے کپڑے کو نجس نہیں کہہ سکتے۔ پس سوال یہ ہے کہ ان دونوں میں کس کا قول صحیح قابل عمل ہے۔ زید عمر و دونوں حضور کے فیصلہ کو ماننے کے لئے تیار ہیں۔ بہ سبب اعتماد کے بے چون و چرا مان لیں گے۔ الجواب۔ زید کی دلیل میں فان صح خود دلیل کا جواب ہے باقی عمر و کی دلیل میں ایک شق کی کمی ہے اگر یہ خبر متواتر ہو صورتاً یا معنیً تو متواتر میں اسلام اور عدالت شرط نہیں۔ اب مدار حکم کا اس خبر کی شان پر رہا سو اس کی تحقیق سائل بھی کر سکتے ہیں۔

۱۹/ صفر ۱۳۵۵ھ (النور شوال ۱۳۵۵ھ ص ۷)

(تتمہ) اور اگر اس چربی کا استحالہ ہو جاتا ہے تو فقہاء نے ایسے صابون کی طہارت کی تصریح فرمائی ہے۔

مرغی کو ذبح کر کے آ لایش صاف کئے بدون پانی میں جوش دیدیا تو وہ ناپاک ہے بحوالہ شامی

سوال (۱۳۰) بہشتی گوہر ص ۹ مطبوعہ گورکھپور میں تحریر ہے۔ ”مرغی یا کوئی پرند پیٹ

چاک کرنے اور اس کی آلائش نکالنے سے پہلے پانی میں جوش دی جائے جیسا کہ آج کل انگریزوں اور ان کی ہم منش ہندوستانیوں کا دستور ہے تو وہ کسی طرح پاک نہیں ہو سکتی، انتہی اب دریافت طلب یہ ہے کہ یہ مسئلہ کس کتاب کے کس باب سے نقل کیا گیا ہے۔ میں نے شامی کی ”کتاب الطہارت“ ”کتاب الذبائح“ پوری اور اکثر حصہ الحظر والا باحة کا دیکھا ہے۔ مجھ کو یہ جزئیہ کہیں نہیں ملتا مجھ کو اس مسئلہ میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ دوسروں کو تسکین دینے کی ضرورت ہے۔

ثانیاً۔ معروض ہے کہ وہ پرند صورت مسئلہ میں مکروہ تحریمی ہو گا یا حرام اس اطراف میں دستور ہے کہ مرغی کو ذبح کر کے سرد ہونے کی بعد آگ پر جھلس لیتے ہیں۔ اس صورت میں اس مرغی کا کیا حکم ہے۔ پہلی صورت میں بغیر چاک کئے تو تلوٹ کی وجہ سے ناپاک رہی۔ اور اس صورت میں تلوٹ بظاہر نہیں ہے اگر اس کا پیٹ چاک کر کے جھلسا جائے تو پھر کوئی قباحہ نہیں معلوم ہوتی امید ہے کہ ان تمام باتوں کا جواب مع حوالہ کتاب بقید ص و باب روانہ فرما کر ممنون فرمائیں گے۔

الجواب۔ بہشتی گوہر میں تو اس وقت دیکھ نہیں سکا مگر شامی میں وہ جزئیہ مل گیا۔ اس کی عبارت نقل کرتا ہوں۔

فی الدر المختار و کذا دجاجة ملقاة على الماء للنتف قبل شقها فتح۔ فی رد المحتار قوله و کذا دجاجة قال فی الفتح انها لا تطهر ابدالکن علی قول ابی یوسف تطهر و العلة والله اعلم تشریها النجاسة بواسطة العلیان اه ص ۲۴۵ مطبوعه مصر ۱۲۹۴ قبیل فصل الاستنجاء۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مسئلہ مختلف فیہ ہے اور منع کو اس لئے ترجیح ہے کہ اس کی نظیر مذکور فیما یستقبل متصلاً میں عدم طہارت کو مفتی بہ کہا ہے۔ اور اس کو امام صاحب کا قول بتلایا ہے اور مانعین جب اس کو نجس کہتے ہیں تو حرام بھی کہیں گے۔ باقی جھلسنا اس کا حکم یہ ہے کہ اگر اس سے نجس کا اثر زائل ہو جاوے تو ظاہر ہو جاوے گا ورنہ نہیں۔

فی رد المحتار تحت قوله و نارکما لو احرق موضع الدم من رأس الشاة (بحر) وله نظائر تاتی قریباً ولا تظن ان کل ما دخلته النار يطهر کما بلغنی عن بعض الناس انه توهم ذلك بل المراد ان ما استحالت به النجاسة بالنار او زال اثرها بها يطهر ولذا قید ذلك فی المنیة بقوله فی مواضع اه۔

فصل فی الاستنجاء

جواز استقبال واستدبار بوقت آبدست

سوال (۱۳۱) بول اور براز قبلہ کی طرف منہ اور پشت کر کے ممنوع ہے اور استنجاء کرنا یعنی آبدست لینا قبلہ کی طرف منہ یا پشت کر کے کیسا ہے۔

الجواب۔ چونکہ کوئی دلیل نہیں اس لئے جائز ہے۔

(مگر نہ کرنا موجب ثواب ہے۔ کما فی المنیۃ ان ترکہ ادب الخ شامی ص ۵۳ ج اول۔ بعد میں معلوم ہوا کہ اس مسئلہ کو ان مسائل میں درج کیا گیا ہے جن کے متعلق مشائخ پر بعض علماء نے تنبیہ فرمائی ہے۔ دیکھو ملحقات تتمۃ اولیٰ امداد الفتاویٰ ص ۳۳۰) نوٹ..... یہ اضافہ تصحیح الاغلاط ص اسے کیا گیا ہے۔ ۱۵/شوال ۱۳۲۱ھ (امداد ص ۱ ج ۱)

از ملحقات تتمۃ اولیٰ ص (۳۳۰)

خلاصہ سوال۔ از روئے قبلہ بوقت استنجاء

خلاصہ جواب۔ جائز ہے۔

تساح۔ شان کعبہ و قبلہ را مد نظر داشته کہ عین مقصود اہل اسلام است ضروری بود کہ جواب ایں طور دادند۔

الجواب۔ ترک ادب است نباید کرد فلو للاستقبال لم یکرہ ۱۲ الدر المختار قوله (لم یکرہ) ای تعریما فی المنیۃ ان ترکہ ادب ولما مر فی الغسل ان من ادابہ ان لا یستقبل القبلة لانه غالبا یكون مع کشف العورة ولقولہم یکرہ مدالرجلین الی القبلة فی النوم وغیرہ عمداً و کذا فی حال مواقعتہ اہلہ ۱۲ ردالمحتار ص ۳۵۳۔

جواز استقبال شمس بوقت بول بحال مستور شدن شمس درابر

سوال (۱۳۲) اگر آفتاب ابر کی آڑ میں ہو اور دکھائی نہ دیتا ہو تو اس طرف کو منہ کر کے پیشاب کرے یا نہیں۔

الجواب۔ فی رد المحتار والذی یظہران المراد استقبال عینہما مطلقا لا جہتہما ولا ضوء ہما وانہ لو کان ساترا یمنع عن العین ولو سحابا فلا کراہۃ وان الکراہۃ اذالم یکن فی کبد السماء ج ۱ ص ۳۵۴ باب الاستنجاء اس سے معلوم ہوا کہ صورت مسئلہ میں ادھر منہ کر کے پیشاب کرنا درست ہے۔

۲۴ جمادی الاخریٰ ۱۲۲ھ (امداد ص ۵ ج ۱)

حکم یاد آمدن استنجاء در نماز

سوال (۱۳۳) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ امام کو اندر نماز بعد تحریم یاد آیا کہ استنجاء ڈھیلے سے کیا پانی نہیں لیا تو اب کیا کرے۔

الجواب۔ اگر نجاست مخرج سے متجاوز نہیں ہوئی تو استنجاء پانی سے سنت ہے اور اگر متجاوز ہو گئی تو اگر قدر درہم سے زائد نہیں ہوئی تو دھونا واجب ہے اور اگر زائد ہو گئی تو دھونا فرض ہے۔ اور اگر نماز میں یاد آیا تو صورت اخیرہ میں نماز باطل ہو جائے گی۔ اور دوسری صورت میں مکروہ تحریمی ہوگی۔ اور پہلی (۱) میں مکروہ تنزیہی۔

والغسل سنة و یجب ان جاوز المخرج نجس در مختار و فی موضع اخر منہ وعفی عن قدر درہم وان کرہ تحریم فیجب غسلہ وما دونہ تنزیہا فلیسن وفوقہ مبطل فی فرض الہ واللہ اعلم (امداد ص ۱۴ ج ۱)

عدم جواز استنجاء بکاغذ جاذب

سوال (۱۳۴) جاذب کاغذ سے روشنائی خشک کی جاتی ہے یہی کام اب تک خشک مٹی

(۱) پس صورت اخیرہ میں نماز توڑ دے اور دوسری میں پوری کر کے اعادہ کر لے اور پہلی میں اعادہ بھی ضروری نہیں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تحریر سے معلوم ہوا کہ جاذب کاغذ سے استنجاء کا عدم جواز اس صورت میں ہے جب کہ وہ آلات علم و کتابت میں سے ہو یا معتد بہ قیمت رکھتا ہو اس سے معلوم ہوا کہ کاغذ جو آج کل خاص استنجاء ہی کے لئے بنایا جاتا ہے اور ایک مرتبہ کے استعمال میں جتنا خرچ ہوتا ہے اس کی کوئی معتد بہ قیمت نہیں ہوئی اس میں استنجاء میں مضائقہ نہیں البتہ مٹی سے استنجاء بوجہ سنت ہونے کے افضل ہے۔ بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ۔ ۱۶ صفر ۱۳۸۲

سے بھی لیا جاتا ہے۔ خشک مٹی سے استنجاء جائز ہے۔ کیا جاذب کاغذ سے بھی استنجاء جائز ہے۔ سفر میں بھی آرام دے سکتا ہے کاغذ اس کو برائے نام کہتے ہیں وہ لکھنے کے کام میں نہیں لایا جاتا ہے۔

الجواب۔ فی الدر المختار ذکرہ تحریماً الی قوله و شیئ محترم فی رد المحتار واما الشیئ المحترم فلما ثبت فی الصحیحین من النہی عن اضاعة المال قوله و شیئ محترم ای مالہ احترام و اعتبار شرعاً فیدخل فیہ کل متقوم الا الماء کما قدمناہ والظاهر انہ یرصدق بما یساوی فلسا لکراہۃ اتلافہ کما مرثم قال و یدخل ایضاً الورق قال فی السراج قیل انہ ورق الکتابۃ و قیل ورق الشجر و ایہما کان فانہ مکروہ اھ و اقرہ فی البحر و غیرہ و انظر ما العلة فی ورق الشجر ولعلہا کونہ علفا للدواب الخ ثم قال و اذا كانت العلة فی الابيض کونہ الہ للکتابۃ کما ذکرناہ یؤخذ منها عدم الکراہیۃ فیما لا یصلح لہا اذا کان قالعا للنجاسة غیر متقوم کما قد مناہ من جوازہ بالخرق البوالی و هل اذا کان متقوما ثم قطع منہ قطعة لاقیمۃ لہا بعد القطع یکرہ الاستنجاء بہا ام لا الظاہر الثانی انہ لم یستنج بمتقوم نعم قطعہ لذلك الظاہر کراہیۃ لو بلاعذر بان وجد غیرہ لان نفس القطع اتلاف جلد ۱ ص ۳۵۱ و ۳۵۲۔

ان روایات سے معلوم و مفہوم ہوا کہ بعض کاغذات سے بوجہ آلہ علم و کتابت ہونے کے اور بعض سے بوجہ ان کے قیمتی چیز ہونے کے کہ ادنیٰ اس کا ایک پیسہ ہے استنجاء کرنا جہاں کلوخ وغیرہ میسر ہوں مکروہ تحریمی ہے بوجہ اضاعت مال کے اور اگرچہ وہ ٹکڑا اتنی قیمت کا نہ ہو مگر اتنی قیمت والی چیز میں سے کسی حصہ کا قطع کرنا اس کا اتلاف ہے اس لئے اس کا بھی یہی حکم ہے بہر حال صورت مسئلہ نادرست ہے اور مٹی پر قیاس اس لئے جائز نہیں کہ نہ وہ آلات علم سے ہے اور نہ وہ متقوم ہے۔

۶ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۳ھ (حوادث ثالث ص ۱۳۶)

جواز جواب سلام در حالت استنجاء

سوال (۱۳۵) استنجاء خشک کرنے میں سلام کرنا یا سلام کا جواب دینا جائز ہے یا نہیں۔

الجواب۔ جائز ہے مگر استنجاء ایسے موقع پر خشک کرنا کہ گزرنے والوں کا مواجہہ ہو خلاف

انسانیت ہے۔ ۱۹ ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ (حوادث خامس ص ۳۷)

تحقیق سلام بوقت استنجاء

سوال (۱۳۶) استبراء کرتے وقت سلام کا جواب دینا یا خود کرنا چاہئے یا نہیں۔ حدیث شریف میں تو اذایبول کا لفظ آیا ہے پھر لوگ استنجاء کرتے وقت سلام کا جواب کیوں نہیں دیتے ہیں آیا یہ ان کی غلط فہمی ہے یا کچھ اصل بھی ہے۔ علاوہ بریں حدیث شریف میں یہ بھی آیا ہے کہ حائضہ بھی سلام کرتیں اور سلام کا جواب دیتی تھیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تقاطر مانع تحیہ نہیں۔

الجواب۔ فی الدر المختار اول باب مفسدات الصلوۃ سلامک مکروہ علی من ستسمع الی قوله فهذا اختتام والزيادة تنفع۔

ان ابیات میں مواضع کراہت سلام کو شمار کیا گیا ہے۔ مگر اس میں یہ حالت معدود نہیں اور تامل سے اور بھی کوئی دلیل منع کی نہیں معلوم ہوتی۔ پس ظاہر ا یہ بلا سند محض رسم پڑ گئی ہے۔ واللہ اعلم۔

سوال متعلق جواب بالا

بخدمت جناب مولانا صاحب دام شرفہ بعد از سلام نیاز واضح آنکہ علماء ایں تحریر شمار اطعن زنی می کنند می گویند گناہ است چنین کار کردن کہ براستبر اسلام داون لہذا در خدمت عالی ہمت نوشتہ می آید باید کہ بدیدن نیاز نامہ ہذا جواب ایں تحریر از کتب معتبرہ فقہ و حدیث تحریر نمودہ عنایت فرمایند کہ بے عین احسان متصور خواہد شد۔

الجواب۔ عن السؤال الاخیرہ در جواب من دلیل از حدیث وفقہ موجود است اکنون از چیز استفسار است و کدام چیز را انتظار است۔ ۹/ج ۲ ۴۳ھ (ترجیح خامس ص ۵۴)

استنجاء بعد البول بکلوخ

سوال (۱۳۷) مذہب اہل تسنن میں چھوٹے اور بڑے استنجے کی صفائی اول ڈھیلوں سے کیوں ہوتی ہے۔ آیا یہ طریقہ معمولی ہے یا کسی حدیث کے موافق ہے مہربانی فرما کر اس کے متعلق جو آپ کی رائے ہو اس سے مطلع فرمائیے۔

الجواب۔ فی نیر الاوطار باب وجوب الاستنجاء بالحجر او الماء عن عائشة ان رسول اللہ ﷺ قال اذا ذهب احدکم الی الغائط فليستطب بثلاثة احجار فانها تجزئ عنه رواه احمد والنسائی وابوداؤد والدر قطی وقال اسناد

صحیح حسن قال المصنف وهو دلیل لمن قال بكفاية الاحجار وعدم وجوب الاستنجاء بالماء ص ۸۸ ج ۱۔

اس حدیث سے جب بعض احوال میں صرف کلوخ لینے پر اکتفا کرنے کا جواز ثابت ہوا اور ظاہر ہے کہ اس صورت میں جب پانی نہ لیا اور موضع پیشاب کا بھی نجس ہوا ہی تھا جس کا پاک کرنا دلائل شرعیہ سے واجب ہے کقولہ علیہ السلام استنزهوا من البول تو بجز کلوخ اس کے پاک کرنے کی کیا صورت ہے اس سے چھوٹا استنجاء کلوخ سے صاف ثابت ہوا اور بڑا استنجاء تو اصل غرض ہی ہے کلوخ لینے سے پس دونوں مدعا ثابت ہو گئے اور اس کے بعد پانی لینے کی اولویت دوسری احادیث میں منصوص ہے۔ ۲۷ رمضان ۱۳۳۲ھ (تمہ ثانیہ ص ۱۷۱)

سوال (۱۳۸) بعد بول ڈھیلا لینے کے متعلق حدیث سے حضرت والا نے استنباط فرمایا ہے وہ کون سی حدیث ہے۔ دریافت کرنے کو جی چاہتا ہے اگرچہ بعد قضائے حاجت حضور ﷺ کا باہر تشریف لا کر استنجاء کرنا اس سے تو ڈھیلا لینے کا استنباط ہو سکتا ہے مگر اس سے اصرح مطلوب ہے ازالۃ الخفاء میں شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا ہے۔

ابوبکر عن یسار بن نمیر کان عمر اذا بال مسح ذکرہ بحائط او بحجرو لم یمسہ ماء قلت اجمع علی ذلك علماء اهل السنة وليس فيه حديث مرفوع وانما هو مذهب عمر قیاسا علی الاستنجاء من الغائط اطبق علی تقلیده العلماء۔

الجواب۔ مجھ کو یاد نہیں استنباط کے متعلق میں نے کسی جگہ لکھا ہے شاید اس مقام کی عبارت سے زیادہ یاد آ جاتا۔ بعض اوقات استنزهوا من البول سے تقریر کیا کرتا ہوں کہ استنزاہ کی یہ بھی ایک صورت ہے صحیح الحدیث ابن خزیمہ وغیرہ کذا فی فتح الباری اس عموم کے اعتبار سے اس کو مرفوع کہہ سکتے ہیں اور مرفوعیۃ میں اس سے اصرح مجمع الزوائد میں یہ حدیث ہے۔

عن عمر بن الخطاب انه بال فمسح ذکرہ بالتراب ثم التفت الينا فقال هكذا علمنا رواه الطبرانی فی الاوسط وفيه روح بن الجناح وهو ضعيف اه علمنا۔

رفع میں صریح ہے رہا روح الجناح کا ضعف سو بعض نے اس کی توثیق بھی کی ہے کما فی التہذیب والمیزان تو حدیث حسن ہوئی تو ممکن ہے کہ حضرت شاہ صاحب کی نظر سے یہ زیادت نہ گزری ہو یا ضعف کے سبب اس کا اعتبار نہ کیا ہو مگر اس ضعف کا درجہ معلوم ہو گیا اس لئے صالح للاحتجاج ہے۔ خصوص بلا تعارض دوسری مؤیدات کے ہوتے ہوئے واللہ اعلم والروایات

کلہا من احياء السنن واستدراکہ۔ ۱۶ جمادی الاخریٰ ۱۳۵۳ھ (النور ص ۱۰ جمادی الاخریٰ ۱۳۵۴ھ)

پیشاب کرنے کے وقت کوئی مستقل دعا نہیں
بلکہ بول و برازدونوں کے لئے ایک ہی دعا ہے

سوال (۱۳۹) پاخانہ جانے کی جس طرح دعا ہے پیشاب کے وقت کی بھی کوئی دعا ہے یا نہیں۔

الجواب۔ مستقل نہیں وہی دعا مشترک ہے لا طلاق اللفظ و اشتراکهما فی اکثر الاحکام الفقہیۃ کما فی الدر المختار احکام الاستنجاء۔

۱۳ ربیع الاول ۱۳۲۹ھ (تمہ اولی ص ۲۰۵)

مسائل متثورہ متعلقہ بکتاب الطہارت

تحقیق مس بلا وضوء پلیٹ حاکی قرآن را

سوال (۱۴۰) فونوگراف جو ایک آلہ نقل الصوت ہے اس میں تقاریر نعمات موسیقی اور قراء سے رکوعات قرآن مجید کی آوازیں ایک خاص ایجاد سے بند کی جاتی ہیں اور پھر وہی اصوات تنہائی میں مجالس میں تماشا گاہوں میں آلہ مذکور کو رکھ کر سنتے ہیں اس طرح قرآن مجید کی آواز کا اس میں بند کرنا اور پھر فونوگراف سے سننا درست ہے یا نہیں۔ اور فونوگراف باجا ہے یا کیا ہے اور کلام مقدس کی اس قسم کی آواز قرآن ہوگی یا کیا کہیں گے۔ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ فقہ اکبر میں فرماتے ہیں والقرآن فی المصاحف مکتوب و فی القلوب محفوظ و علی الالسن مقرو یہ تعریف آواز مذکور پر نفی میں صادق آئے گی یا اثبات میں بھی یہ امر بھی قابل گزارش ہے کہ جس آلہ سے اس کے پلیٹ پر صوت بھری جاتی ہے اس سے اس کی پلیٹ پر کچھ خطوط دوائر کے طور پر بن جاتے ہیں اور جب اس کا مشین چلایا جاتا ہے تو اس کا ایک پرزہ جس کے آخر میں ہیرے کی کئی لگی ہوتی ہے وہ کئی اس دوائر پر گشت کرتی ہے اور اس سے صوت پیدا ہوتی ہے وہ خطوط آپس میں کچھ ممتاز نہیں معلوم ہوتے بلکہ ہر پلیٹ پر خطوط یکساں سے معلوم ہوتے ہیں ممکن ہے کہ فی الواقع کچھ تمایز ہو لیکن محسوس نہیں ہوتا چلانے والے کو یاد رکھنا پڑتا ہے کہ اس ہیت پر فلاں چیز منقش ہے اور اس پر دوسری چیز پس ان نقوش کا کیا حکم ہے اور یہ تو ظاہر ہے کہ چونکہ یہ آلہ لہو ہے نہ تذکر اس لئے بھرنا اور سننا خلاف ادب قرآنی ہے لیکن اگر کوئی بھردے تو اس پلیٹ کا بغیر وضو کے چھونا جائز ہے یا نہیں اور تعریف قرآن کی اس پر صادق ہے یا

نہیں اور یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ آلہ خود باجا نہیں ہے بلکہ محض نقل صوت کرتا ہے اگر باجا بھرا جائے تو باجے کی آواز نکلتی ہے ورنہ جو بھرا جائے اس لئے مطلقاً باجہ نہیں کہا جاسکتا۔ بہر حال امید ہے کہ اس کی نسبت حضرت اقدس اپنی رائے تحریر فرمائیں گے۔

الجواب۔ ان نقوش میں جب تک پڑھے جانے کی صلاحیت ثابت نہ ہو حروف مکتوبہ کے حکم میں نہیں اسلئے ان کا مس کرنا محدث و جنب کو جائز ہے جیسا دماغ میں ارتسام الفاظ قرآنیہ کا ہوتا ہے اور اس دماغ کا مس کرنا جائز ہے البتہ اگر وہ پڑھے جانے لگیں تو اس وقت دلالت وضعیہ غیر لفظیہ کی وجہ سے ان کا حکم حروف مکتوبہ کا دیا جائے گا یہ حکم تو نقوش کا ہے اور جو آواز اس سے نکلتی ہے وہ تلاوت نہیں ہے بلکہ نقل اور عکس تلاوت کا ہے مشابہ صوت طیر اور صدا کے پس اس کا حکم بھی تلاوت کا سنا نہ ہوگا اور آپ کی یہ رائے صحیح ہے کہ اس کا حکم باجہ کا سنا نہیں ہے بلکہ تابع ہوگا محکی عنہ کے جواز و عدم میں لیکن چونکہ مقصود اس سے تلہی ہے اس عارض کی وجہ سے قرآن بھرنا اس میں جائز نہ ہوگا اس طرح سنا بھی واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

۲۷ شوال ۱۳۲۵ھ (امداد ص ۱۸۳ ج ۲ حوادث ص ۸۱ ج ۲ ادا)

تفسیر و ترجمہ کا بے وضومس کرنا

سوال (۱۴۱) اردو کلام مجید کا مس بے وضو جائز ہے یا نہیں۔

الجواب۔ مکروہ ہے۔ کذا فی رد المحتار تحت قول الدر المختار والتفسیر کمصحف قبیل باب المیاء (تتمۃ اولی ص ۱۰)
سوال (۱۴۲) کتب تفسیر میں جس موقع پر آیت مکتوب ہے اس موقع کو بغیر وضومس کرنا مکروہ ہے یا محرم۔

الجواب۔ فی غنیۃ المستملی و بکرہ ایضاً للمحدث و نحوه مس تفسیر القرآن و کتب الفقہ و کذا آکتب السنن الی قوله والاصح انه لا یکرہ عند ابی حنیفۃ ص ۵۷ اس سے معلوم ہوا کہ جب غیر قرآن کی عبارت غالب ہو اس کا مس مطلقاً کما هو الظاہر امام صاحب کے نزدیک درست ہے و فی الاخذ بہ سہولۃ۔

۱۷ صفر ۱۳۳۳ھ (تتمۃ ثالثہ ص ۱۹)

حکم مس قربات عند اللہ بلا وضوء و ہر کتابے کہ آیات قرآنیہ درو باشد

سوال (۱۴۳) قربات عند اللہ و صلوات الرسول جو آپ کا مؤلفہ ہے چونکہ اوّل منزل اس کی اکثر آیات قرآن شریف ہے اس لئے عرض ہے کہ اس کو بے وضوء مس کرنا جنبی اور حائضہ کو مس کرنا اور پڑھنا جائز ہے یا نہ۔

الجواب۔ خاص اس حصہ کو بے وضوء مس کرنا جائز نہیں۔ اور جب و حائضہ کے پڑھنے میں یہ تفصیل ہے کہ بہ نیت قرآن کے پڑھنا جائز نہیں بہ نیت دعا کے پڑھنا جائز ہے۔

۶/ ذی قعدہ ۱۴۱۵ھ (تمتہ خامسہ ص ۲۴۵)

سوال (۱۴۴) آپ کے مواعظ میں اکثر قرآن مجید کی آیات ہیں اور میں اکثر وقت فرصت کے مواعظ دیکھا کرتا ہوں مگر قرآن مجید بغیر وضوء چھونا جائز نہیں ہے مواعظ کی بابت کیا حکم ہے۔ بلا وضوء پڑھنا چھونا اس کتاب کو جائز ہے یا نہیں۔

الجواب۔ فی الدر المختار و قد جوز اصحابنا مس کتب التفسیر للمحدث ولم یفصلوا بین کون اکثر تفسیراً و قرآناً ولو قیل بہ اعتباراً للغالب لکان حسناً الخ فی رد المحتار عن السراج عن الايضاح ان کتب التفسیر لا يجوز من موضع القرآن منها وله ان یمس غیرہ و کذا کتب الفقہ اذا کان فیہا شیء من القرآن بخلاف المصحف فان الكل فيه تبع للقران اهـ الی قوله قال و مافی السراج اوفق بالقواعد ج ص ۱۸۲۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ چونکہ مواعظ نہ تفسیر کی کتابیں ہیں نہ ان میں قرآن کی آیات دوسری عبارات پر غالب ہیں لہذا ان کا مس بلا وضوء جائز ہے اسی طرح پڑھنا بدرجہ اولیٰ البتہ جس مقام پر آیت لکھی ہوئی ہے خاص اس مقام کو بلا وضوء مس نہ کرے۔ ۸/ رجب ۱۳۴۲ھ (تمتہ خامسہ ص ۲۷۱)

جواب شبہ بر استدلال بر حرمت مسح مصحف بدون طہارت

سوال (۱۴۵) استدلو علی عدم جواز مس القرآن المجید للمحدث لقوله تعالی لا یمسہ الا المطہرون والحال انه محتمل التفسیر کما ذکر وافی التفسیر فاذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال واما حدیث لا یمس القرآن الا طاهر فهو ضعیف لا یحتج بہ و كذلك حدیث لا یمس المصحف الا علی

طہارۃ کما جزم بذلك فیہما النووی وابن کثیر علی ان بعضهم قال ان المراد بالطاهر المؤمن او الطاهر من النجاسة الحقيقية والمروی عن ابن عباس والشعبي والضحاك وداؤد جواز مس المصحف للمحدث والجمهور اتفقوا علی عدم جواز مس المصحف للجنب ولكن لم يعرف للجمهور دلیل۔

الجواب۔ الیس اتفاق الجمهور علامة لكون الحديث له اصل قوى وان طرء علیه الضعف لعارض السند وان اشتقتم الى التفصیل فعلیکم بالرجوع الى احياء السنن۔ ۱۳ ربيع الثانی ۳۷ھ (تمتہ خامسہ ص ۸۳)

حکم نوشتن آیات قرآنیہ بلا وضو بطوریکہ مس کا غذنہ شود

سوال (۱۴۶) بلا وضو جو کلام مجید کی کوئی آیت بھی نہ لکھے تو ایک مولوی صاحب نے یہ بتایا کہ اگر بلا وضو کوئی آیت قرآنی لکھنے کی ضرورت ہو تو اس کا غذ کو ہاتھ نہ لگے جس پر آیت قرآنی لکھے تو یہ صحیح ہے یا غلط۔

الجواب۔ اختلاف ہے۔ اس کی بھی گنجائش ہے۔

و فی الدر المختار ولا تکره كتابة قران والصحيفة واللوح علی الارض عند الثانی خلا فالحمد وينبغي ان يقال ان وضع علی الصحيفة وما يحول بينها وبين یده یؤخذ بقول الثانی والافقول الثالث قاله الحلبي ج ۱ ص ۱۸۰۔

۲۸ رجب ۱۳۴۲ھ (تمتہ خامسہ ص ۲۷۷)



کتاب الصلوة

باب المواقیت

حکم نماز وغیرہ میان عصر و مغرب

سوال (۱۴۷) اس مسئلہ میں علماء دین کیا ارشاد فرماتے ہیں کہ درمیان عصر و مغرب سجدہ تلاوت و نماز جنازہ و قضاء فرض یا اور کوئی نماز کسی طرح کی ادا کرنا جائز ہے یا نہیں۔

الجواب۔ درمیان عصر و مغرب قبل تغیر شمس سجدہ تلاوت و نماز جنازہ و قضاء فرض و وتر جائز ہے اور نوافل و سنن ممنوع ہیں اور وقت تغیر شمس کے یہ سب چیزیں (۱) ممنوع ہیں۔

تسعة اوقات یکرہ فیہا النوافل وما فی معناہا الا الفرائض ہکذا فی النہایۃ و الکفاۃ فیجوز فیہا قضاء الفائتۃ و صلوة الجنازۃ و سجدۃ التلاوة کذا فی فتاویٰ قاضی خان (قال بعد اسطر) منہا مابعد صلوة العصر قبل التغير ہکذا فی النہایۃ و الکفاۃ ۱۲ عالمگیری جلد اول ص ۵۱ ثلث ساعات لا یجوز فیہا المکتوبۃ ولا صلوة الجنازۃ ولا سجدۃ التلاوة اذا طلعت الشمس حتی ترتفع و عند الانتصاب الی ان تزول و عند احمرارها الی ان تغیب عالمگیری جلد اول واللہ اعلم (امداد ص ۱۷ ج ۱)

بیان وقت عشاء

سوال (۱۴۸) کس قدر حصہ رات کا گزرنے سے وقت نماز عشاء شروع ہوتا ہے۔

الجواب۔ غروب (۲) سے ڈیڑھ گھنٹہ کے بعد عشاء کا وقت آجاتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۷/ ذی قعدہ ۱۳۲۲ھ (امداد ص ۶۳ ج ۱)

(۱) لیکن اسی روز کی عصر کی نماز پڑھ لینا چاہیے ۱۲ منہ

(۲) اس فتوے میں غیبیہ بت شفق انبیس کا اعتبار کیا گیا ہے اور بہشتی زیور میں غروب شفق احمر کا پس وجہ تطبیق یہ ہے کہ بہشتی زیور میں حکم تحقیقی کا بیان ہے اور یہاں حکم احتیاطی کا لیکن اس میں شبہ یہ ہے کہ اس سے عشاء میں تو احتیاط ہوگئی لیکن مغرب میں احتیاط نہ رہی اس لئے عبارت میں یوں تغیر دینی چاہیے۔ عشاء کا اتفاق وقت ڈیڑھ گھنٹہ کے بعد ہوتا ہے اس لئے عشاء کی نماز و اذان ڈیڑھ گھنٹہ کے بعد مناسب ہے۔ یہ مضمون تصحیح الاغلاط ص ۹ سے لکھا گیا۔

وقت عصر

سوال (۱۴۹) کس قدر حصہ دن کا گزرنے سے وقت نماز عصر شروع ہوتا ہے۔

الجواب۔ عصر کے متعلق کسی خاص حصہ دن کی نہ مجھ کو تحقیق ہے نہ تجربہ ہے اتنی پہچان معلوم ہے کہ ٹھیک دوپہر کے وقت ایک لکڑی ہموار زمین میں کھڑی کر کے اس کا سایہ ناپ لیں وہ مقدار سایہ کی اور اس لکڑی سے دو حصہ اور سایہ جب ہو جاوے عصر کا وقت آ گیا۔ ہر موسم میں یہ قاعدہ کلیہ ہے۔ واللہ اعلم۔ ۱۳ رذی الحجہ ۱۳۲۲ھ (امداد ص ۶۴ ج ۱)

سوال (۱۵۰) مثلیں کے بعد جو نماز عصر بمذہب امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ ادا کرتے ہیں از روئے روایات اور فقہ کے یہ قوی قول ہے یا ایک مثل کی روایت اور جو امام ایک مثل پر نماز عصر ادا کرتا ہے اور اس کے پیچھے بعض مقتدی اس کے ہم خیال ہیں کہ وہ ایک مثل پر نماز عصر کو جائز سمجھتے ہیں اور بعض مقتدی کا عقیدہ اور تحقیق مثلیں کی ہے اور وہ اس کے پیچھے بوجہ نادانستگی وقت یا بوجہ فساد نہ ہونے کے پڑھتے ہیں ان..... کی نماز عصر ادا ہوگی یا اعادہ فرض ہوگا اور یہ نفل ہوں گی اور ایسا امام ایسے دو قسم کے لوگوں کی مسجد میں امامت کرنے سے گنہگار تو نہیں ہوگا یا مقتدی اس کو امامت سے علیحدہ کر کے دوسرا امام کہ جو مثلیں کے بعد نماز عصر پڑھایا کرے مقرر کریں تاکہ یقیناً سب کی نماز ہو جاوے یہ کرنا ان کے یا متولی مسجد کے ذمہ ضروری ہوگا اور ایسا انتظام نہ کرنے سے گنہگار ہوگا یا نہیں بدلائل و بحوالہ کتب معتبرہ حدیث و فقہ ارقام فرمائیں۔

الجواب۔ متون کی روایت مثلیں کی ہے اور اصل مذہب متون ہی میں ہوتا ہے۔ کما هو مقرر و مصرح اور گو بعض نے مثل در مختار وغیرہ کے ایک مثل کو ترجیح دی ہے مگر محققین نے اس ترجیح کو نہیں مانا چنانچہ علامہ شامی نے ردالمحتار میں اس پر کلام مبسوط کیا ہے ج ۱ ص ۱۷۳ میں اور نیز براء ذمہ یقینی بھی اسی میں ہے پس یہی احوط بھی ہوا اور عصر ایک مثل پر پڑھنے سے اس کی صحت اختلافی ہوگی اس لئے فساد یا وجوب اعادہ کا یقینی حکم تو نہیں کر سکتے اسی طرح اس امام پر حکم عاصی ہونے کا یقیناً نہیں لگا سکتے اسی طرح اسکے وجوب عزل کا بذمہ متولی یا جماعت کے یقینی حکم نہیں کر سکتے کہ اختلافیات میں پھر خصوص جبکہ ایک ہی مذہب کے اقوال مختلف ہوں اور دونوں جانب میں اکابر ہوں۔ ایسے احکام کا قطع مشکل ہے البتہ ایسی عصر کے اعادہ کا اولیٰ ہونا۔ اسی طرح ایسے امام کے لئے تاخیر کا امر کرنا اور در صورت عدم امتثال دوسرے امام کا معین کر دینا یہ سب احکام درجہ احوط و افضل میں ضرور ہیں۔ چنانچہ ردالمحتار کی یہ روایت اس کی مؤید صریح ہے۔

وانظر هل اذالزم من تاخيره العصر الى المثليين قوة الجماعة يكون الاولى
التاخير ام لا والظاهر الاول بل يلزم لمن اعتقد رجحان قول الامام تامل ثم
رأيت في اخر شرح المنية ناقلاً عن بعض الفتاوى انه لو كان امام محلته يصلي
العشاء قبل غياب الشفق الابيض فالافضل ان يصليها وحده بعد البياض
ج ۱ ص ۳۷۲ - والله اعلم ۳ محرم ۱۲۸۵ هـ (تمتہ اولی ص ۲۵)

توضیح وقت کراہت عصر

سوال (۱۵۱) احقر جب دورہ حدیث میں تھا اس وقت موسم جاڑہ میں ترمذی شریف
بعد عصر ہوتی تھی اس وقت حضرت استاذنا مولانا صاحب مدظلہ العالی کو کئی روز یہ فرماتے ہوئے
سنا کہ عصر کی نماز میں تاخیر ہو جاتی ہے بسا اوقات خیال ہوتا ہے کہ حد اصفرا کو پہنچ گیا۔ اس وجہ
سے میں اکثر..... کی مسجد میں عصر پڑھتا ہوں وہاں..... کی مسجد سے قبل نماز ہوتی ہے حضرت والا
جس وقت..... کی مسجد میں نماز ہوتی تھی بعد فراغ صلوٰۃ کم و بیش ایک گھنٹہ یا کچھ زیادہ دن رہتا
تھا۔ اس سے شبہ ہوتا تھا کہ اب اصفرا کیسے ہوگا۔ مگر یہ سمجھ کر کہ..... صاحب کو پہچان زیادہ ہے
عصر کی نماز غروب سے ڈیڑھ گھنٹہ پہلے پڑھ لیتا تھا اگر تاخیر ہو جاتی تو ایک بے چینی ہوتی تھی (اور
چونکہ یہاں پر جب نمازی آ جاتے ہیں جماعت ہو جاتی ہے۔ کوئی وقت گھڑی کے حساب سے
مقرر نہیں ہے) اور اگر مصلی سب نہ آئے ہوں یا دو چار آدمی وضو سے رہ گئے ہوں ان کا انتظار
نہ کئے نماز شروع کر دیتا تھا اس خیال سے کہ کبھی وقت اصفرا نہ آ جائے اور نماز مکروہ تحریمی نہ ہو
جائے۔ اب ایک صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت مولانا قدس سرہ سے سنا کہ وقت اصفرا قبیل غروب
ہوتا ہے جب ٹیکہ آفتاب پر اچھی طرح نظر کر سکے۔ اب اس سے تردد ہو گیا اب حضرت والا ارشاد
فرماویں کہ جب دن چھوٹا ہوتا ہے جیسے آج کل کے دن ہیں اس وقت غروب سے کتنا پہلے وقت
اصفرا شروع ہوتا ہے گھڑی کے حساب سے تخمینہ کر کے بتلاویں تاکہ اس پر عمل کرے۔

الجواب۔ فی الدر المختار مالم يتغير ذكاء بان لا تحار العين فيها على الاصح
فی رد المحتار صححه فی الهداية وغيرها و فی الظهيرية ان امكنه اطالة النظر فقد
تغيرت وعليه الفتوى و فی النصاب غيره وبه ناخذ وهو قول ائمتنا الثلاثة و مشائخ
بلخ وغيرهم كذا فی الفتاوى الصوفية اه و فی المسئلة اقوال اخر ايضا۔

اس عبارت میں تغیر کی جو حد ہے کہ آفتاب کی طرف دیکھنے سے یاد یر تک دیکھنے سے چشم

خیرہ نہ ہو وہ ایک امر محسوس ہے اس میں گھنٹہ گھڑی پوچھنے کی کیا ضرورت ہے۔ اس تغیر کے قبل عصر سے فارغ ہو جانا چاہیے۔ ۹- ج ۲ ص ۲۳۳ (تمہ خامہ ص ۳۶۵)

طریق معرفت وقت ظہر و عصر و مغرب

سوال (۱۵۲) یہاں ظہر عصر کے درمیان اور مغرب اور عشاء کے درمیان وقت تمیز کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ یہ اس وقت ہے جبکہ سورج کی بلندی اور مغرب کے بعد روشنی کا خیال کیا جائے۔ ورنہ گھڑی کے اتباع سے تو کوئی مشکل نہیں۔ مثلاً دوپہر کے وقت سورج کی اونچائی افق سے ایک نیزہ برابر ہوتی ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دن غروب ہونے میں ایک گھنٹہ بھر رہ گیا ہے۔ آج کل پونے چار بجے سورج غروب ہوتا ہے۔ ایک دو بجے کے وقت جس کو ظہر کا وقت سمجھنا چاہیے سورج اتنا نیچا معلوم ہوتا ہے جیسے عصر کا آخر وقت ہو تو ایسی حالت میں اگر ظہر اور عصر میں فاصلہ کرنا ضروری ہے تو ظہر کس وقت پڑھی جائے اور عصر کتنی دیر اس کے بعد۔

الجواب۔ اس کے لئے ایک دن یا دو دن تھوڑا وقت صرف کرنا پڑے گا گھڑی بھی اسی کے بعد رہبری کے لئے کافی ہو سکتی ہے وہ کام یہ ہے کہ کسی دن جب فرصت ہو اور دھوپ ہو دوپہر سے پہلے بالشت دو بالشت کی برابر زمین کی سطح ہموار کر کے اس پر ایک خط مستقیم جنوباً شمالاً کھینچ دیا جائے۔ قطب نما جو کہ شمالی سمت کو بتلاتا ہے یہ اس کے لئے کافی ہو جاوے گا۔ اس کے بعد اس خط کے جنوبی نقطہ پر ایک باریک اور سیدھی لکڑی یا سینک یا لوہے کا تار سیدھا کھڑا کر دیا جاوے چونکہ دوپہر سے پہلے کا وقت ہوگا۔ سایہ اس لکڑی کا عین خط پر نہ ہوگا بلکہ اس خط سے مغرب کی طرف قدرے مائل ہوگا۔ پھر وقتاً فوقتاً خط کی طرف آنا شروع ہوگا۔ حتیٰ کہ بالکل اس خط پر منطبق ہو جاوے گا۔ اس وقت اس سایہ کے منتہا پر ایک نشان بنا کر اس سایہ کو کسی اور لکڑی وغیرہ سے ناپ لیا جاوے اور اس پیمانہ کو محفوظ رکھا جاوے یہ وقت عین دوپہر کا ہے۔ اس کے بعد وہ سایہ مشرق کی طرف مائل ہونے لگے گا یہ ظہر کا اول وقت ہے۔ پھر تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد اس لکڑی کا جس کا سایہ ناپا تھا اس سطح پر سیدھا کھڑا کر کے دیکھتے رہیں اور جتنا سایہ عین دوپہر کے وقت تھا جس کا پیمانہ آپ کے پاس محفوظ ہے اس پیمانہ کی برابر سایہ چھوڑ کر بقیہ سایہ کو دیکھئے خود اس سایہ دار لکڑی کی برابر ہو گیا یا نہیں۔ اگر نہ ہوا ہو پھر تھوڑی دیر میں دیکھئے جب برابر ہو جاوے یہ عصر کا اول وقت ہے امام شافعی اور صاحبین کے نزدیک۔ اور جب اس پیمانہ کے برابر سایہ چھوڑ کر اس سایہ دار لکڑی سے دو گنا سایہ ہو جاوے وہ اول وقت عصر کا ہے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے

نزدیک۔ اور آپ کو گنجائش ہے۔ خواہ امام شافعی کے وقت میں عصر پڑھ لیں۔ خواہ امام ابوحنیفہ کے وقت میں جس وقت فرصت اور موقع ملے۔ اور ان اوقات مذکورہ میں اپنی گھڑی میں وقت دیکھتے رہیے۔ پھر اسی کے مطابق گھڑی دیکھ کر نمازیں ادا کرتے رہیے۔ پھر ایک مہینے کے بعد اسی طرح سایہ دیکھ لیا جاوے کچھ تفاوت ہو جاوے گا۔ اس کو بقید ماہ شمسی ضبط کرتے رہیے۔ آپ کے پاس ایک مفید اور کارآمد جنتری ہو جاوے گی۔ یہ عصر کے وقت کی شناخت اور ضبط کا طریقہ ہے۔ (تمہ خامہ ص ۴۱۹)

طریق معرفت وقت مغرب

سوال (۱۵۳) جب بادل نہ ہوں تو سورج غروب ہونے کے بعد بہت تھوڑی دیر تک ایک صاف روشنی یعنی (اُجالا) رہتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ سورج ابھی غروب ہوا ہے سنا ہے کہ گرمیوں میں تو یہاں سورج غروب ہونے کے بعد گھنٹوں تک ایسا اجالا رہتا ہے جیسے دن ہو تو آیا اس حالت میں مغرب کی نماز کا وقت اس حد تک رہے گا جب تک دھندلے کے آثار ظاہر نہ ہوں سورج غروب ہونے کے بعد کسی حد معین تک وقت شمار کیا جائے گا۔ اور عشاء کا وقت کس لحاظ سے شمار ہوگا سورج کے غروب ہونے کے بعد گھنٹوں کے خیال سے یا اُجالے کے زائل ہونے کے بعد۔

الجواب۔ اول یہ سمجھئے کہ غروب آفتاب اور ابتداء وقت عشاء میں اتنا فصل ہوتا ہے جتنا طلوع صبح صادق اور طلوع آفتاب میں۔ اب میں صبح صادق کا قاعدہ بتلاتا ہوں۔ اس کو بھی دیکھنا پڑے گا۔ قاعدہ اکثر یہ ہے کہ قمری مہینہ کی ۲۶ شب کو طلوع قمر کے ساتھ صبح صادق ہوتی ہے۔ اسی طرح ۱۲ شب کو غروب کے ساتھ صبح صادق ہوتی ہے۔ ان دو شبوں میں سے جس شب میں دل چاہے صبح صادق کا وقت دیکھ کر گھڑی سے طلوع شمس تک کا فاصلہ دیکھ لیجئے اتنا ہی فاصلہ اس روز غروب شمس اور ابتداء وقت عشاء میں ہوگا اس کو بھی ہر مہینہ دیکھ کر ضبط کر لیجئے۔ اور اس قاعدہ سے جو اوقات منضبط ہوں ان میں تھوڑی سی احتیاط کر لیجئے۔ یعنی عصر بھی اور عشاء بھی عین اول وقت سے دس پندرہ منٹ بعد میں پڑھ لیا کیجئے اور روزہ میں اسی قدر پہلے سحری چھوڑ دیجئے۔ اور بارہویں اور چھبیسویں شب سے مراد وہ ہے جس کی صبح کو بارہویں اور چھبیسویں تاریخ ہوتی ہے۔ میں نے بہت آسان کر کے لکھ دیا ہے۔ پھر بھی ذرا غور سے پڑھ لیجئے۔ (تمہ خامہ ص ۴۲۰)

پابندی اوقات مقررہ قوم برائے نماز یا ضبط او بہ گھڑی وغیرہ سوال (۱۵۴)

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ مساجد میں نماز کے واسطے وقت کا مقرر کرنا اور اس وقت مقررہ پر نماز کا پڑھنا یا پڑھنا شرعاً جائز ہے یا نہیں۔

الجواب۔ عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ اذا اشتد الحر فابردوا بالصلوٰۃ رواہ البخاری وعن رافع بن خدیج قال کنا نصلی العصر مع رسول اللہ ﷺ ثم تنحر الجزور فتقسم عشر قسم ثم تطبخ فناکل لحماً نضیجاً قبل مغیب الشمس متفق علیہ و عن رافع بن خدیج قال کنا نصلی المغرب مع رسول اللہ ﷺ فینصرف احدنا وانه لیبصر مواقع نبیہ متفق علیہ وعن النعمان بن بشیر قال انا اعلم بوقت هذا الصلوٰۃ العشاء الاخرۃ کان رسول اللہ ﷺ یصلیہا لسقوط القمر لثالثۃ رواہ ابوداؤد والدارمی وعن رافع بن خدیج قال قال رسول اللہ ﷺ اسفروا بالفجر فانه اعظم للاجر رواہ الترمذی وعن ابی سعید قال صلینا مع رسول اللہ ﷺ الحدیث وفیہ قال ﷺ ولو لا ضعف الضعیف وسقم السقیم لأخرت هذه الصلوٰۃ رواہ ابوداؤد والنسائی وعن ام سلمۃ قالت کان رسول اللہ ﷺ اشد تعجیلاً للظہر منکم وانتم اشد تعجیلاً للعصر منه رواہ احمد والترمذی وعن انس قال کان رسول اللہ ﷺ اذا کان الحر ابرد بالصلوٰۃ واذا کان البرد عجل رواہ النسائی وعن ابن مسعود قال کان قدر صلوٰۃ رسول اللہ ﷺ الظہر فی الصیف ثلثۃ اقدام الی خمسۃ اقدام و فی الشتاء خمسۃ اقدام الی سبعۃ اقدام رواہ ابوداؤد والنسائی۔

ان روایات سے چند امور مستفاد ہوئے۔ اول باوجود وسیع ہونے اوقات صلوٰۃ کے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول اکثر اوقات معینہ پر نماز پڑھنے کا تھا اور اس کے خلاف کسی عارض سے ہوتا تھا۔ دوم مدار تعین فضل وقت اور مقتدیوں کے حال کی رعایت تھا۔ سوم صحابہ میں بھی اسی طرح تعین معمول یہ تھی پس اب جو مساجد میں تعین ہوتی ہے اس کا محصل یہی ہے جو روایات مذکورہ سے مستفاد ہوا۔ رہا گھنٹہ گھڑی یعنی انضباط اوقات سے کام لینا سو وہ خود مقصود نہیں بلکہ مقصود اوقات مخصوصہ ہیں اور وہ محض شناخت اوقات کا ایک آلہ ہے جو سہولت کے لئے معتبر سمجھا جاتا ہے جیسا کہ بعض اوقات تحری قلب کو معیار قرار دیتے ہیں اصل میں گھنٹہ

گھڑی تحری قلب میں معین و معاون ہے۔ پس یہ طریقہ متعارف بلا تکلف و بلا تردد جائز بلکہ مستحسن و موافق سنت ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم و علمہ اتم۔ ۲۹ صفر ۱۳۲۲ھ (امداد ص ۷۰ ج ۱)

حکم التزام اوقات صلوٰۃ بر گھڑی

سوال (۱۵۵) آج کل بعض مساجد میں گھڑی گھنٹے کی ایسی پابندی کی جاتی ہے کہ جہاں وقت مقرر کردہ ہوا اگر نمازی وضوء کر رہے ہوں نماز شروع کر دی جاتی ہے اور ان کا انتظار نہیں کیا جاتا اور اگر دو نمازی بھی آ جاتے ہیں تو وقت مقررہ ہوتے ہی امام کو کھڑا کر دیتے ہیں بغیر اور نمازیوں کے آیا ایسی پابندی التزام مالا یلزم میں داخل ہے یا نہیں اور دوسروں کی حق تلفی ہوتی ہے یا نہیں کیونکہ احادیث سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نمازی اگر کچھ سویرے آ جاتے تھے تو نماز بھی سویرے ہو جاتی تھی اور اگر دیر میں آتے تو دیر سے۔

الجواب۔ یہ انتظام بمصلحت سہولت نمازیوں کے ہے اور غیر ممنوع ہے۔ انتظام ممنوع وہ ہے جو دین بکسر دال یا دین بفتح دال کے طور پر ہو۔ اور حدیث کا محمل وہ موقع ہے جہاں عدم انتظام میں حرج نہ ہو فقط۔ ۲۳ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۲ھ (حوادث رابعہ ص ۷۲)

سوال (۱۵۶) (الف) گھڑی کے اعتبار پر اذان ہونی چاہیے یا علامات سماویہ پر۔ سائل بالا۔
الجواب۔ اصل تو علامات سماویہ ہی ہیں لیکن اگر گھڑی کا مطابق اس کے ساتھ متیقن یا مظنون ہو تو گھڑی پر عمل بھی جائز ہے۔ کطبل السحور۔ ۴ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۹ھ (النور شعبان ۱۳۲۹ھ)

شناخت اوقات نماز گھڑی کے ذریعہ

سوال (۱۵۶) (ب) دیکھا جاتا ہے کہ شناخت اوقات نماز کے لئے آج کل گھڑی کا رکھنا اکثر لوگوں نے لازمی کر لیا ہے۔ گھڑی رکھنا کیسا ہے۔ اور احکامات شرعی میں سے گھڑی کا رکھنا کس حکم میں داخل ہے۔

الجواب۔ فی نفسہ مباح اور معین طاعت بننے کی نیت سے موجب اجر بشرطیکہ اور کوئی امر مانع نہ ہو جیسے کیس کا چاندی یا سونے کا ہونا۔

حد جواز صلوٰۃ بعد الطلوع و قبل الغروب

سوال (۱۵۷) طلوع آفتاب سے کتنے منٹ کے بعد وقت مکروہ نکل جاتا ہے اور نماز

اشراق جائز ہو جاتی ہے۔ غروب سے کتنے منٹ پہلے کراہت شروع ہو جاتی ہے۔ یہاں کے عوام کے لئے تعداد منٹ معلوم ہونے کی ضرورت ہے۔

الجواب۔ فی الدر المختار و کرہ تحریماً الیٰ قوله مع شروق فی رد المحتار وما دامت العین لا تمار فیہا فہی فی حکم الشروق کما تقدم فی الغروب انه الاصح کما فی البحر (ح) اقول ینبغی تصحیح ما نقلوه عن الاصل للامام محمد من انه ما لم ترتفع الشمس قدر رمح فہی فی حکم الطلوع لان اصحاب المتن مشوا علیہ فی صلوة العید الخ ج ۱ ص ۳۸۴ وفیہ قدر رمح هو اثنا عشر شبراً ج ۱ ص ۸۷۰۔

اس سے دو قول ثابت ہوئے اول ایسر ہے ثانی احوط ہے۔ ۲/ رمضان ۱۳۳۳ھ (تمتہ ثالثہ ص ۸۵)

وقت تکبیر اولیٰ

سوال (۱۵۸) تکبیر اولیٰ کا ثواب کب تک حاصل ہوتا ہے۔ یعنی تکبیر اولیٰ میں شریک نہیں ہوا بلکہ فاتحہ یا ختم سورہ قبل رکوع کے شریک ہوا تو ثواب تکبیر اولیٰ کا ملے گا یا نہیں۔

الجواب۔ اس میں کئی قول ہیں۔ ایک تو مقارنت تکبیر امام کے یعنی دونوں ساتھ کہیں۔ دوسرے قبل فراغ ثناء امام کے تیسرے اگر مقتدی موجود تھا تو تین آیت پڑھنے سے پہلے اور اگر بعد میں آیا تو سات آیت پڑھنے سے پہلے چوتھے الحمد ختم کرنے سے پہلے پانچویں پہلی رکعت میں شریک ہو جانے سے پہلے۔

وتظهر فائدة الخلاف فی وقت ادراك فضيلة تكبيرة الافتتاح فعنده بالمقارنة وعندهما اذا كبر فی وقت الثناء وقيل بالشروع قبل قراءة ثلاث آيات لو كان المقتدى حاضراً وقيل سبع لو غاباً وقيل بادراك الركعة الاولى وهذا اوسع وهو الصحيح اهـ وقيل بادراك الفاتحة وهو المختار خلاصه ۱۲ شامی واللہ اعلم۔ (امداد ص ۲۱ ج ۱)

حکم تاخیر کردن در نماز مغرب بمابہ رمضان

سوال (۱۵۹) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ یہاں پر مسجد میں روزہ افطاری کے لئے کھانا لایا جاتا ہے اور لوگ صحن میں اور برآمدہ میں افطاری کے لئے بیٹھتے ہیں۔ مغرب کی اذان کے ساتھ روزہ افطار کر کے کھانے لگتے ہیں جس میں اکثر لوگ تو نیچے بیٹھ کر

روزہ افطار کرتے ہیں اور کتنے حضرات چھت پر روزہ افطار کرتے ہیں۔ اذان ہونے کے بعد دس منٹ کا وقفہ کر کے جماعت نماز کے لئے کھڑی ہوتی ہے جس میں ہر مصلیٰ اطمینان سے افطاری سے فارغ ہو کر جماعت میں شامل ہو جاتا ہے مگر چھت والے حضرات جماعت میں شامل نہیں ہوتے اور بیٹھے کھاتے رہتے ہیں۔ بیڑی پیتے ہیں۔ پان کھاتے ہیں۔ جب نیچے جماعت تمام ہوتی ہے تب یہ حضرات چھت پر دوسری جماعت کرتے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ چھت والے حضرات کا جماعت اولیٰ میں شامل نہ ہونا اور دیر تک کھاتے رہنا اور پھر دوسری جماعت کرنا یہ از روئے شرع جائز ہے یا نہیں۔ اگر نہیں جائز ہے تو ایسا کرنے والوں کے لئے کیا حکم ہے۔

الجواب - فی الد رالمختار کتاب الصلوٰۃ و (یستحب) تعجیل مغرب مطلقاً و تاخیرہ قدر رکعتین یکرہ تنزیہاً فی ردالمحتار تحت هذا القول ان مافی القنیۃ من استثناء التاخیر القلیل محمول ہی مادون الركعتین وان الزائد علی القلیل الی اشتباک النجوم مکروہ تنزیہاً وما بعده تحریماً الا بعذر قال فی شرح المنیۃ والذی اقتضتہ الاخبار کراهۃ التاخیر الی ظهور النجوم وما قبلہ مسکوت عنہ فهو علی الإباحۃ وان کان المستحب التعجیل اھ و نحوه ما قدمناہ عن الحلۃ ج ۱ ص ۳۸۲۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ تاخیر مغرب کے تین درجہ ہیں (۱) ایک درجہ تو دو رکعت سے کم یہ کسی کے نزدیک مکروہ نہیں۔ (۲) دوسرا درجہ بقدر دو رکعت کے یا اس سے زائد قبل ظہور نجوم تک یہ درمختار کی روایت پر مکروہ تنزیہی ہے اور شارح منیہ کی تحقیق پر مباح مگر خلاف مستحب اور (۳) تیسرا درجہ جس میں نجوم ظاہر ہو جاویں یہ مکروہ تحریمی ہے تو دس منٹ سے زائد تاخیر کرنا امر مکروہ بھی نہ ہو جیسا کہ بعض روایات کا مقتضی ہے تاہم ترک مستحب تو ضرور ہے اور ترک مستحب پر بلا ضرورت دوام کرنا ایسا فعل ہے کہ بعض فقہاء نے اس پر مکروہ تنزیہی کا اطلاق کیا ہے چنانچہ ردالمحتار کی عبارت مذکورہ کے بعد ہی یہ عبارت ہے۔ انہ الی ما قبل ذلك مکروہ تنزیہاً التروک المستحب هو التعجیل اور یہ ترک مستحب اس وقت تک رہے گا جب جماعت تاخیر کرے اور اگر جماعت وقت مستحب میں کھڑی ہو جائے تو تخلف عن الجماعت بلا عذر قوی قریب حرام کے ہے اور اس قدر اشتغال اکل و شرب اور اس کے توابع میں اعذار ترک جماعت سے نہیں پس ان لوگوں کا یہ فعل یقیناً شرعاً ناجائز ہے۔

باب الاذان والاقامة

حکم حاضر شدن نمازیں بر جرس نہ بر اذان

سوال (۱۶۰) توقیر آواز اذان چہ قدرست مصلیاں چند بمقابلہ جرس سرکاری ہیج توقیر اذان کہ نقارہ حاکم حقیقی ست نمی کنند تا جرس سرکاری کہ مقرر شدہ است آواز نہ ہد بمسجد برائے صلوٰۃ نمی آیند چہ حکم مابین ست مشرح مطلع فرماید و اجر توقیر کردن و تادیب غیر توقیر کردن چہ قدر است بینوا تو جروا۔

الجواب۔ بر جرس آمدن و بر اذان نیامدن اگر بنا بر توقیر جرس و عدم توقیر اذان بودے ہر آئینہ امرے بس فتیج و شنیع بود لیکن جائے چنین دیدہ و شنیدہ نشد بلکہ در اصل مدار نماز بروقت است و از جملہ معرفات وقت جرس ہم است چوں معرفات و آلات دیگر مثل مقیاس کہ در دائرہ ہندیہ منتصب می باشد و فقہاء نیز اعتبارش کردہ اند پس ہر کہ بر جرس می آید نہ بایں حیثیت کہ مقصودش خصوصیت جرس ست بلکہ بایں حیثیت کہ آواز معرفات وقت ست و بر مسلمانان بدگمانی کردن خود بے توقیری اسلام است کہ از بے توقیری اذان اشد است۔ واللہ تعالیٰ اعلم و علمہ اتم۔
۹ شوال ۱۳۳۳ھ (امداد ص ۶۶ ج ۱) (حوادث ص ۶۹ ج ۲)

حکم رفع یدین در دعائے اذان

سوال (۱۶۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و فقہاء شرع متین اس مسئلہ میں کہ دعاء مانگنا ہاتھ اٹھا کر بعد اذان کے کیسا ہے۔

الجواب۔ بالتخصیص دعائے اذان میں ہاتھ اٹھانا تو نہیں دیکھا گیا مگر مطلقاً دعائیں ہاتھ اٹھانا احادیث قولیہ فعلیہ مرفوعہ و موقوفہ کثیرہ شہیرہ سے ثابت ہے۔
من غیر تخصیص بدعاء دون دعاء پس دعائے اذان میں بھی ہاتھ اٹھانا سنت (۱)

(۱) یہ مطلب نہیں کہ افضل ہوگا بلکہ یہ مطلب ہے کہ سنت کے خلاف نہ ہوگا باقی ظاہر افضل عدم رفع معلوم ہوتا ہے لعدم النقل ۱۲ منہ (یہ بیان اس کے معارض ہے جو کہ ربیع الثانی ۱۳۳۵ھ کے الامداد میں بسلسلہ ترجیح الراجح بجواب سوال متعلق بدعاء بعد صلوٰۃ العیدین لکھا گیا ہے غور کر لیا جاوے) یہ اضافہ تصحیح الاغلاط ص ۷۱ سے کیا گیا۔

ہوگا۔ لاطلاق الدلائل وعن انس قال كان رسول الله ﷺ يرفع يديه في الدعاء حتى يرى بياض إبطيه وعن السائب بن يزيد عن أبيه ان النبي ﷺ كان اذا دعا فرفع يديه فمسح وجهه بيديه رواهما البيهقي وعن عكرمة عن ابن عباس قال المسئلة ان ترفع يديك حذو منكبيك او نحوها الحديث رواه ابو داود كلها في المشكوة كتاب الدعوات و وراءها احاديث متكاثرة متوافرة في هذا الباب يفضي ذكرها الى الاطناب۔ ۲۷ رذی الحجۃ ۱۳۰۰ھ (امداد ص ۹۸ ج ۱)

سوال (۱۶۲) حضور نے امداد الفتاویٰ جلد اول مطبوعہ ص ۹۸ کے منہیہ میں لکھا ہے کہ اذان کے بعد دعا کے وقت عدم رفع ید افضل ہے حالانکہ کسی حدیث سے عدم رفع ید بوقت دعائے اذان ثابت نہیں ہے نہ قولاً نہ فعلاً اور اگر یہ کہا جائے کہ اذان کی دعاء والی حدیث میں رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ اٹھانے کا ثبوت نہیں ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں اظہار دعائے مسنونہ و فضیلت دعاء بتانا مقصود ہے نہ کیفیت جیسا کہ ترجمۃ الباب اور الفاظ حدیث سے ظاہر ہے۔ اور کیفیت دعائے مستقل حدیثیں موجود ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر دعائے ہاتھ اٹھانا بطریقہ شرع مستحب و افضل ہے۔ چنانچہ ابن ماجہ ص ۸۴ باب من كان لا يرفع يديه في القنوت میں ہے عن ابن عباس قال قال رسول الله ﷺ اذا دعوت الله فادع بباطن كفيك ولا تدع بظهورهما فاذا فرغت فامسح بهما وجهك بس جبکہ قولی مطلق سے مطلق رفع ید کی فضیلت ثابت ہے تو اگر کسی حدیث فعلی سے عدم رفع ید عند الاذان کی فضیلت ٹھہرائی جائے تو اصول فقہ کے دو قاعدوں سے خلاف لازم آئے گا۔ پہلا قاعدہ تو یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے جس فعل کی جہت معلوم ہو اس فعل میں اسی جہت کے ساتھ اقتداء کی جائے اور جس کی جہت نہ معلوم ہو اس کو اباحت پر محمول کریں گے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ عدم رفع ید کی جہت غیر معلوم ہے لہذا حدیث فعلی سے عدم رفع ید کا مستحب و افضل ہونا ثابت ہوا۔ پہلے قاعدہ کی عبارت نہیں نکل سکی اسلئے اس کو نقل نہیں کرتے اور دوسرے قاعدہ کی یہ عبارت ہے۔

فی نور الانوار ص ۲۱۳ مبحث افعال النبی ﷺ والمصنف ترك هذا كله وبين ما هو المختار عنده فقال والصحيح عندنا ان علمنا من افعاله صلى الله عليه وسلم واقعا على جهة من الوجوب او الندب أو الإباحة تقتدى به في إيقاعه على تلك الجهة حتى يقوم دليل الخصوص فما كان واجبا عليه يكون واجبا علينا وما كان مندوبا عليه يكون مندوبا علينا وما كان مباحا عليه يكون مباحا

لنا و ما لم نعلم علی ایه جہۃ فعلہ قلنا فعلہ علی أدنی منازل افعالہ و هو الإباحۃ۔

اب اس صورت میں عدم رفع ید کو افضل سمجھا جائے یا رفع ید کو امید ہے کہ جواب سے خاکسار کے شک کو رفع فرمائیں گے۔

الجواب۔ مجھ کو تتبع روایات کی فرصت نہیں اس لئے درایت سے جو سمجھا ہوں اس کو نقل کرتا ہوں۔ بہتر یہ ہے کہ کسی محقق سے تنقید کرا لی جاوے اگر کسی دلیل سے اس کا خطا ہونا معلوم ہو مجھ کو بھی اطلاع کر دی جاوے میں یہ سمجھا ہوا کہ دعائیں دو قسم کی ہیں ایک وقتی حاجت مانگنا بدوں توظیف الفاظ کے احادیث رفع یدین اس کے متعلق ہیں دوسری ادعیہ موظفہ خواہ جوامع ہوں خواہ موقت ہوں احادیث رفع اس کے متعلق نہیں الا ماورد فیہ بالخصوص اول میں رفع ید افضل ہے اور عدم رفع مباح دوسری میں عدم رفع افضل ہے اور رفع مباح اور ہر دعا میں رفع کو افضل کہنا بہت مستبعد ہے بعض میں تو نفی رفع کی قریب قریب مصرح ہے مثلاً منکوحہ کی اول خلوت میں یا اشتراء رقیق یا دابہ میں وارد ہے۔ فلیاخذ بناصیتہا ولیقل اللہم انی اسألك الخ اخذ ناصیہ ظاہر ہے کہ رفع کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتا یا مثلاً جماع کے وقت اللہم جنبنا الشیطان الخ اس وقت رفع ید کیسے ہوگا یا مثلاً انزال کی وقت اللہم لا تجعل الشیطان الخ۔ علی هذا واللہ اعلم۔

۱۳ جمادی الاول ۱۲۹۹ھ (النور ۸ شعبان ۱۲۹۹ھ)

مواقع مشروعیت اذان

سوال (۱۶۳) کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ کون کون سے مقام و واقعات آندھی وغیرہ میں اذان سنت ہے اور کہاں کہاں بدعت ہے۔

الجواب۔ ان مواقع میں اذان سنت ہے۔ (۱) فرض نماز (۲) بچہ کے کان میں وقت ولادت (۳) آگ لگنے کے وقت (۴) جنگ کفار کے وقت (۵) مسافر کے پیچھے (۶) جب شیاطین ظاہر ہو کر ڈرائیں (۷) غم کے وقت (۸) غضب کے وقت (۹) جب مسافر راہ بھول جائے (۱۰) جب کسی کو مرگی آوے (۱۱) جب کسی آدمی یا جانور کی بدخلقی ظاہر ہو اس کو صاحب ردالمختار نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے اور بعض بزرگوں کا عمل وقت عموم امراض و خوف غرق کے بھی دیکھا ہے لیکن کوئی روایت (۱) نہیں دیکھی اور آندھی کے وقت تو اذان دیکھی سنی نہیں گئی البتہ فقہاء نے نماز اس وقت لکھی ہے اور دیگر اوقات میں بھی لکھی ہے۔ (۱) کسوف اور (۲) خسوف (۳) آندھی (۴)

(۱) اس لئے نہ چاہیے بالخصوص جبکہ عوام کا اعتقاد اس میں حد فساد تک پہنچا ہوا ہے۔ ۱۲ منہ

تاریکی دن کو (۵) روشنی شدید رات کو (۶) خوف غنیم (۷) زلزلہ (۸) بجلی (۹) برف (۱۰) بارش جو تھمتی نہ ہو (۱۱) عموم امراض (۱۲) استسقاء اس کو صاحب درمختار نے ذکر کیا ہے اور تعیم کی ہے کہ جو آیات اللہ موجب تخویف ہوں اس وقت نماز پڑھنا چاہیے ویؤیدہ قوله علیہ السلام اذا رأیتہم من هذه الأفراع شیئاً فافز عوالی الصلوة واللہ اعلم (امداد ص ۹۸ ج ۱)

حکم التفات وقت گفتن حی علی الصلوة حی الفلاح در اذان و اقامت و در اذان مولود سوال (۱۶۴) اذان میں حی علی الصلوة حی الفلاح میں رخ یمین و شمال کرتے ہیں تو اقامت میں یا جو بچہ کے کان میں اذان کہتے ہیں ان میں بھی منہ پھیرنا چاہیے یا نہیں۔

الجواب۔ التفات یمین و یسار جیسا اذان میں مسنون ہے ویسا ہی اقامت میں اور ایسے ہی بچہ کے کان میں ویلتفت فیہ و کذا فیہا مطلقاً و قیل ان المحل متسعاً یمیناً و یساراً فقط فلا یستدبر القبلة بصلاة و فلاح ولو وحده او لمولود لانه سنة الاذان مطلقاً در مختار باشامی ج ۱ ص ۲۵۹ مورخہ ۱۳ جمادی الاول ۱۳۰۳ھ (امداد ص ۱۰۵ ج ۱)

کراہت بیع باذان اول جمعہ وقت تعدد اذان

سوال (۱۶۵) جمعہ کے روز جس وقت اذان خطبہ کہی جاوے اس وقت تو بیع و فروخت منع ہے آیا کل شہر پر حکم یکساں ہے یا مختلف کیونکہ اذان کسی مسجد میں پیشتر ہوتی ہے کسی میں بعد کو ہر محلہ کی مسجد کے موافق حکم علیحدہ علیحدہ ہے یا کل شہر کے لئے حکم یکساں ہے۔

الجواب۔ جو بیع مغل سعی ہو وقت اذان اول جمعہ کے مکروہ ہے اور اگر چند اذان کہی جاوے تو اظہر یہ ہے کہ اذان اول کے ساتھ کراہت ثابت ہو جائیگی۔ اگرچہ اس کی روایت صریحہ احقر نے نہیں دیکھی لیکن تعدد اذان میں اجابت اذان اول کو لکھا ہے۔ اس قیاس پر وجوب سعی و کراہت بیع بھی اذان اول پر چاہیے خواہ مسجد محلہ میں ہو غیر میں ولو تکرر اجاب الاول در مختار قوله اجاب الاول سواء کان مؤذن مسجدہ او غیرہ شامی ج ۱ ص ۳۶۶۔ اور اس حکم میں سب اہل شہر یکساں ہیں البتہ جن پر جمعہ واجب نہیں وہ مستثنیٰ ہیں ان کو بیع جائز ہے۔ و کرہ البیع عند الاذان الاول وقد خص منه من لا جمعة علیہ در مختار باشامی ج ۱ ص ۱۳۲۔

۱۳ جمادی الاول ۱۳۰۳ھ (امداد ص ۱۰۶ ج ۱)

اذان کے جواب دینے کا حکم سب پر ہے

سوال (۱۶۶) اذان جس وقت ہو اور کسی جگہ دس پانچ آدمی بیٹھے ہوں تو ایک کا جواب دینا سب کی جانب سے کافی ہوگا یا نہیں۔

الجواب۔ نہیں۔ لعدم دلیل علیہ۔ (تمتہ اولیٰ ص ۳۴ ج ۱)

اذان کے جواب کا استحباب

سوال (۱۶۷) جو آدمی مسجد میں ہوں ان پر جواب اذان کا واجب ہے یا مستحب۔

الجواب۔ مستحب ہے۔ فی الدر المختار ولو بمسجد لانه اجاب بالحضور الخ ورجح الاستحباب فی رد المحتار۔ (تمتہ اولیٰ ص ۳۴ ج ۱)

حکم اجابت اذان بوقت شنیدن اذان چند بار

سوال (۱۶۸) چند روز ہوئے ایک عریضہ خدمت شریف میں روانہ کیا تھا اور اس کا ایک سوال یہ بھی تھا جو حسب ذیل معہ جواب بعینہ اسی عبارت میں مذکور ہے۔ (سوال) ایک وقت میں اذان کا جواب ایک ہی دفعہ دینا واجب ہے یا جتنی دفعہ سنے اتنی ہی دفعہ واجب (جواب) خود واجب ہونے کی کیا دلیل۔ اب عرض یہ ہے کہ مجھ میں اتنی بصارت و طاقت نہیں جو حضور کے سامنے کوئی دلیل پیش کروں لیکن بہشتی گوہر کی عبارت نقل کی جاتی ہے بعد ملاحظہ سوال کا جواب برائے کرم اس طرح عنایت فرمائیے جس سے تشفی کامل ہو جاوے۔ عبارت بہشتی گوہر حسب ذیل ہے۔ بہشتی زیور کا گیارہواں حصہ اذان و اقامت کے احکام ص ۲۴ میں مسئلہ جو شخص اذان سنے مرد ہو یا عورت طاہر ہو یا جنب اس پر اذان کا جواب دینا واجب ہے۔

الجواب۔ اجابت واجبہ میں اختلاف ہے کہ بالقدم ہے یا باللسان بہشتی گوہر کا فتویٰ قول ثانی پر مبنی ہے اور دلیل سے رائج قول اول ہے (الشامی) اور اس صورت میں اجابت باللسان مستحب ہوگی۔ پھر اگر کئی اذانیں سنے تو درمختار میں صرف اذان اول کی اجابت کو اختیار کیا ہے خواہ واجب ہو یا مستحب ہو اور شامی کی رائے سب کی اجابت کی ہے۔ کما فصلہ تحت قول الدر المختار ولو تكرر اجاب الاول جلد ۱ ص ۲۱۲

۱۰ ربیع الثانی ۱۳۴۶ھ (تمتہ خامسہ ص ۲۵۸)

سامعین اذان پر سلام کا جواب واجب نہیں

سوال (۱۶۹) سامعین اذان کو خواہ وہ جواب اذان دے رہے ہوں یا سکوت میں ہوں کسی آئندہ شخص کے سلام کا جواب دینا واجب ہے یا نہیں اور کسی شخص کو ایسے مواقع پر سلام کرنا چاہئے یا نہیں۔

الجواب۔ ایسے وقت میں سلام نہ چاہئے اور اگر سلام کہا ہو تو جواب اذان کا جواب دے رہا ہے اس پر تو اس سلام کا جواب دینا واجب نہیں اور جو ساکت ہے ظاہر یہ ہے کہ اس پر بھی واجب نہیں۔
لان سماع الذكر كالذكر كما في الدر المختار مصل وتال ذاكرو محدث خطيب ومن يصغى اليهم ويسمع فقط (تتمۃ اولی ص ۳۷)

مسجد کی بائیں جانب اذان دینے کا رواج کیسا ہے

سوال (۱۷۰) علی العموم یہ جو رواج ہے کہ منبر جس پر جمعہ کا خطبہ پڑھا جاتا ہے وہ مسجد میں داہنی جانب بنایا جاتا ہے اس کا ثبوت احادیث سے ہے یا محض رواج ہے اگر بائیں جانب منبر بنا کر خطبہ پڑھا جاوے تو درست ہے یا نہیں اور اذان کی نسبت کیا حکم ہے اس کا رواج پنجہ وقتہ مسجد کے بائیں جانب پڑھنے کا ہے اس کا ثبوت احادیث سے کیا ہے۔

الجواب۔ کوئی اصل یاد نہیں۔ (تتمۃ اولی ص ۴۱)

حکم اذان دادن یک کس در دو مسجد بوقت واحد

سوال (۱۷۱) اگر کوئی مؤذن یا امام بلا کسی طمع کے کئی مسجدوں میں ایک وقت کی اذان کہے تو کیسا ہے۔

الجواب۔ فی الدر المختار باب الاذان یکره له ان یؤذن فی مسجدین فی رد المحتار لانه اذا صلی فی المسجد الاول یكون متفلا بالاذان فی المسجد الثانی والتفیل فی الاذان غیر مشروع ولان الاذان للمکتوبة وهو فی المسجد الثانی یصلی النافلة فلا ینبغی ان یدعو الناس الی المکتوبة وهو لا یساعدہم فیہا اھ بدائع ج ۱ ص ۱۵۴۔ ۲۶ محرم ۱۳۳۳ھ (تتمۃ ثالثہ ص ۱۰)

اوقات نماز آنجا کہ غروب یا طلوع نہ شود

سوال (۱۷۲) حضرت میں نے یہاں آکر سنا ہے کہ نور و سے جو کہ قطب شمالی کے

قریب ہے ایک ملک ہے یہاں پر جاڑوں کے موسم میں اور گرمیوں کے موسم میں دو مہینے ایسے ہوتے ہیں کہ دو مہینے تک دن ہی دن رہتا ہے اور دو مہینے تک رات ہی رات۔ تو اس صورت میں حضرت نماز کیسے پڑھنا چاہئے۔

الجواب۔ (من الاحقر) کیا ان دو مہینوں میں غروب ہی نہیں ہوتا یا طلوع ہی نہیں ہوتا یا تھوڑی دیر کے لئے ہوتا ہے۔ ہر ایک کا جدا جدا حکم ہے۔

اس کے جواب میں ذیل کا خط آیا

دوسرے سوال کے متعلق یہ عرض ہے کہ دو مہینے تک تو غروب ہی نہیں ہوتا برابر دن رہتا ہے اور سال بھر میں دو مہینے ایسے ہوتے ہیں کہ سورج نکلتا ہی نہیں یہ مجھے یہاں پر آ کر معلوم ہوا ہے۔ میرے پاس یہاں پر کوئی بڑا جغرافیہ نہیں تاکہ میں فوراً اس کر پڑھ کر معلوم کر لیتا یہاں پر اکثر لوگ مذہب کے متعلق سوال کرتے رہتے ہیں تو خیال ہے کہ اگر کسی نے پوچھ لیا کہ ایسے ملک میں جہاں پر سورج نکلتا ہی نہیں یا نکلتا تو ہے غروب ہی نہیں ہوتا تو پھر کیسے نماز پڑھو گے تو میرے پاس اس کا کوئی صحت بخش جواب نہ ہوگا۔ سائل بالا۔

الجواب۔ (من المولوی عبدالکریمؒ) جس موسم میں دن یا رات بہت ہی بڑی ہو جاوے اس وقت یہ حکم ہے کہ اس علاقہ سے قریب ترین علاقہ (جس میں معمولی طور پر غروب ہوتا ہو) اس کے اوقات معلوم کئے جاویں اور نماز روزہ سب اسی حساب سے رکھیں۔ مورخہ ۹ جمادی الآخرہ ۱۳۵۵ھ

اس کا حاصل (من الاحقر) یہ ہے کہ جس مقام میں دو مہینہ کی رات اور دو مہینہ کا دن ہوتا ہے یہ دیکھنا چاہیے کہ اس کے اطراف کے مقامات میں جو مقامات ایسے ہیں کہ ان ہی دنوں میں وہاں مجموعہ رات دن کا چوبیس گھنٹہ کا ہوتا ہے ان مقامات میں کونسا مقام بہ نسبت دوسرے مقامات کے اس مقام مذکورہ بالا طویل النہار و طویل اللیل کے نسبتاً قریب تر ہے اس معمولی طلوع و غروب والے مقام کے حساب سے اس طویل النہار و اللیل کا حساب ہوگا یعنی معمولی مقام میں نماز فجر کے جتنے گھنٹے بعد ظہر کی نماز ہوتی ہے اتنے ہی گھنٹوں بعد اس طویل النہار و اللیل مقام میں ظہر پڑھیں گے اسی طرح اور نمازیں بھی اسی حساب سے اس طویل رات یا طویل دن میں دو مہینے کی نمازیں گھنٹوں کے حساب سے پڑھیں گے جس طرح وہاں کے باشندے اپنے اور معاملات نوکری چاکری مزدوری میں اسی قسم کا حساب کرتے ہوں گے یعنی اس طویل دن میں مزدور لوگ ایک دن کی مزدوری نہ لیتے ہوں گے بلکہ دو ماہ کی لیتے ہوں گے اسی طرح اس طویل

شب میں کارخانہ والے لوگ نوکروں کو تعطیل دینے میں ایک شب شمار نہ کرتے ہوں گے بس ایسے ہی حساب نمازوں کا سمجھ لیا جاوے اسی طرح روزہ و افطار گھنٹوں کے حساب سے ہوگا اور یہ قول ہے بعض علماء کا۔ اور میرے نزدیک اس میں سخت دشواری ہے اس لئے دوسرے بعض علماء کے قول کو ترجیح دیتا ہوں یعنی جس موسم میں جتنا بڑا دن اور رات ہو اس دن رات کے مجموعہ میں پانچ ہی نمازیں فرض ہیں یعنی صبح صادق اور طلوع شمس کے درمیان فجر کی نماز پھر دن ڈھلے ظہر و علیٰ ہذا بقیہ نمازیں۔ اور روزہ ایسے طویل دن میں اداء فرض نہیں بلکہ معمولی دنوں میں قضا رکھا جاوے گا۔ نصف جمادی الاولیٰ ۱۳۰۵ھ

نوٹ نمبر (۱)۔ آئندہ کی اعانت فی الجواب کے لئے مسائل سے حسب ذیل تنقیحات کی گئیں جواب کا انتظار ہے۔ (۱) وہاں کے باشندے اپنے حسابات و معاملات میں ایسے لیل و نہار شمار کرتے ہیں یا دو مہینے کے لیل و نہار۔ (۲) اگر متعدد لیل و نہار شمار کرتے ہیں تو اس کا معیار کیا ہے جس سے منضبط کیا جاتا ہے اور جس کی بناء پر تاریکی کے بعض حصص کو نہار اور روشنی کے بعض حصص کو لیل قرار دیا جاتا ہے (۳) اسی کی فرع یہ ہے کہ وہاں ایک سال بارہ مہینہ کا سمجھا جاتا ہے یا کم کا اسی طرح ہر مہینہ ۲۹-۳۰-۳۱ کا شمار ہوتا ہے یا بعض مہینہ کم کا۔

نوٹ نمبر (۲)۔ جواب ہذا کے متعلق ایک نقشہ وہاں کے طلوع و غروب کا ایک ماہر فن سے مرتب کرا کر ملحق کر دیا گیا۔ اشرف علی

طلوع وغروب و شفق و صبح صادق - عرض بلد ۵۵ درجہ ۵۳ دقیقہ،
طول بلد ۴ درجہ ۲۳ دقیقہ مشرق - رین فیرو واقع اسکاٹ لینڈ

(از محمد مظهر تھانوی - مقیم بہوپال)

(بحساب وقت ریلوے برطانیہ اعظم (اسٹینڈرڈ ٹائم)

	صبح صادق		طلوع		غروب		شفق		
	گھنٹہ	منٹ	گھنٹہ	منٹ	گھنٹہ	منٹ	گھنٹہ	منٹ	
جنوری ۱	۶	۲۸	۸	۵۰	۱۵	۵۶	۱۸	۱۷	
۱۱	۶	۲۶	۸	۵۴	۱۶	۱۰	۱۸	۲۸	
جنوری ۲۱	۶	۱۹	۸	۳۳	۱۶	۲۸	۱۸	۵۴	
۳۱	۶	۷	۸	۱۷	۱۶	۴۹	۱۹	۰	
فروری ۱۰	۵	۵۰	۷	۵۷	۱۷	۱۱	۱۹	۱۹	
۲۰	۵	۳۰	۷	۳۴	۱۷	۳۳	۱۹	۳۸	
مارچ ۲	۵	۲	۷	۷	۱۷	۵۵	۱۹	۵۹	
۱۲	۴	۴۹	۷	۴۴	۱۸	۱۶	۲۰	۲۱	
۲۱	۴	۹	۶	۱۷	۱۸	۲۶	۲۰	۴۶	
اپریل ۱	۳	۳۶	۵	۵۱	۱۸	۵۶	۲۱	۱۳	
۱۱	۳	۰	۵	۲۵	۱۹	۱۵	۲۱	۴۵	
۲۱	۲	۱۷	۵	۰	۱۹	۳۷	۲۲	۲۴	
مئی ۱	۱	۱۹	۴	۳۶	۱۹	۵۰	۲۳	۲۳	
۱۱			۴	۱۴	۲۰	۱۷			
۲۱			۳	۵۶	۲۰	۲۶			
۳۱			۳	۴۲	۲۰	۵۲			
جون ۱۰			۳	۳۳	۲۱	۴			

ان دنوں میں
تمام رات شفق
رہتی ہے

//

	صبح صادق		طلوع		غروب		شفق		
	گھنٹہ	منٹ	گھنٹہ	منٹ	گھنٹہ	منٹ	گھنٹہ	منٹ	
جون ۲۰			۳	۳۱	۲۱	۱۰			ان دنوں میں
۳۰			۳	۳۵	۲۱	۲۶			تمام رات
جولائی ۱۰			۳	۴۴	۳۱	۳			شفق رہتی ہے
۲۰			۳	۵۹	۲۰	۵۰			//
۳۰			۴	۱۲	۲۰	۳۳			//
اگست ۹			۴	۳۵	۲۰	۱۲			//
۱۹	۱	۲۲	۴	۵۵	۱۹	۴۹	۲۲	۴۲	
۲۹	۲	۴۱	۴	۱۹	۱۹	۲۵	۲۱	۵۵	
ستمبر ۸	۳	۱۴	۵	۳۴	۱۸	۵۹	۲۱	۱۶	
۱۸	۳	۴۲	۵	۵۴	۱۸	۳۲	۲۰	۴۲	
۲۸	۴	۶	۶	۱۳	۱۸	۵	۲۰	۱۱	
اکتوبر ۸	۴	۲۸	۶	۳۳	۱۸	۳۹	۱۹	۵۳	
۱۸	۴	۴۹	۶	۵۴	۱۷	۱۴	۱۹	۱۷	
۲۸	۵	۱۹	۷	۱۵	۱۶	۵۰	۱۹	۱۵	
نومبر ۷	۵	۲۸	۷	۳۶	۱۶	۲۹	۱۸	۳۷	
۱۷	۵	۴۴	۸	۵۷	۱۶	۱۰	۱۸	۲۲	
۲۷	۶	۰	۸	۱۶	۱۶	۵۶	۱۸	۱۲	
دسمبر ۷	۶	۱۳	۸	۲۱	۱۵	۴۷	۱۸	۷	
۱۷	۶	۲۳	۸	۴۴	۱۵	۴۵	۱۸	۷	
۲۷	۶	۲۸	۸	۵۰	۱۵	۵۰	۱۸	۱۲	
۳۱	۶	۲۸	۸	۵۰	۱۵	۵۵	۱۸	۱۷	

اوپر کے اعداد و شمار شاہی رصد گاہ واقع گرینویچ کے شائع کردہ نائی گل المنک کی امداد سے تیار کئے گئے ہیں۔

ضمیمہ نقشہ

از ترتیب دہندہ نقشہ ہذا بذریعہ کارڈ جس کی یہ عبارت ہے کہ طلوع سے غروب تک کا وقت نصف کرنے سے زوال دریافت ہو سکتا ہے اور مقدار شفق سے ایک ربع کم مقدار کے قریب جب غروب میں وقت رہے تو عصر کا وقت شروع ہوگا۔ اھ۔ اشرف علی
(النور ۳ ذیقعدہ ۱۵۰۰ھ تا النور ۷ ذی الحجہ ۱۵۰۰ھ)

سوال ذیل مقام رین فیرو اسکات لینڈ ملک انگلستان سے آیا

بیان فصل در نماز مغرب وعشاء در مقامے کہ علم
غروب شمس و طلوع صبح صادق در آنجا دشوار است

سوال (۱۷۳) یہاں پر سورج آج کل ۵ بجے کے قریب نکلتا ہے اور ۹ بجے رات کو غروب ہوتا ہے۔ مغرب کی نماز ۹ بجے پڑھتا ہوں اور عشاء ساڑھے دس بجے پڑھتا ہوں لیکن کچھ دنوں میں سورج ساڑھے چار بجے کے قریب نکل آیا کرے گا اور غروب پونے دس بجے ہوگا اس کے متعلق گزارش ہے کہ اس صورت میں عشاء اور مغرب کے درمیان کتنا فصل کم سے کم ہونا چاہیے۔
الجواب۔ (من الاحقر) قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ صبح صادق سے طلوع شمس تک جتنا فصل ہوتا ہے اتنا ہی غروب سے وقت عشاء تک سوا اگر پہلا فصل معلوم ہو سکے تو اتنا ہی دوسرا سمجھا جاوے اور اگر معلوم نہ ہو سکے تو یہی پرچہ پھر واپس کیا جاوے میں اس کی فن دانوں سے تحقیق کر کے اطلاع دوں گا۔

اس کے بعد دوسرا خط آیا

سوال۔ آنجناب کے حکم کے بموجب پرچہ واپس کر رہا ہوں۔ صبح صادق کا معلوم ہونا مشکل ہے کیونکہ یہاں پر روشنی مثل صبح صادق کے رات کے کبھی ایک بجے تک رہتی ہے اور اس طرف پھر تین بجے کے قریب شروع ہو جاتی ہے۔ یہاں پر اوقات بہت جلد جلد بدلتے رہتے ہیں پچھلے دنوں جون کے مہینہ میں سورج کے نکلنے کا وقت چار بجے تک آ گیا تھا اور غروب رات دس بجے ہوتا تھا لیکن تھوڑے ہی عرصہ کے بعد اب طلوع کا وقت چھ بجے ہے اور غروب کا وقت

ساڑھے آٹھ بجے ہو گیا یہ معلوم ہوا ہے کہ دن بدن بڑھتا ہی جائے گا اور یہاں تک پہنچ جائیگا کہ طلوع دن کے نو بجے ہوگا اور غروب تین بجے دن کے پیشتر اس کے کہ یہ صورت ہو حضرت اس صورت میں نماز کے اوقات کس طرح پر قائم کئے جائیں اور اگر رمضان شریف اس زمانہ میں آیا تو روزے اور سحری کے کیا اوقات ہونے چاہئیں۔ (سائل بالا)

الجواب۔ (من المولوی عبدالکریم) صبح صادق کی شناخت یہ ہے کہ ایک روشنی مشرق میں لمبی شروع ہوتی ہے یعنی طلوع آفتاب کی جگہ ایک اونچا ستون سا ہوتا ہے یہ صبح کا ذب ہے بعد ازاں یہ روشنی تقریباً غائب ہو کر دوبارہ ایک روشنی عرض آسمان میں یعنی شمالاً جنوباً پھیلتی ہے اس کی ابتداء سے قبل سحری موقوف کر دینا لازم ہے۔ اور اس کے پھیل جانے پر پھر فجر کی نماز کا وقت شروع ہو جاتا ہے اور اسی مذکورہ روشنی کے پھیلنے سے پیشتر اسی طرح ایسی سفید روشنی جب تک غروب کے بعد رہے وہ شفق ہے اس وقت تک عشاء کی نماز نہ پڑھی جاوے۔ جب یہ روشنی غائب ہو جائے عشاء پڑھ لی جاوے سحری کھا کر روزہ شروع ہوتا ہے اور غروب آفتاب پر افطار کرنا چاہئے خواہ دن چھوٹا ہو یا بڑا اس کا کوئی اعتبار نہیں (البتہ بہت بڑا ہو تو اس کا حکم دوسرا ہے جو سوال نمبر ۱۷۲ کے جواب میں مذکور ہے۔) حاصل (من الاحقر) یہ ہے کہ صبح صادق کا معلوم ہونا مشکل نہیں اسی طرح غروب کے بعد کی سفید روشنی شفق کی معلوم ہونا مشکل نہیں کیونکہ اس کی خاص پہچان یہ ہے یعنی رات کی تاریکی تو ممتاز چیز ہے تو جو روشنی مشرق یا مغرب میں اس کے خلاف ہوگی وہ بھی ممتاز ہے سو یہ روشنی جب تک مغرب کی جانب رہے وہ مغرب کا وقت ہے اور جب یہ غائب ہو جاوے وہ عشاء کا وقت ہے اور ایسی ہی روشنی جب تک مشرق میں نمودار نہ ہو وہ رات ہے اور جب مشرق میں نمودار ہو جاوے وہ صبح صادق ہوگئی نماز کا وقت ہو گیا۔ (النور شوال ۱۳۵۰ھ ص ۱۰ والنور ص ۳ ذی قعدہ ۱۳۵۰ھ)

نوٹ۔ سوال نمبر ۱۷۲ و ۱۷۳ ایک ہی سائل کے ہیں جو مقام رین فیرواسکاٹ لینڈ ملک انگلستان سے آئے۔

جواب اقامت فقط مقتدی پر ہے یا سب پر

سوال (۱۷۴) جواب اقامت کا مقتدی اور امام اور فارغ الصلوٰۃ سب دیں یا فقط مقتدی۔

الجواب۔ امام اور مقتدی سب دیں (۱)۔ اور فارغ عن الصلوٰۃ بھی جواب دے۔

فی الدر المختار ولو تكرر أجاب الاول وفي رد المحتار ويظهر لي إجابة الكل بالقول لتعدد السبب وهو السماع كما اعتمده بعض الشافعية اه قلت دل على سببية السماع فاذا وجد السماع وجد الإجابة أيًا من كان والله تعالى اعلم۔

ذی قعدہ ۱۳۲۲ھ (امداد ص ۶۳ ج ۱)

حکم فصل در اذان و نماز مغرب

سوال (۱۷۵) عرض خدمت عالی میں یہ ہے کہ جب حاضر خدمت ہوا تھا۔ میں نے ایک مسئلہ جناب سے دریافت کیا تھا مگر اس وقت بوجہ تنگی وقت شافی جواب حاصل نہ کر سکا آپ نے فرمایا بھی تھا کہ مسئلہ دیکھ کر بتاؤ سو اس وقت میں نہ دیکھ سکا بعد میں یہاں آ کر وہ مسئلہ ہدایہ اولین میں دیکھا اور وہ مسئلہ یہ ہے۔ میں نے دریافت کیا تھا کہ بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ حضرت کے یہاں مغرب کی نماز میں بعد اذان کے کافی دیر ہوتی ہے نیز مجھ کو بھی کئی مرتبہ یہ خیال ہوا تھا مگر دریافت کرنے کا موقع نہ ملا تھا۔ امام اعظم صاحب کا قول فعل دونوں اسی پر تھا کہ وہ بعد اذان مغرب فوراً اقامت کرتے تھے اور یہ ہدایہ اولین باب الاذان میں ذکر کیا گیا ہے۔ (صفحہ ۷۲ مطبوعہ علیہ دہلی) اور وہ عبارت یوں ہے۔ ویجلس بین الاذان والإقامة إلا فی المغرب وهذا عند ابی حنیفة اور صفحہ ۷۴ پر (یعقوب) سے روایت ہے جو یوں ہے۔ قال یعقوب رأیت ابا حنیفة یؤذن فی المغرب ویقیم ولا یجلس بین الاذان والإقامة۔ اور اس سے زائد صریح (باب المواقیث) میں بیان کیا ہے اور وہ قول امام شافعی کا ہے (صفحہ ۶۴ باب المواقیث ہدایہ اولین مطبوعہ علیہ دہلی) عبارت یہ ہے۔ وقال الشافعی مقدار

(۱) فی الجواب بحث من وجوه اما الاول فلان الروایة المنقولة متعلقة بالاذان والسائل يستفتی عن حکم الإقامة وجوابه انه استدلال بالنظیر علی النظیر لان الإقامة فی الجواب مثل الاذان وهو ظاهر واما الثانی فلان سببية السماع فی غیر الفارغین مسلم واما الفارغون فلا۔ لانه دعاء لغير الفارغین لا للکل فیکون الجواب علیہم لا علی کل وجوابه ان شرعية الجواب لمراعاة حسن الأدب مع داعی الله وهو لا یختص لغير الفارغین ویؤید ما قلنا ما قال العلامة الشامی فی رد المحتار حیث قال هل یجب اذان غیر الصلوٰۃ کالاذان للمولود لم اره لائمتنا والظاهر نعم ولذا یلتفت فی حیئلته کما مر هو ظاهر الحدیث الا ان یقال ان ال فیہ للہداه مافیہ اقول فإن کان للجنس اولا استغراق فظاهر وان کان للعہد فلا یضر فی مانحن فیہ لانه یتملح کل اذان للصلوٰۃ وفیہ المدعی (یہ عبارت حاشیہ تصحیح الاغلاط ص ۱۷۱ لکھی گئی)

ما یصلی ثلاث رکعات لان جبرائیل علیہ السلام ام فی یومین فی وقت واحد صرف صاحبین خلاف ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ جلسہ خفیفہ ہونا چاہئے جیسے کہ خطبتین میں کیا جاتا ہے اس کو بھی باب الاذان میں ذکر کیا ہے اب جو کچھ اس کا حاصل ہو اس سے متنبہ فرمائیں میں اس کا جواب اپنے دل میں یوں دیا کرتا تھا کہ شاید یہ مسئلہ کہیں ہو کہ جب امام ایک مسجد میں مقرر ہو اور اس کو کسی وجہ سے مجبوری ہو یا آنے میں دیر ہو تو اس کا انتظار کرنا چاہئے مگر اس سے تشفی نہ ہوتی تھی۔ سو میں نے اس اشکال کو رفع کرنے کے لئے جناب سے استفسار کیا امید ہے کہ آپ کے جواب سے کافی تشفی ہو جاوے گی۔

الجواب۔ روایات مندرجہ سوال سے صرف عمل ثابت ہوتا ہے اس سے زائد تاخیر کی کراہت ثابت نہیں ہوتی سو عمل استحباب پر بھی مبنی ہو سکتا ہے اور مقصود بالبحث کراہت ہے۔ سو درمختار و ردالمختار میں اس سے بھی تعرض ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ تاخیر مادون الرکعتین میں تو کراہت نہیں اور اس سے زائد اشتباک نجوم کے قبیل تک شرح المنیہ کی تحقیق پر مباح اور بعض اقوال پر مکروہ تنزیہی اور اشتباک کے بعد تحریمی۔ روایات یہ ہیں۔

فی الدر المختار والمستحب الی قوله و تعجیل مغرب مطلقاً و تاخیرہ قدر رکعتین یکرہ تنزیہاً۔ فی ردالمختار افادان المراد بالتعجیل ان لا یفصل بین الاذان والإقامة بغير جلسة أو سکتة علی الخلاف وان مافی القنیة من استثناء التاخير القلیل محمول علی مادون الرکعتین وان الزائد علی القلیل الی اشتباک النجوم مکروہ تنزیہاً و بعده تحریماً الا بعد رکما مرقال فی شرح المنیة والذی اقتضته الأخبار کراهة التاخير الی ظهور النجوم وما قبله مسکوت عنه فهو علی الإباحة وان کان المستحب التعجیل اهـ ونحوه ما قدمناه عن الحلية۔

اور عذر میں کراہت بھی نہیں اور یہاں انتظار امام میں تاخیر دو رکعت سے کم ہوتی ہے وہ بھی احیاناً نہ استمراراً و اعتیاداً۔ اور اگر مادون سے قدرے زائد بھی فرض کی جاوے تو ایک تحقیق پر مباح ہے اور قول کراہت تنزیہی پر عذر نافی کراہت ہے۔ اور عذر کی مثال فقہاء نے اکل و سفر سے دی ہے اور حصر کی کوئی دلیل نہیں اور امام کے لئے وضو اور قوم کے لئے انتظار امام راتب خصوص اگر وہ حاضر ہو اکل سے قوی عذر ہے۔ واللہ اعلم۔

حکم قیام بر حی علی الفلاح وقت اقامت

سوال (۱۷۶) کان پور کی بعض مساجد میں کچھ عرصہ سے تکبیر کے وقت موزن کے علاوہ سب آدمی بیٹھ جاتے ہیں اور جس وقت موزن حی علی الصلوٰۃ کہتا ہے اس وقت سب لوگ کھڑے ہوتے ہیں اور شرح وقایہ کی اس عبارت کا حوالہ دیتے ہیں۔ (ویقوم الامام والقوم عند حی علی الصلوٰۃ ویشرع عند قد قامت الصلوٰۃ) ص ۱۵۵ سطر ۱۲۔ اور جو شخص پہلے سے ہی کھڑا ہو جاوے اس کو بری نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اس مسئلہ میں جناب کی کیا رائے ہے اور اس مسئلہ پر عمل کرنے والے کو بدعتی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور عمل نہ کرنے والے کو وہابی کہتے ہیں۔ فقط

الجواب۔ شرح وقایہ کہ عبارت مبہم ہے کیونکہ اس میں اس عمل کا درجہ بیان نہیں کیا گیا اور دوسری بعض کتابوں میں مفسر ہے۔ اس لئے مبہم کو مفسر کی طرف راجع کریں گے۔ چنانچہ درمختار میں قبیل فصل صفة الصلوٰۃ یہ عبارت ہے۔

ولها آداب ترکها لا یوجب إساءة ولا عتاباً کترك سنة الزوائد لكن فعله افضل الى قوله والقيام لإمام وموتم حين قيل حی علی الفلاح الخ ثم قال وشرع الإمام الصلوٰۃ مذقيل قد قامت الصلوٰۃ ولو اخر حتى اتمها لا بأس به اجمالاً وهو قول الثانی والثلاثة وهو (ای التأخیر) اعدل المذاهب كما فی شرح المجمع لمصنفه وفي القهستانی معزياً بالخلاصة انه الأصح اهـ فی رد المحتار قوله انه الاصح لان فيه محافظه على فضيلة متابعة الموزن واعانة له على الشروع مع الإمام اهـ۔

ان عبارات سے امور ذیل مستفاد ہوئے۔

(۱) یہ عمل آداب سے ہے جس کا ترک موجب اساءت یا عتاب نہیں تو اس کے تارک پر نکیر کرنا تجاوز عن الحدود ہے جو کہ بدعت کی فرد ہے پس اس کا عامل اگر تارک پر نکیر نہ کرے عامل بالآداب ہے اور اگر نکیر کرے مبتدع ہے۔

(۲) منجملہ آداب کے قد قامت الصلوٰۃ کے کہنے کے وقت امام کا نماز شروع کر دینا ہے مگر باوجود اس کے ایک عارض سے تاخیر کو اعدل واضح کہا ہے جو مستلزم ہے افضل ہونے کو اور وہ عارض شروع مع الامام پر موزن کی اعانت ہے ایسے ہی اس میں بھی ایک عارض سے کہ وہ عامہ ناس کے

اعتبار کی وجہ سے مثل لازم کے ہو گیا ہے گنجائش ہے کہ قبل اقامت کے قیام کو افضل کہا جاوے اور وہ عارض تسویہ ہے صفوف کا جو نہایت مؤکد ہے اس لئے کہ عامہء ناس کے عدم اہتمام و قلت مبالغہ کی وجہ سے مشاہد ہے کہ حی علی الصلوٰۃ پر کھڑے ہونے سے امام کی تحریمہ کے وقت تک صفوف کا تسویہ نہیں ہو سکتا بلکہ اکثر دیکھا جاتا ہے کہ پہلے سے کھڑے ہو جانے پر بھی اگر تسویہ صفوف کا انتظار کیا جاوے تو اقامت اور تحریمہ امام میں فصل کی ضرورت ہوتی ہے۔

۲۰ صفر ۱۳۵۰ھ (النور ۵ رمضان المبارک ۱۳۵۰ھ)

سوال (۱۷۷) اذا دخل الرجل عند الإقامة يكره الانتظار قائماً ولكن يقعد ثم يقوم اذا بلغ المؤذن حي على الفلاح يفهم منه كراهة القيام ابتداء الإقامة والناس عنه غافلون (طحطاوی علی مراقی الفلاح) طحطاوی کے علاوہ عالمگیری۔ شامی البحر الرائق شرع وقایہ۔ ملتقى البحر۔ مجمع الانهر مظاہر حق وغیرہ کتب میں تصریح ہے کہ ہمارے ائمہ ثلاثہ کے نزدیک حی علی الصلوٰۃ یا حی علی الفلاح (علی اختلاف الاقوال) پر کھڑا ہونا چاہیے اور قد قامت الصلوٰۃ پر نماز شروع کر دینی چاہئے لیکن مراۃ الفلاح میں تصریح ہے کہ اگر اقامت ختم ہو جانے کے بعد نماز شروع کی لا باس بہ فی قولہم جمیعاً لیکن اقامت کے شروع میں کھڑے ہونے کی کہیں گنجائش نہیں ملی بلکہ کراہت ثابت ہوتی ہے اکابر کا تعامل دیکھ کر شبہ پیدا ہوتا ہے کہ ممکن ہے کوئی امر مانع تعامل ہو جس پر احقر کی نظر نہیں پہونچی اس لئے مؤدبانہ عرض ہے کہ ان سوالات کا جواب عنایت فرمایا جائے۔

(۱) ابتداء اقامت میں کھڑا ہونا مکروہ ہے یا نہیں۔

(۲) اگر مکروہ نہیں ہے تو افضل ابتداء اقامت میں کھڑا ہونا ہے یا حی علی الصلوٰۃ پر۔

(۳) اگر حی علی الصلوٰۃ پر کھڑا ہونا افضل ہے تو جمعہ کے روز خطبہ سے فارغ ہو کر امام منبر پر بیٹھا رہے یا مصلے پر یہاں تک کہ مؤذن حی علی الصلوٰۃ پر پہنچے۔

الجواب۔ مقدمة الروایات یفسر بعضها بعضاً۔ اسکے بعد سمجھنا چاہئے کہ حی علی الصلوٰۃ وحی علی الفلاح پر کھڑے ہونے کو درمختار قبیل فصل صفة الصلوٰۃ میں منجملہ آداب کے کہا ہے اور آداب کی صفت میں تصریح کی ہے۔ ترکھا لا یوجب إساءة ولا عتاباً لکن فعله افضل الخ اس سے معلوم ہوا کہ یکرہ لہ الانتظار میں یکرہ سے مراد ترک افضل ہے۔ اس کے بعد منجملہ ایسے آداب کے شروع امام فی الصلوٰۃ اذا قیل قد قامت الصلوٰۃ کو شمار کر

کے کہا ہے۔ ولو اخر حتى اتمها لا باس به إجماعاً اس کے بعد اس تاخیر کو اعدل المذاہب اور اصح کہا ہے اور اصح ہونے کی دلیل رد المحتار میں یہ بیان کی ہے لان فيه محافظة على فضيلة متعابذة المودن وإعانة له على الشروع مع الامام اس قیاس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب ایک ادب کے ترک کو یعنی تاخیر شروع امام کو عارض محافظت و اعانت کی وجہ سے ترجیح دی ہے اسی طرح دوسرے ادب یعنی قیام عند حی علی الصلوٰۃ کے ترک کو یعنی تقدیم قیام علی الخیرین کو عارض تسویہ صفوف کی وجہ سے رائج کہا جاوے گا اور یہ عارض تسویہ نہایت مؤکد ہے اور عامۃ الناس کے عدم اہتمام و قلت مبالغت کی وجہ سے مشاہد ہے کہ حی علی الصلوٰۃ پر کھڑے ہونے سے امام کی تحریمہ کے وقت تک صفوف کا تسویہ نہیں ہو سکتا بلکہ اکثر دیکھا جاتا ہے کہ پہلے سے کھڑے ہو جانے پر بھی اگر تسویہء صفوف کا انتظار کیا جاوے تو اقامت اور تحریمہ امام میں فصل کی ضرورت ہوتی ہے پس اس عارض مؤکد کے لئے اس ادب کو ترک کر دیں گے اس سے سب سوالوں کا جواب معلوم ہو گیا۔

اطلاع۔ ایک ایسا ہی جواب ۲۰ صفر ۱۳۵۰ھ میں لکھا گیا ہے۔

۲۳ صفر ۱۳۵۱ھ (النور ۸ شوال ۱۳۵۱ھ)

حکم قیام بر حی علی الفلاح

سوال (۱۷۸) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے کہ جماعت کی نماز کے واسطے سب مقتدی اور امام کو قد قامت الصلوٰۃ کے بعد کھڑا ہونا چاہئے۔ اگر قد قامت الصلوٰۃ کہنے سے کھڑے ہو گئے تو گنہ گار ہوں گے یہاں تک کہ اگر کوئی شخص وضو کر رہا ہو اور اقامت شروع ہو گئی اور وضو کرنے والا وضو سے فارغ ایسے وقت ہوا کہ ابھی مکبر لفظ قد قامت الصلوٰۃ پر نہیں پہنچا تو وہ شخص بھی پہلے بیٹھ کر پھر نماز میں شریک ہو۔ اب سوال یہ کہ قد قامت الصلوٰۃ کے بعد نماز کے واسطے کھڑا ہونا واجب ہے یا سنت یا مستحب۔ اور قد قامت الصلوٰۃ کہنے سے پہلے کھڑے ہونے سے امام یا مقتدی گنہ گار ہوں گے یا نہیں فقط بینوا تو اجر و۔

الجواب۔ اس میں بہت سے اقوال ہیں مگر سب میں وسعت ہے کسی نے کسی قول کے اختیار کرنے والے کو گنہ گار نہیں کہا۔ نہ گناہ کی کوئی دلیل ہے۔ اعلاء السنن حصہ چہارم باب وقت قیام الامام والمأمومین للصلوٰۃ میں سب اقوال مع ادلہ جو کہ آثار ہیں لکھے ہیں اور

بعض فقہاء ثقات نے ان سب اقوال پر توقیت کا محمل یہ کہا ہے کہ اس سے تاخیر نہ کرے یہ مراد نہیں کہ اس سے تقدیم نہ کرے۔ چنانچہ کتاب مذکور میں ہے۔ وقال العلامة الطحطاوی والظاهر انه احتراز عن التأخير لا التقدم حتى لو قام اول الإقامة لابس وجازاه جیسا کہ ایک ایسے ہی جزئیہ میں وہی شروع الامام فی الصلوٰۃ مذقیل قد قامت الصلوٰۃ تصریح ہے۔ ولو اخر حتى اتمها لابس به إجماعاً (كذا في الدر المختار قبيل فصل بيان تأليف الصلوٰۃ اور ترمذی کا اپنی سنن باب الجنائز میں یہ فیصلہ ہے۔ الفقہاء ہم اعلم بمعانی الأحادیث ۵۔ کتبہ اشرف علی ۱۸ / رجب ۱۳۵۶ھ (النور ۷ شعبان ۱۳۵۷ھ)

حکم تعدد اذان فجر در رمضان بوقت سحر و صبح صادق

سوال (۱۷۹) سحری کے لئے اذان کہنا پھر صبح کو اذان کہنا جیسا کہ حدیث سے ثابت ہے کیا اس پر قرون ثلاثہ میں عملدرآمد رہا۔ ہمارے فقہاء اس کو مواقع اذان سے نہیں لکھتے تو کیا ہمارے یہاں مکروہ ہے۔

الجواب۔ قال مالك في الموطأ آخر ما جاء في النداء بالصلوة مانصه لم تنزل الصبح ينادي بها قبل الفجر الخ وفي الجزء الثاني من عمدة القاري باب اذان الأعمى في بيان اذان ابن ام مكتوم وبلال في وقت الصبح تحت قوله اصبحت قال عياض والأنة العمل المنقول في سائر الحول بالمدينة اهـ ان نقول سے معلوم ہوا کہ سحر کے وقت اذان کہنا خیر القرون میں معمول تھا۔ آگے یہ دوسری بحث ہے کہ اس پر اکتفا کیا جاوے یا نہیں اس میں اختلاف مشہور ہے لیکن یہ اختلاف نفس عمل کی نقل میں مخل و قاذح نہیں۔

قال محمد في الموطأ باب ما يحرم الطعام على الصائم تحت حديث ان بلالاً ينادي بليل فكلوا واشربوا حتى ينادي ابن ام مكتوم و بطريق آخر و كان ابن ام مكتوم لا ينادي حتى يقال له قد اصبحت مانصه كان بلال ينادي في شهر رمضان لسحور الناس وفي عمدة القاري باب الاذان قبل الفجر تحت قوله وطأاً مانصه فيه ان الاذان الذي كان يؤذن به بلال كان لرجع القائم وإيقاظ النائم وبه قال ابو حنيفة۔

ان نقول سے معلوم ہوا کہ امام ابو حنیفہؒ اس اذان کو مکروہ نہیں فرماتے۔ چنانچہ محمدؒ کا

کراہت کا نقل نہ کرنا اور عینی کا بہ قال ابو حنیفہ کہنا اس کی صاف دلیل ہے۔ باقی فقہاء کا نہ لکھنا اس وجہ سے ہو سکتا ہے کہ یہ مقاصد میں سے نہیں۔ لیکن فقہاء کراہت کا بھی حکم نہیں کرتے۔ پس مذہب میں مخیر فیہ رہا۔ لیکن قواعد سے اس کو مقید کیا جائے گا عدم تشویش کے ساتھ واللہ اعلم۔
۱۰/ ذیقعدہ ۵۵ھ (النور ص ۱۲ ذیقعدہ ۵۶ھ)

باب شروط الصلوة وصفتها

فرضیت قیام وقت تحریمہ

سوال (۱۸۰) مدرک جس وقت کہ امام رکوع میں ہے بعد تکبیر تحریمہ فوراً رکوع میں چلا جاوے یا ثنا پڑھ کر یا بقدر اداۓ ثناء قیام کر کے رکوع میں جاوے اگر مدرک کو یہ بھی خوف ہے کہ بقدر اداۓ ثناء قیام کرنے پر رکوع نہیں پاسکتا تو کیا کرے یعنی یہ قیام فرض ہے یا صرف سنت مستحب۔

الجواب۔ فی الدر المختار اول باب صفة الصلوة من فرائضها التي لا تصح بدونها التحريمة قائما وفيه في فصل يليه ويشترط كونه قائما فلو وجد الإمام راكعا فكبر منحيا ان الى القيام اقرب صح ولغت نية تكبيرة الركوع وفي هذا الفصل وهو مخير بين قراءة الفاتحة وتسبيح ثلاثا وسكوت قدرها وفي النهاية قدر تسبيحة وفي رد المحتار قوله قدر تسبيحة قال شيخنا وهو اليق بالأصول حليه اي لان ركن القيام يحصل بها لما مر ان الركنية تتعلق بالادنى وفيه في مفسدات الصلوة و يفسدها اداء ركن وهو قدر ثلث تسبيحات مع كشف العورة اهـ •

اس روایت سے معلوم ہوا کہ تکبیر تحریمہ میں قیام فرض ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ادنیٰ مقدار رکن کی ایک تسبیح یا تین تسبیح کی قدر ہے پس اس شخص کو تکبیر تحریمہ کھڑے ہو کر کہنا چاہیے اور اتنی دیر کھڑا رہے (۱) کہ ایک بار یا تین بار سبحان اللہ کہہ سکے پھر رکوع میں جاوے اور ثنا پڑھنا یا

(۱) تکبیر تحریمہ کھڑے ہو کر ادا کرنے کے بعد تین یا ایک تسبیح کے برابر کھڑا رہنے کی ضرورت مسبوق کے لئے کسی روایت فقہی سے ثابت نہیں اس کے سوال نمبر ۱۸۱ کے جواب میں جو کچھ حضرت نے تحریر فرمایا ہے وہ اس پر شاہد ہے اور اس میں بحوالہ شامی یہ الفاظ بھی منقول ہیں لو کبر قائما فركع ولم يقف صح یعنی اگر صرف تکبیر تحریمہ بحالت قیام ادا کر کے رکوع میں چلا گیا اور مزید کچھ قیام نہیں کیا تو نماز صحیح ہوگئی۔ اس لئے اس جگہ جو نماز نہ ہونے کا حکم فرمایا ہے اس میں کچھ تسبیح ہوا ہے صحیح یہ ہے کہ نماز ہو جاتی ہے۔ ۱۲ محمد شفیع عفاء اللہ عنہ۔

ثنا کے قدر کھڑا رہنا ضروری نہیں البتہ یہ جو عادت ہے کہ اللہ اکبر کے ساتھ اول ہی سے رکوع میں پہنچ جاتے ہیں ان لوگوں کی نماز نہیں ہوتی۔ ۱۷/ ذیقعدہ ۱۳۲۳ھ (امداد ص ۶۷ ج ۱)

حکم تکبیر تحریمہ بدون قیام قبل از رکوع

سوال (۱۸۱) جناب کی کتاب بہشتی گوہر حصہ یازدہم بہشتی زیور ص ۲۷ (بیان تکبیر تحریمہ) میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ (امام جب رکوع میں ہو تو جو لوگ بغیر قیام تکبیر تحریمہ کہتے ہوئے رکوع میں داخل ہو جاتے ہیں تو ان کی نماز نہیں ہوتی) حالانکہ شامی میں ہے کہ یہ قیام عارضی کافی ہو جاتا ہے نماز اس سے بھی جائز ہو سکتی ہے اگرچہ ایسا فعل اچھا نہیں۔ آپ شامی کو ملاحظہ فرمائیں۔

الجواب۔ شامی میں ہے فلو ادرك الإمام راكعاً فكبر منحنيًا لم تصح تحریمتہ (ج ۱ ص ۴۷) اور اسی میں ہے فلو كبر قائماً فركع و لم يقف صح لان ما اتى به من القيام الى ان يبلغ الركوع يكفيه قنيه في رد المحتار قوله فركع اي وقرأ في هويہ قدر الفرض او كان اخرس او مقتديا او اخر القرءة (ج ۱ ص ۴۶۳) بہشتی گوہر کی یہ عبارت ہے۔ آتے ہی جھک جاتے ہیں اور اسی حالت میں تکبیر تحریمہ کہتے ہیں۔ الخ یہ عبارت شامی کی پہلی فکبر منحنيًا کا صریح ترجمہ ہے شاید سائل کو درمختار کی دوسری عبارت و لم يقف سے شبہ ہو گیا ہو سو یہ وقوف بعد التحريم للقرءة ہے گو عارض کے سبب قراءت نہ ہو چنانچہ اس قول پر شامی کا قول وقرأ في هويہ الخ صریح دلیل ہے تو اس سے قیام للتحریمہ کا انتفاء ضرورت لازم نہیں آتا چنانچہ درمختار میں اس لم يقف کے قبل فکبر قائماً اس قیام کی ضرورت کو ثابت کر رہا ہے۔ ۱۰ شوال ۱۳۴۶ھ (تمہ خامسہ ص ۵۹۵)

حکم گفتن کلمہ (اقتدیت بالقرآن) در نیت صلوٰۃ

سوال (۱۸۲) یہ نیت امام کی جائز ہے یا ناجائز۔ نویت ان اصلی للہ تعالیٰ رکعتی صلوٰۃ الفجر فرض اللہ تعالیٰ انا امام لمن حضرو لمن لم يحضر اقتدیت بالقرآن متوجہا الیٰ جهة الکعبة الشریفة اللہ اکبر یعنی اقتدا کیا قرآن پر اور پڑھا نماز پیچھے رسول اللہ ﷺ کے آیا یہ نیت جائز ہے یا نہیں اور یہ نیت امام کے لئے ضروری ہے یا نہیں۔

الجواب۔ اس شخص سے دریافت کیا جاوے کہ قرآن کے ساتھ اقتدا کرنے سے اور رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھنے سے کیا مراد ہے اگر اس کا یہ مطلب ہے کہ بالمعنی المتعارف قرآن کا یا رسول اللہ ﷺ کا اقتداء کر رہا ہوں اور یہ دونوں مجھ کو نماز پڑھا رہے ہیں تب تو اس کا فساد اور بطلان ظاہر ہے قرآن تو امام بن ہی نہیں سکتا اور رسول اللہ ﷺ بالفعل اس کو نماز نہیں پڑھا رہے ہیں پس اس صورت میں خود اس شخص ہی کی نماز نہ ہوگی۔ لان الانفراد فی موضع الاقتداء مفسد کعکسہ ص ۶۲۳ شامی ولانہ نوى الاقتداء بمعدوم وهو لایجوز شامی ص ۴۴۳۔ جب اس کی نماز نہ ہوگی تو اوروں کی بھی اس کے پیچھے نہ ہوگی اور اگر اس شخص کا یہ مطلب ہے کہ میں حسب تعلیم رسول اللہ ﷺ وحسب امر قرآن نماز پڑھتا ہوں تو یہ مطلب صحیح ہے لیکن اس کو نماز کی اقتداء کہنا یہ ایک اصطلاح مخترع ہے اس صورت میں نماز ہو جائے گی لیکن ایسے الفاظ سے خواہ مخواہ شورش ہوتی ہے چھوڑ دینا ان کا واجب ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۱۷/ربیع الثانی ۱۳۲۵ھ (امداد ص ۷۳ ج ۱)

حکم تلفظ بالنیۃ در صلوٰۃ و تحقیق قول مجدد صاحب

سوال (۱۸۳) بہشتی زیور حصہ دوم ص ۱۰۸ فصل نماز کی شرطوں کے بیان میں مسئلہ ذیل درج ہے۔

مسئلہ..... اگر زبان سے نیت کہنا چاہے تو اتنا کہنا کافی ہے نیت کرتی ہوں میں آج کی ظہر کے فرض کی اللہ اکبر الخ اس سے معلوم ہوا کہ زبان سے اگر نیت کرے تو کچھ حرج نہیں مگر مکتوبات مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ میں تحریر ہے۔ جلد اول مکتوب صد و ہشتاد و ششم نقل بلفظہ وبمعنیہ است انچہ علماء در نیت نماز مستحسن داشتہ اند کہ باوجود ارادۂ قلب بہ بزبان نیز باید گفت و حالانکہ از اں سرور علیہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام ثابت نشدہ است نہ بروایت صحیح و نہ روایت ضعیف و نہ از اصحاب کرام و تابعین عظام کہ بزبان نیت کردہ باشند بلکہ چوں اقامت می گفتند تکبیر تحریمہ میفرمودند پس نیت بزبان بدعت باشد و ایں بدعت را حسنہ گفته اند و ایں فقیر میدانہ کہ ایں چہ جائے رفع سنت کہ رفع فرض می نماید چہ در تجویز آں اکثر مردم بزبان اکتفا می نمایند و از غفلت قلبی پاک ندارند پس دریں ضمن فرض از فرائض نماز کہ نیت قلبی باشد متروک می گردد و بفساد نمازی رساند۔ وجہ تطبیق ارقام فرمائی جاوے۔

الجواب۔ یہ حضرت مجددؒ کی خاص رائے ہے چنانچہ جملہ ایں فقیر میدانہ اس میں صریح

ہے دوسرے سب کے لئے منع فرماتے بھی نہیں بلکہ خاص ان کے لئے جو اس پر کفایت کر کے قلب سے بالکل ارادہ ہی نہیں کرتے۔ چنانچہ اخیر کی عبارت اس میں صریح ہے پس قول فقہاء و قول مجدد صاحب میں کوئی تعارض نہ رہا۔
۱۱ شعبان ۱۳۳۳ھ (تمہ ثالثہ ص ۶۱)

حکم وضع رکبتین قبل الیدین در سجدہ

سوال (۱۸۴) بعد رکوع سجدہ میں جانے کے وقت پہلے ہاتھ ٹیک کر جاوے۔

الجواب۔ احادیث اس میں مختلف ہیں کہ پہلے سجدہ میں گھٹنے رکھے یا ہاتھ۔ وائل بن حجر سے وضع رکبتین قبل الیدین مروی ہے اور ابو ہریرہؓ سے دو روایتیں ہیں۔ ایک روایت مذکورہ دوسرے اس کا عکس امام طحاوی فرماتے ہیں کہ ابو ہریرہؓ کی روایات بوجہ تعارض کے مرتفع ساقط ہوئیں۔ وائل بن حجر کی حدیث تعارض سے سالم رہی لہذا اس کو ترجیح دی گئی اور یہی عمل حنفیہ کا ہے۔ (امداد ص ۹۹ ج ۱)

تحقیق رفع الیتین در سجدہ

سوال (۱۸۵) زید جو مولوی و عالم مشہور ہے جب نوافل وغیرہ بیٹھ کر پڑھتا ہے تو سجدہ کرتے ہوئے سرین زمین سے نہیں اٹھاتا اپنے معتقد و اتباع کو حکم دیتا ہے کہ نفل بیٹھ کر پڑھو تو سجدہ میں سرین زمین سے نہ اٹھاؤ ورنہ نماز فاسد ہوگی۔ اور صحیح مسلم شریف کی حدیث واقعہ باب جواز النافلة قاعداً وقائماً سے استدلال کرتا ہے۔

ان النبی ﷺ اذا صلى قائماً ركع وسجد وهو قائم واذا صلى قاعداً ركع وسجد وهو قاعد اور عبارت ذیل فقہ کی پیش کرتا ہے من صلى قاعداً فسجد لا يرفع اليتيه وان رفع اليتيه فسدت صلوته لان اليتيه في صلوۃ القاعد بمنزلة القدمين واذا رفع قدميه في صلوۃ القائم فسدت الصلوۃ فكذا اليتيه كذا في المحيط چلپی والاصل ان المريض او غيره اذا صلى قاعداً لا يرفع اليتيه كما لا يرفع رجله في السجدة واذا رفع رجلاً واحداً والية واحدة لا تفسد كذا في چلپی ابن الملك والمختار ان يقعد كما يقعد في حالة التشهد وهو الذي اختاره الفقيه ابو الليث وشمس الائمة السرخسی وقال ابو يوسف رحمه الله تعالى

اذہات (۱) وقت الركوع والسجود يقعد كما يقعد في التشهد كذا في العینی شرح الهدایة ص ۸۶۱ ج ۱ انتہی۔

اب سوال یہ ہے کہ حدیث صحیح مسلم کے یہی معنی ہیں جیسے زید نے سمجھے ہیں کہ قائم اور قاعد کو ہیئت سجدہ میں رفع الیتین وعدم رفع الیتین سے فرق کرنا چاہیے اور عبارات فقہ کی تصحیح کریں کہ یوں ہی واقع ہیں یا نہیں اور مفتی بہا ہیں یا نہیں جیسا کہ تعامل علماء اساتذہ اور شیوخ سے رفع الیتین فی السجد مشاہد ہے۔ بینوا باسناد الکتب المعترہ عند الحنفیۃ توجروا یوم الحساب۔

الجواب۔ زید کے قول پر کوئی دلیل صحیح قائم نہیں۔ حدیث مسلم میں اگر سجد وھو قاعد کے یہ معنی ہیں کہ سجدہ کے وقت بھی ہیئت قعود کی رہتی تھی سو اول تو یہ خود مقصود زید کے خلاف ہے کیوں کہ زمین پر سر رکھنے سے ہیئت قعود کی باقی نہیں رہتی اور اگر بعض ہیئت مراد ہے تو وہ رفع الیتین کی حالت میں بھی حاصل ہے دوسرے لازم آتا ہے کہ اسی طریق پر اس حدیث کے اس جزو سجد وھو قائم کے بھی یہ معنی ہوں کہ سجدہ کی وقت قیام بھی رہتا تھا حالانکہ یہ بالاتفاق باطل ہے۔ پس معلوم ہوا کہ حدیث کے یہ معنی نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ اکثر ایسا نہ کرتے تھے کہ رکوع و سجدہ کے قبل کھڑے ہو جاتے ہوں اور پھر قیام سے رکوع میں اور اس کے بعد سجدہ میں جاتے ہوں جیسا کہ گاہ گاہ ایسا بھی کرتے تھے جیسا کہ حدیث مذکور کے بعد ہی دوسری حدیث مسلم میں ہے قلت لعائشہ کیف کان یصنع فی الركعتین وھو جالس قالت کان یقرأ فیھا فاذا اراد ان یرکع قام فرکع رہ گئیں عبارات کتب فقہیہ سوان میں سے عبارت اولی یعنی من صلی قاعدا اور عبارت ثانیہ یعنی والاصل الخ اول تو محتاج تصحیح نقل ہیں مستدل کو ان عبارتوں کا پورا پتہ بتلانا چاہئے کہ کہاں سے نقل کی ہیں تاکہ ماخذ سے مطابق کیا جاوے دوسرے عبارت اولیٰ میں جو دلیل بیان کی ہے لان الیتہ فی صلوة القاعد الخ وہ دعویٰ مذکورہ پر منطبق نہیں ہوتی کیونکہ یہ اگر حالت سجدہ کا بیان ہوتا تو دلیل میں بجائے واذا رفع قدمیہ فی الصلوة القائم کے رفع قدمیہ فی السجد ہوتا۔ ورنہ قید فی صلوة القائم سے لازم آتا ہے کہ صلوة قاعد میں رفع قدمین فی السجد و مفسد صلوة نہ ہو۔ اور صلوة قائم میں ہو حالانکہ اطلاق دلائل مبطل تفاوت ہے اس سے غالب ظن یہ ہوتا ہے کہ اس عبارت میں فسجد ناقل یا کاتب کی غلطی ہے اور مطلب اس عبارت کا یہ ہے کہ حالت قیام حکمی میں رفع الیتین نہ کرے ورنہ وہ ایسا ہوگا جیسے قیام حقیقی میں کوئی شخص رفع قدمین کرے کہ مفسد صلوة ہے۔ اس تقریر پر یہ اس بحث ہی سے خارج ہے اور

عبارت ثانیہ میں تو لا یرفع الیہ کے ساتھ قید فی السجدة کی بھی مذکور نہیں پس اس سے بھی وہی مراد ہوگی کہ لا یرفع الیہ فی القیام الحکمی اور آگے جو مشبہ بہ کے ساتھ فی السجدة مذکور ہے سو وہ محتمل ہے کہ صرف لا یرفع رجلیہ کے ساتھ متعلق ہو اور تشبیہ محض فساد میں ہو اگر یہ احتمال متعین بھی نہ ہوتا ہم مستدل کو تو مضر ہے لانه اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال تیسرے متون و شروح و فتاوائے مشہورہ میں جو مطلقاً سجدة رجال کی ہیئت لکھی ہے وہ اس کے خلاف ہے اور بقاعدہ رسم المفتی وہ مقدم ہیں پس اگر عبارات مذکورہ کی صحت نقل اور دلالت دونوں مسلم ہوں تب بھی بوجہ تعارض روایات مشہورہ کے غیر مقبول اور غیر معمول بہا ہوں گی اور اخیر عبارت یعنی در المختار الخ بھی بوجہ موجود نہ ہونے عینی کے منطبق نہیں ہو سکتی غالباً اس کی نقل میں بھی کچھ غلطی رہی ہوگی جیسا کہ ہات کا مہمل ہونا اس پر دال ہے لیکن اس سے قطع نظر کر کے کہا جاتا ہے کہ اس بحث سے کچھ مس نہیں اس میں صرف کیفیت قعود کا بیان ہے اور احتراز ہے تربع وغیرہ سے بہر حال زید کا نہ دعویٰ درست نہ استدلال صحیح واللہ اعلم۔

یکم جمادی الاولیٰ ۱۳۲۲ھ

تحقیق حکم سجده بر تکیہ

سوال (۱۸۶) مسئلہ ذیل اور روایت ذیل میں تعارض معلوم ہوتا ہے اس کی تحقیق مطلوب ہے۔

مسئلہ..... سجده کرنے کے لئے تکیہ وغیرہ کوئی اونچی چیز رکھ لینا اور اس پر سجده کرنا نہ چاہئے۔ جب سجده کی قدرت نہ ہو تو بس اشارہ کر لیا کرے۔ تکیہ کے اوپر سجده کرنے کی ضرورت نہیں۔ بہشتی زیور مطبوعہ الامداد پریس باب صلوٰۃ المریض صفحہ ۶۸ حصہ دوم۔

روایت..... ولا یرفع الی وجہہ شیئا یسجد علیہ فانہ یکرہ تحریمہ در مختار۔ قولہ فانہ یکرہ تحریمہ۔ قال فی البحر و استدلال للکراہۃ فی المحيط بنہیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام عنہ وهو یدل علی کراہۃ التحریم اہ وتبعہ فی النہر اقول هذا محمول علی ما اذا کان یحمل الی وجہہ شیئا یسجد علیہ بخلاف ما اذا کان موضوعا علی الارض یدل علیہ ما فی الذخیرۃ حیث نقل عن الاصل الکراہۃ فی الاول ثم قال فان کانت الوسادۃ موضوعا علی الارض وکان یسجد علیہا جازت صلوٰۃ فقد صح ان ام سلمۃ کانت تسجد علی

مرفقة موضوعة بين يديها لعل كانت بها ولم يمنعها رسول الله صلى الله عليه وسلم من ذلك اه فان مفاد هذه المقابلة والاستدلال عدم الكراهة في الموضوع على الارض المرتفع ثم رايت القهستاني صرح بذلك ردالمحتار جلد اول ص ۵۰۹ باب صلوة المريض -

الجواب - في مراتي الفلاح وجعل إيماءه براسه للسجود اخفض من إيماء براسه للركوع وكذلك عجز عن السجود وقدر على الركوع يومى بهما لان النبي ﷺ عاد مريضا فراه يصلى على وسادة فاخذها ورمى بها فاخذ عودا ليصلى عليه فرمى به وقال صل على الارض ان استطعت والافأوم إيماء واجعل سجودك اخفض من ركوعك (رواه البزار والبيهقي عن جابر كذا في نصب الراية ج ۱ صفحہ ۳۰۴ قال المجيب) الى قوله فان فعل اى وضع شيئا فسجد عليه وخفض راسه للسجود عن إيماءه للركوع صح اى صحت صلوته لوجود الإيماء لكن مع الإساءة لما رويناه ج ۱ ص ۲۵۰ وفي حاشية الطحطاوى عليه قوله وجعل إيماءه للسجود اخفض تمييزا بينهما ولا يلزم أن يبالغ في الانحناء اقصى ما يمكنه بل يكفيه ادنى الانحناء فيهما نهر عن المجتبى ص

مذکور بہشتی زیور کی اس میں صریح تائید ہے پس تطبیق اس طرح ہو سکتی ہے کہ کراہت عدم عذر کی حالت میں ہو اور عدم کراہت عذر کی حالت میں ہو عذر یہ کہ بدون تکیہ کے جھکانے میں تکلیف ہو۔ وفي عبارة الحاشية نفى لما كتب في المكتوب السابق من لزوم اقصى ما يمكن من الانحناء فالنص يقضى على الرأ۔ (ترجیح خامس ص ۱۲۵)

تحقيق مذهب حنفية وراذعيه ماثوره بين السجدين وغيره

سوال (۱۸۷) عن ابن عباس رض ان النبي ﷺ كان يقول بين السجدين اللهم اغفر لي وارحمني واجبرني واهدني وارزقني رواه الترمذی ص ۶۸ مطبوعه اصح المطابع - حفيہ نے اس کو نوافل پر محمول کیا ہے اس کی دلیل قوی کیا ہے۔

الجواب - روى الشيخان عن ابى هريرة قال قال رسول الله ﷺ اذا صلى احدكم للناس فليخفف مشكوة باب ما على الإمام وفي ردالمحتار

تحت قول الدر المختار وليس بينهما ذكر مسنون مانصه بل فيه اشارة الى انه غير مكروه اذ لو كان مكروها لنهى عنه وعدم كونه مسنونا لا ينافي الجواز كالتسمية بين الفاتحة والسورة بل ينبغي ان يندب الدعاء بالمغفرة بين السجدة تين الخ وفيه عن الحلبة ان ثبت في المكتوبة فليكن في حالة الانفراد والجماعة والمأمومون محصورون لا يتثقلون بذلك جلد اول ص ۵۲۷ و ۵۲۸.

ان روایات کے استیعاب کے بعد معلوم ہو جائے گا کہ حنفیہ مکتوبات میں اور جماعت میں بھی مطلقاً منع نہیں کرتے بلکہ جب قوم پر ثقیل ہو جو خود حدیث متفق علیہ میں مصرح ہے اور سنیت کی نفی سے موکدہ کی نفی مقصود ہے سو اس میں کسی حدیث سے تعارض نہیں واللہ اعلم۔

۱۵ ربیع الاول ۱۳۲۵ھ (امداد ص ۸۶ ج ۱)

جواب شبہ جواز دعاء ماثورہ در قومہ وجلسہ

سوال (۱۸۸) قومہ اور جلسہ کی بابت بھی اسی رسالہ میں دعاء ماثورہ لکھی ہیں اور مسلم کی حدیث کا حوالہ دیا ہے اور امام صاحب فرائض میں منع فرماتے ہیں اگر مناسب ہو تو اس کی وجہ بھی ارشاد فرمائی جاوے۔

الجواب۔ مقدمہ اولیٰ..... فرائض میں اصل جماعت ہے۔ مقدمہ ثانیہ۔ بنص حدیث امام کو تخفیف صلوة کا حکم ہے۔ مقدمہ ثالثہ۔ ان اذکار میں تطویل مشاہد ہے۔ پس مجموعہ ثلاثہ مقدمات ثلاثہ دلیل ہے حمل علی التطوع کی اور تفصیل دونوں جوابوں کی مطولات میں ہے جس کو بقدر ضرورت اعلاء السنن میں بھی نقل کیا ہے۔ ۲۸ ذی الحجہ ۱۳۲۴ھ (تمتہ خامہ ص ۷۷)

نیت امامت

سوال (۱۸۹) اگر امام نیت اقتداء یعنی نماز مقتدیوں کی نہ کرے تو نماز ہوگی یا نہیں اور کس کی نیت کرنا اس پر چاہیے؟

الجواب۔ اگر امامت کی نیت نہ کرے گا تو امامت کا ثواب نہ ملے گا پس حصول ثواب امامت کے لئے تو امامت کی نیت ضرور ہے۔ رہا صحت صلوة مقتدی کے لئے پس اگر مقتدی مرد ہے تو ضرور نہیں اور اگر عورت ہو تو اگر وہ کسی مرد کے محاذی ہے تب اس کی صحت نماز کے لئے نیت امامت ضروری ہے اور اگر محاذی نہیں تو اس میں اختلاف ہے اور جنازہ میں بالاجماع اور

جمعہ اور عیدین میں بنا بر قول صحیح نیت اس کے اقتداء کی شرط نہیں۔

والإمام ينوي صلوته فقط ولا يشترط لصحته الاقتداء نية امامة المقتدى بل
لنيل الثواب لوام رجالاً وان ام نساء فان اقتدت به المرأة محاذية لرجل في
غير صلوة جنازة فلا بد لصحة صلوتها من نية امامتها وان لم تقتد محاذية
اختلف فيه فقل يشترط وقيل لا كجنازة إجماعاً و كجمعة وعيد على الأصح.
در مختار والله اعلم۔ (امداد ص ۱۰۲ ج ۱)

تحقیق وجوب قراءۃ در اولین فرض و ضم سورۃ در آخرین مع دیگر متعلقہ بآں

سوال (۱۹۰) اے علمائے دین و مفتیان شرع متین فرض ظہر و عصر میں قرأت شفع اولیٰ
میں فرض ہے یا آخریٰ میں یا مطلق دو رکعتوں میں اگر اولیٰ میں فرض ہے تو جس شخص نے آخریٰ میں
قرأت قصداً ترک کیا اس کی نماز صحیح ہوگی یا نہیں۔ اور جس شخص نے سہواً ترک کیا اس پر سجدہ سہو
واجب ہے یا نہیں۔ اگر کسی شخص نے شفع ثانی میں قصداً یا سہواً سورہ بعض سورہ فاتحہ کے بعد پڑھا تو
اس پر کس صورت میں سجدہ سہو واجب ہے کس صورت میں نہیں۔ اگر کسی شخص نے شفع اولیٰ میں
قصداً یا سہواً ضم سورہ ترک کیا تو وہ شخص کس صورت میں شفع ثانی میں سورہ قضا کرے گا
اور بر تقدیر قضا کے نماز سری و جہری دونوں میں قضا کرے گا یا ایک میں اور کس صورت میں اس
پر سجدہ سہو واجب ہوگا۔ نماز صبح میں ضم سورہ رکعتین میں واجب ہے یا رکعت واحدہ میں نماز ظہر
میں ضم سورہ کن رکعتوں میں واجب ہے جو سنت چار رکعت کی ہے اس میں قرأت چاروں رکعت
میں فرض ہے یا شفع اولیٰ یا ثانی یا بعض میں اور ضم سورہ کل رکعتوں میں واجب ہے یا بعض میں اور
کس رکعت میں ترک ضم سورہ سے سجدہ واجب ہوتا ہے۔ جو شخص فرض ظہر یا عصر کی چوتھی رکعت
میں شریک ہوا وہ تین رکعت باقی کس طور سے ادا کرے کتنی رکعتوں کے بعد جلسہ کرے کن
رکعتوں میں ضم سورہ کرے کونسی رکعت بدون سورہ کے پڑھے اور جو شخص تیسری رکعت میں شریک
ہوا وہ رکعت باقی کس طور سے ادا کرے جو مغرب کی تیسری رکعت میں امام کے ساتھ شریک ہو
اور وہ اپنی دو رکعت باقی کس طور سے ادا کرے جلسہ اور ضم سورہ کن رکعت میں کرے فقط جواب
بند کتاب تحریر ہو۔ بینوا عند اللہ تو جروا۔؟

الجواب۔ فرض نماز میں دو پہلی رکعتوں میں قرأت واجب ہے آخرین میں اختیار ہے خواہ
قرأت پڑھے یا تسبیح کہے یا ساکت رہے۔ والقراءة فی الفرض واجبة فی الركعتین وهو

مخیر فی الاخرین ہدایہ پس آخرین میں اگر قصد اُقرأت ترک کرے تو نماز صحیح ہے اور اگر سہواً ترک کرے جب بھی قول رائج پر نماز صحیح ہے اور سجدہ سہو واجب نہیں ولہذا لا یجب السہو بترکھا فی ظاہر الروایۃ ہدایہ۔ اور شفع ثانی میں قصد اُیا سہواً فاتحہ کے بعد سورہ یا بعض سورہ کے ملانے سے سجدہ سہو واجب نہیں یہ خلاف اولیٰ ہے واکتفی فیما بعد الاولین بالفاتحۃ فانہا سنۃ فی ظاہر الروایۃ ولو زاد لباس بہ درمختار۔ فکان الضم خلاف الاولیٰ رد المحتار۔ اگر شفع اولیٰ میں قصد اُضم سورہ ترک کیا تو ترک واجب عمداً ہوا نماز مکروہ تحریمی ہوگی اعادہ واجب ہوگا اور سجدہ سہو کا فی نہیں اور اگر سہواً اُیا کیا تو آخرین میں بعد فاتحہ کے سورہ پڑھ لے اور جہری نماز میں فاتحہ و سورہ ہر دو جہر سے پڑھے وان قرا الفاتحۃ ولم یزد علیہا قرأ فی الاخرین الفاتحۃ والسورۃ وجہر ویجہر بہما ہدایہ اور سجدہ سہو واجب ہوگا اور سری اور جہری دونوں کا ایک حکم ہے۔ نماز صبح میں دونوں رکعتوں میں قرأت فرض ہے اور ظہر و عصر کے شفعہ اولیٰ میں فرض ہے لما مر من الہدایۃ ان القراءۃ فی الفرض واجبۃ فی الرکعتین۔ سنن رباعیہ میں چاروں رکعت میں قرأت فرض ہے والقراءۃ واجبۃ فی جمیع رکعات النفل۔ ہدایۃ اور ضم سورہ بھی چاروں میں واجب ہے اگر ایک میں بھی سہواً ترک کرے گا سجدہ سہو واجب ہوگا۔ جس کی ایک دو رکعت امام کے ساتھ فوت ہوگئی ہو اس کو مسبوق کہتے ہیں اس کی باقی نماز حق قرأت میں اول ہوتی ہے اور حق تشہد میں آخر و یقضی اول صلوٰۃ فی حق قرأت و آخر ہانی حق تشہد۔ درمختار۔ پس جو شخص ظہر یا عصر میں چوتھی رکعت میں شریک ہوا بعد فراغ امام کے کھڑا ہو کر ثنا و تعوذ پڑھ کر فاتحہ و سورہ پڑھے اور یہ رکعت پوری کر کے قعدہ کرے پھر کھڑا ہو وہ رکعت بھی فاتحہ و سورہ سے پڑھ کر کچھلی رکعت فقط فاتحہ سے پڑھ کر نماز تمام کرے اور جو تیسری میں شریک ہوا وہ دونوں رکعتیں فاتحہ و سورہ سے پڑھے اور ان دونوں کے بیچ میں جلسہ نہ کرے دونوں کے بعد قعدہ اخیرہ کر کے فارغ ہو جو مغرب کی تیسری میں شریک ہوا وہ دونوں میں فاتحہ و سورہ پڑھے اور ہر رکعت پر بیٹھے۔ واللہ اعلم۔ (امداد ص ۱۰۷ ج ۱)

نماز کے اندر سرین و ران اور گھٹنا تین عضو ہیں یا دو

سوال (۱۹۱) مردوں کی ناف سے گھٹنے تک بدن چھپانا فرض اور نماز میں چوتھائی عضو برہنہ ہو جانا مفسد صلوٰۃ ہے تو آیا گھٹنا علیحدہ اور سرین و فخذ وغیرہ علیحدہ عضو ہیں یا یہ سب مجموعہ ایک ہے؟

الجواب۔ سرین ایک عضو ہے اور فخذ و رقبہ ملا کر ایک عضو۔ فقط (تمہ اولیٰ ص ۳۵)

کپڑوں پر ناپاکی دیکھنے والے کو کتنے وقت کی نماز کا اعادہ کرنا چاہئے

سوال (۱۹۲) ایک شخص نے بروز جمعہ کپڑے بدلے اور بروز شنبہ ان کپڑوں پر ناپاکی لگی ہوئی دیکھی تو اس شخص کو کتنی نمازیں لوٹانا ہوں گی؟

الجواب۔ فی الدرالمختار۔ فصل البیرو جد فی ثوبہ منیا الی قوله اعادہ من اخر احتلام ای من اخر نوم۔ کما فی ردالمحتار۔ اس سے معلوم ہوا کہ اخیر سونے سے جواٹھا ہے اس وقت سے نمازیں لوٹا دے۔ فقط ۳۰ رجب ۱۳۲۹ھ (تمہ اولیٰ ص ۳۶)

سوال (۱۹۳) ایک شخص رات کو جو کپڑا پہن کر سوتا ہے صبح کو اس کپڑے میں ناپاکی کا اثر پایا گیا اس کو یہ معلوم نہیں کہ کتنے روز سے یہ نہانے کی حاجت ہوئی ہے اب وہ شخص کتنے روز کی نمازیں دہراوے اور وہ شخص بہت پریشان ہے۔

الجواب۔ وجد فی ثوبہ منیا او بولاً او دماً اعاد من اخر احتلام و بول و رعا ف کذا فی الدرالمختار و فی ردالمحتار فی بعض النسخ اخر نوم و هو المراد بالاحتلام لان النوم سببه کما نقله فی البحر ج ۱ ص ۲۲۶۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ آخری سونے سے نماز لوٹا دے یعنی اگر سو کر اٹھا فجر کو دیکھا ہے تو یہ سمجھیں گے کہ اسی شب میں احتلام ہوا ہے غسل کر کے فجر پڑھے اور اگر فجر پڑھنے کے بعد دیکھا ہے تو فجر کی نماز لوٹا دے۔ ۲۴ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۳ھ

امام کے لئے جہر بالتکبیر سنت ہے واجب نہیں

سوال (۱۹۴) اگر امام کے سہو سے تکبیرات انتقالات میں کسی تکبیر کو جہر سے نہ کہا خفیہ کہا اس سے سجدہ سہولازم آوے گا یا نہیں؟

الجواب۔ نہیں کیونکہ امام کو جہر کرنا تکبیرات کا سنت ہے۔ کذا فی الدرالمختار فی سنن الصلوٰۃ حیث قال وجہر الإمام بالتکبیراھ فقط

۱۶ شعبان ۱۳۲۹ھ (تمہ اولیٰ ص ۳۸)

تشہد کے وقت رفع سبابہ کی حکمت

سوال (۱۹۵) التحیات میں جو انگشت شہادت اٹھائی جاتی ہے اس کی کیا بنیاد ہے۔

شارع اسلام نے کوئی وجہ بیان فرمائی ہے یا نہیں۔

الجواب۔ توحید کا اشارہ ہے جو شیطان کو بروئے روایات ناگوار ہوتا ہے۔

سوال (۱۹۶) رفع سبابة کو سلام کے وقت تک رکھنے کی کیا دلیل ہے میں نے بہت تلاش کی مگر نہ ملی بلکہ مولانا عبدالحی صاحب نے التعلیق المجد میں ملا علی قاری کے حوالہ سے یہ نقل کیا ہے۔
والصحيح المختار عند جمهور اصحابنا ان يضع كفيه على فخذه ثم عند وصوله الى كلمة التوحيد يعقد الخنصر والبنصر ويحلق الوسطى والا بهام ويشير بالمسبحة رافعا لها عند النفی واضعا عند الاثبات ثم يستمر على ذلك لانه ثبت العقد عند ذلك بلا خلاف ولم يوجد امر بتغيره فالاصل بقاء الشیئی علی ما هو علیہ۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رفع سبابة صرف نفی کے وقت ہونا چاہئے بعدہ اس کا وضع چاہئے اور اسی طرح حلق مع وضع سبابة اخیر صلوٰۃ تک چاہئے اور جو حدیث ترمذی کے ابواب الدعاوات میں ہے اس سے رفع سبابة الی آخر الصلوٰۃ ظاہر نہیں ہوتا بلکہ اس سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ قبض اصابع و بسط سبابة اخیر صلوٰۃ تک چاہئے بہر کیف رفع سبابة الی آخر الصلوٰۃ کی کوئی روایت باوجود سعی کے نظر سے نہ گزری۔؟

الجواب۔ واقعی بقاء اشارہ میں روایت ترمذی کی صریح نہیں گو محتمل ہے اور ملا علی قاری کی عبارت کا مدلول بھی واقعی قبض اصابع و بسط سبابة ہی کا بقاء ہے نہ کہ اشارہ کا پس بہشتی زیور کے مضمون سے رجوع کرتا ہوں اور اس کو اس طرح بدلتا ہوں تشہد میں لا الہ کے وقت انگلی اٹھاوے اور لا اللہ پر جھکاوے مگر عقد اور حلقہ کی ہیئت کو آخر نماز تک باقی رکھے۔ و جزا کم اللہ علیٰ هذا التنبيه۔
یکم صفر ۱۳۳۵ھ (ترجیح ص ۲۵ ج ۲)

سوال (۱۹۷) سائل..... ایک طالب علم سے مسموع ہوا کہ جناب والا نے بقاء اشارہ الی آخر القعدتین سے رجوع فرمایا ہے بندہ کو اس میں شبہ ہے جو بغرض حل عرض ہے امید کہ جواب سے سرفراز فرما کر ممنون فرمایا جاوے۔ تقریر شبہ کی یہ ہے کہ رفع عند النفی و وضع عند الاثبات جسے صاحب محیط و برہان و درمختار و علی متقی و ملا علی قاری اور ان کے اتباع میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی و مولانا عبدالحی لکھنوی وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ نے اختیار فرمایا ہے اس کا ثبوت کسی حدیث یا اثر یا روایت عن الائمہ سے نہیں ملتا سوائے اس کے کہ شمس الائمہ حلوانی سے مروی ہے

اور نکتہ رفع للنفسی وضع للاثبات کو متضمن ہے۔

مجیب..... شمس الائمہ حلوانی حسب تصریح شامی فقہاء کے طبقہ ثالثہ سے ہیں کہ ہمارے لئے ان کا بلکہ ان کے مابعد والوں کا قول بھی حجت ہے چنانچہ درمختار میں ہے واما نحن فعلینا اتباع مارحجوه وما صححوه الخ۔ پھر دوسرے مصنفین کثیرین کا نقل کرنا دال ہے کہ یہ قول منصور اور معتمد ہے شاذ یا مرجوح نہیں اس لئے صاحب تزئین العبارة نے اس کو جمہور کا قول کہا ہے عبارتہ ہکذا وقالو (ای جمہور علماءنا) یرفع المسبحة عند قول لا اله و یضعها عند قول الا الله الخ ص ۳۔ اور ایک جگہ کہا ہے الصحيح المختار عند جمہور اصحابنا انه یضع الی قوله ویشیر المسبحة رافعا لها عند النفسی واضعا لها عند الإثبات ص ۱۷۔ پس ہم کو مقلد ہونے کی حیثیت سے ان کی مخالفت یا ان سے مطالبہ دلیل کی گنجائش نہیں۔ فی رد المحتار تحت قول الدر المختار کما لو افتونا فی حیاتهم مانصہ ای کما نتبعهم لو کانوا احياء وافتونا بذلك فانه لا یسعنا مخالفتهم۔ ج ۱ ص ۸۰۔ البتہ اگر اس کے مقابل مذہب میں دوسرا قول بھی منقول ہوتا تو اس کی ترجیح ممکن تھی یا کوئی صحیح و صریح حدیث اس کے خلاف ہو تو اس قول کا ترک واجب ہوتا اور اگر روایات حدیثیہ میں غور کیا جاوے تو تخصیص اشارہ بوقت تہلیل کا پتہ بھی لگتا ہے فی تزئین العبارة عن معاذ بن جبل وفيه یشیر باصبعه اذا دعا رواه الطبرانی فی الکبیر ص ۹ اور دعاء کی تفسیر تشہد کے ساتھ مسلم ہے اور ظاہر ہے کلمہ اذا توقيت کے لئے ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اشارہ صرف تہلیل کے وقت تھا پس تہلیل کے ختم پر اشارہ بھی ختم ہو جاوے گا۔ اور یہی حاصل ہے رفع عند النفسی وضع عند الاثبات کا اور ابوداؤد و نسائی کی روایت میں ہے (رافعا اصبعه السبابة وقد حناها شیئا ای امالها تزئین ص ۸۔ اور اشارہ میں انگلی کا سیدھا ہو جانا مشاہد ہے پس یہ انحاء اس وقت ہو سکتا ہے کہ اشارہ تو نہ رہے لیکن ہیئت عقد کی باقی رہے پس اس سے دو امر ثابت ہوئے ایک اشارہ کا آخر تک مستمر نہ رہنا دوسرے عقد کا مستمر رہنا پھر عدم استمرار اشارہ کی تفسیر اوپر کی حدیث اذا دعا سے ہو گئی۔

سائل۔ بخلاف ابقاء اشارہ الی آخر القعدتین کے کہ اس کے ثبوت میں متعدد وجوہ ذہن میں آتے ہیں جن میں چند عرض ہیں۔ وجہ اول روایت ترمذی مندرجہ وجہ ثانی کو ملا علی قاری رحمہ اللہ الباری تزئین العبارة میں نقل کر کے فرماتے ہیں وروی ابو یعلیٰ نحوہ ای نحو ماروی الترمذی الا فی الوجه الثانی) وقال فیہ بدل بسط یشیر بالسبابة

انتہیٰ و ہکذا نقل الشامی فی رفع التردو عن تزئین العبارة - یہ حدیث ابویعلیٰ آنحضرت ﷺ کے اشارہ کو آخر سلام تک باقی رکھنے پر صراحتہ دال ہے۔

مجیب۔ اس روایت کی مجھ کو تحقیق نہیں اگر یہ قواعد کے موافق قابل احتجاج ہو تو بے شک اس پر عمل اور اس قول مشہور کا ترک ضروری ہے اور جب تک احتجاج ہونا ثابت نہ ہو تو اس کا وجود کالعدم ہے اور اس قول کے ترک کی کوئی وجہ نہیں تو روایت ابویعلیٰ کے رجال کی تحقیق کرنا چاہئے۔

سائل۔ وجہ ثانی عن عاصم بن کلیب عن ابیہ عن جدہ قال دخلت علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وهو یصلی وقد وضع یدہ الیسری علی فخذہ الیسری و وضع یدہ الیمنی وقبض اصابعہ وبسط السبابة وهو یقول یمقلب القلوب ثبت قلبی علی دینک رواہ الترمذی - یہ روایت بھی روایت ابویعلیٰ کی موید ہے اس لئے کہ عند العقد والحلیق سبابہ ذرا خمیدہ ہو جاتی ہے بسط تام نہیں رہتا تا وقتیکہ ذرا اٹھائی نہ جائے۔

مجیب۔ یہ تو مشاہدہ کے خلاف ہے۔

سائل۔ پس اس روایت کا بھی مطابقی نہ سہی التزامی مدلول استمرار اشارہ ہوگا یہی وجہ ہے جو رواۃ ماتحت میں سے کسی نے یشیر بالسبابة سے اور کسی نے بسط السبابة سے تعبیر کر دیا۔

مجیب۔ اس کے مبنیٰ کا خلاف مشاہدہ ہونا مذکور ہو چکا۔

سائل۔ وجہ ثالث۔ عن ابن عمر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا جلس فی الصلوٰۃ وضع یدیہ علی رکبتیہ ورفع اصبعہ الیمنی تلی الا بہام و دعابہا لحديث رواہ مسلم و ابوداؤد و الترمذی۔ وفي شرح معانی الآثار عن وائل بن حجر الحضرمی۔ فلما قعد عقد اصابعہ وجعل حلقة بالابہام والوسطی ثم جعل یدعوبا الاخری۔

یہ احادیث بھی دعاء کے وقت اشارہ کرنے پر دال ہیں اور اگر احادیث مذکورہ میں دعاء سے دعاء آخر صلوٰۃ نہ مراد لی جاوے اور دعا بمعنی تشہید یا تہلیل مراد لی جاوے تب بھی رفع عند النفی وضع عند الاثبات درست نہیں ہوتا اس لئے کہ طحاوی وغیرہ نے ثم جعل یدعوبا الاخری روایت کی جو استمرار پر دال ہے اور یہ اس میں مقصود ہے۔

مجیب۔ دلالت علی الاستمرار غیر مسلم ہے۔

سائل۔ وجہ رابع امام طحاویؒ حدیث ثم جعل يدعوا بالآخری سے عدم تورک فی القعدة الاخيرة پر استدلال کرتے ہیں اور یہ تب ہی مستقیم ہو سکتا ہے کہ حدیث ثم جعل يدعو میں دعاء آخر صلوٰۃ مراد ہو پس اس سے طحاوی کا بھی استمرار اشارہ الی آخر الصلوٰۃ کا قائل ہونا لازم آئے گا۔ فی شرح معانی الآثار قال ابو جعفر فهذا يوافق ما ذهبوا اليه من ذلك و فی قول وائل ثم عقد اصابعه يدعو دليل على انه كان فی آخر الصلوٰۃ۔

مجیب۔ يدعو کی تفسیر میں طحاوی کا قول حجتہ لازمہ نہیں۔

سائل۔ وجہ خامس۔ عن بشرانه سمع ابن عمر يقول ان رفعكم ايديكم فی الصلوٰۃ لبدعة واللہ ما زاد رسول اللہ ﷺ علی هذا یعنی باصبعہ۔ رواہ ابن ابی شیبہ۔ اس اثر سے معلوم ہوا کہ اشارہ فی الصلوٰۃ قائم مقام رفع یدین کے ہے اور ظاہر ہے کہ رفع یدین مع بسطہما سوال کے لئے موضوع ہے نہ کہ تہلیل کے لئے کہ عادۃً سائل مسئلہ عنہ کی طرف ہاتھ پھیلا کر مانگتا ہے اور شریعت نے بھی اسے آداب دعا میں شمار کیا ہے پس رفع یدین کا محل سوال ہی ہوگا جس سے لازم آئے گا کہ اس کے نائب مناب (اشارہ بالسبابہ) کا محل بھی سوال یعنی دعاء آخر صلوٰۃ ہی ہو۔ یہ اور بات ہے کہ تہلیل مقدمہ دعاء کا ہو کر کا لجزء ہو جانے کی وجہ سے وہ بھی محل رفع یدین میں داخل ہوگئی اور اس کے واسطہ سے محل میں اس کے نائب کے بھی داخل ہوگئی اس لئے ابتداء تہلیل ہی سے حکم اشارہ ہوا۔ علاوہ ازیں اشارہ میں جہۃ نیابة لرفع الیدین کے ساتھ ایک دوسری جہۃ اشارۃ (فعلیہ) الی التوحید والإخلاص کی تھی کہ بہیقی نے روایت کی ان النبی ﷺ کان یشیر بها للتوحید اور ابن تیمیہ سے مروی ہے۔ سئل ابن عباس عن تحریک الرجل اصبعہ فی الصلوٰۃ قلل ذلك الإخلاص۔ لہذا ابتداء تہلیل ہی سے حکم ہوا کہ ادب دعاء ادا ہونے کے ساتھ ایک دوسری غایت یعنی اشارہ الی التوحید والإخلاص بھی حاصل ہو کر قول وفعل میں مطابقت ہو جاوے پھر لطف یہ کہ ان مقصدوں کے ساتھ اور فوائد بھی مثل انقطاع طمع شیطان لا ضلالہ العبد وإلقائه فی الشرک۔ و رفع سہو وقمع شیطان و تخويف شیطان بھی مترتب ہوتے ہیں کہ وارد ہوا الہی ای الإشارة اشد علی الشیطان من الحديد۔ رواہ البیہقی اور وارد ہوا ہی مذبة الشیطان لا یسہو احدکم مادام یشیر

باصبعہ اور وارد ہوا تحریک الاصابع فی الصلوٰۃ مذعرۃ الشیطان - رواہ البیہقی۔ الحاصل اشارہ بالمسبحہ قائم مقام رفع یدین للدعاء ہونے کی وجہ سے آخر سلام تک باقی رہے گا۔

مجیب۔ ابن عمر کا قول اس میں صریح نہیں یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ حرکت رفع یدین ہیئت صلوٰۃ کے منافی ہے کیونکہ حضور ﷺ سے نماز میں اتنی حرکت سے زیادہ ثابت نہیں پھر خواہ یہ حرکت کسی موقع پر ہو اس سے روایت ساکت ہے اور دوسری روایات مبین ہیں کہ تشہد کے وقت تھی باقی احادیث مذکورہ وجہ ہذا کو اگر ثابت بھی ہوں مانحن فیہ سے کوئی مس نہیں اور حدیث اخیر کو تو ابن حجر نے ضعیف بھی کہا ہے۔ کما فی المرقاۃ جلد اول ص ۵۵۵۔ اور سائل نے جو تہلیل کو مقدمہ دعائے اخیر صلوٰۃ ہونے کا سبب محل اشارہ ٹھیسرایا ہے اگر یہ امر صحیح ہوتا تو قعدہ اولیٰ میں اشارہ نہ ہوتا کہ وہاں تہلیل مقدمہ دعاء نہیں ہے وہو کما تری۔ دوسرے دعائے آخر صلوٰۃ موکد نہیں تو لازم آتا ہے کہ اس کے ترک پر اشارہ عبث ہو وہو کما تری۔

سائل۔ وجہ سادس جبکہ احادیث صحیحہ کثیرہ و آثار صحابہؓ سے سنّیت اشارہ ثابت ہو گئی اور اس کے مقابلہ میں کوئی حدیث یا اثر صحیح کیا ضعیف بھی ایسا نہیں پایا گیا جو سنّیت اشارہ کا رافع ہو تو قیاس جلی یوں چاہتا ہے کہ سنّیت اشارہ آخر قعدہ تک یوں ہی مستمر و باقی رہے کہ اصول کا مسئلہ ہے شئے اپنی حالت سابقہ پر باقی رہتی ہے۔ تا وقتیکہ کوئی امر مغیر نہ پایا جاوے پس حکم سنّیت اشارہ آخر قعدہ تک مستمر و باقی رہے گا۔

مجیب۔ یہاں مغیر نہ پایا جانا یقینی نہیں طبقہ ثالثہ کا فتویٰ دلیل ظنی ہے وجود مغیر کی دوسرے ایک قیاس اس کا معارض بھی ہے وہ یہ کہ اصل عدم اشارہ ہے اور اشارہ للعارض ہے پس ارتفاع عارض سے اشارہ مرتفع ہو جاوے گا جیسا رفع یدین کہ اصل نماز میں اس کا عدم ہے مگر عارض انتقال سے اس کا تحقق ہوتا ہے پھر اس کے ارتفاع سے وہ رفع بھی مبدل بوضع یا ارسال ہو جاوے گا۔ ورنہ سائل کے قیاس کا مقتضی یہ ہے کہ مثلاً وتر کی رکعت ثالثہ میں جو بعد قرأت کے رفع یدین کیا جاتا ہے اور اس کے بعد وضع یا ارسال روایات میں منقول نہیں تو چاہیے کہ وہی ہیئت رفع کی رکوع کے وقت تک مستمر رکھے اور قنوت اسی ہیئت..... رفع کی حالت میں پڑھا جاوے۔ فافہم۔ البتہ اس قیاس سے تزئین میں استمرار ہیئت عقد میں کام لیا ہے ویشیر بالمسبحۃ رافعاً لها عند النفی وواضعاً لها عند الإثبات ثم یستمر علی ذلک

ثبت العقد عند الإشارة بلا خلاف ولم يوجد امری غیره فالاصل بقاء الشیئی ما هو علیہ۔ واستصحابہ الی اخر امرہ وماله الیہ هذا ص ۷۱۔ اور اس قیاس کا کوئی معارض بھی نہیں بلکہ ترمذی کی حدیث اس کی مؤید ہے۔ پس استمرار عقد میں اس قیاس پر عمل ہوگا۔

سائل۔ وجہ سابع۔ ایسے ہے جب کہ ہمارے ائمہ ثلاثہ ابو حنیفہ۔ صاحبین رحمہم اللہ سے حکم سنیت اشارہ بروایت معتبرہ ثابت ہو گیا اور اس کے مقابلہ میں کوئی رافع نہیں پایا گیا تو حکم سنیت اشارہ بنا بر مذہب ائمہ کے بھی آخر تک باقی رہے گا۔

مجیب۔ فیہ ما قدم فی الجواب عن الوجه السابق۔

التماس۔ (۱) ترئین العبارت اگر وہاں ہو تو تکلیف فرما کر یہاں عاریۃ بھیج دیجئے۔ (۱) اس کا مطالعہ ضروری معلوم ہوتا ہے۔ (۲) یہاں کتابیں نہیں ہیں مجھ کو روایت مذکورہ وجہ اول سے کچھ تردد ہو گیا۔ اگر وہاں کے حضرات سے سب اجزاء کی تحقیق کر کے اخیر بات طے کر لی جاوے میں اس کا اتباع کروں گا۔ ۱۶ جمادی الاول ۱۳۳۵ھ (ترجیح ۵ ص ۶)

سوال (۱۹۸) بہشتی زیور حصہ دوم میں لکھا ہے کہ تشہد پڑھتے وقت جب کلمہ پر پہنچے تو بیچ کی انگلی اور انگوٹھے سے حلقہ بنا کر کلمہ کی انگلی کو اٹھا دیوے اور سلام پھیرنے تک اسی طرح اٹھائے رہے لیکن یہاں کے چند ملا صاحبان اس پر معترض ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ طریقہ شافعی مذہب کا ہے حنفی مذہب میں آخر تک انگلی کو اٹھا رکھنا کسی کتاب میں نہیں ہے چنانچہ ان لوگوں نے اردو کی کئی ایک کتابیں مجھے دکھلائیں (جن میں شامی و کبیری وغیرہ کا حوالہ ہے) جس میں لکھا ہے کہ بروقت کہنے اشہد ان لا الہ کے انگلی کلمہ کی اٹھاوے اور جب الا اللہ زبان سے کہے اس وقت انگلی کو گرا دے۔

الجواب۔ ذرا جھکا دے یہ معنی ہیں گرانے کے اور حلقہ بنائے رکھے اور بالکلیہ نہ گراوے۔ صرح بہ ملا علی القاری فی رسالۃ تزئین العبارۃ بتحسین الإشارة۔ ۱۴ جمادی الثانی ۱۳۳۳ھ (تمتہ ثالثہ ص ۴۱)

رفع سبابہ در تشہد زناں را

سوال (۱۹۹) عورتیں تشہد میں رفع سبابہ کریں یا نہ کریں اگر ان کے لئے بھی رفع کا حکم

(۱) چنانچہ وہ رسالہ مل گیا اس کو دیکھ کر جواب ہذا میں کہیں کہیں اضافہ بھی واقع ہوا ہے۔ ۱۲ منہ

ہو جیسا کہ ظاہر یہی ہے تو بہشتی زیور میں لکھ دینا چاہئے۔ یہ امر زیادت تستر کے ضرور خلاف ہے لیکن کسی نے اس جگہ فرق بین الرجال والنساء نہیں لکھا۔؟

الجواب۔ چونکہ فقہاء نے باب صفة الصلوٰۃ میں التزام کیا ہے کہ جن احکام میں مرد اور عورت میں تفاوت ہے اس کی تصریح کر دی ہے اور رفع سبابہ میں اس کی تصریح ہے یہ دلیل ہے اس کی کہ یہ حکم مشترک ہے رہا شبہ زیادت تستر کے خلاف ہونے کا سوزعیف ہے کیونکہ رفع یدین عند التحريم بالاتفاق مشروع و مسنون ہے اور یقیناً اس میں اشارہ بالسبابہ سے زیادہ کشف ہے۔ فقط (امداد ص ۳۱ ج ۱)

حکم محاذات اقدام در حالت قیام

سوال (۲۰۰) (الف) صفحہ ۲۰۲ جلد ۱۲ الہادی بابت جمادی الثانی ۱۳۵۲ھ سطر ۸ میں ہے۔ حضرت انسؓ کی روایت سے حوالہ دیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی تاکید سے سب لوگ صف کو سیدھا کرتے تھے۔ پس ہم میں سے ہر ایک اپنے مونڈھے کو اپنے برابر کے مونڈھے سے ملاتا تھا اور اپنے قدم کو اس کے قدم سے۔ اس کے علاوہ بھی بہت تاکید لکھی ہوئی ہے مگر ہم ہر جگہ دیکھتے ہیں اس کا کہ تو کوئی خیال ہی کرتا ہے اور نہ ہمارے علماء کبھی تاکید کرتے ہیں اگر کوئی بہت محتاط عالم کبھی تاکید بھی کرتے ہیں تو اس سے زیادہ نہیں کہ مونڈھے سے مونڈھا ملالو قدم کا ذکر کبھی نہیں سنا۔؟

الجواب۔ کیا یہ بھی لکھا ہے کہ وہ اخیر تک ملا رہتا تھا کیا یہ ممکن نہیں کہ صف سیدھا کر نیکی لئے قدم کو قدم سے ملا کر دیکھتے ہوں پھر اپنی حالت پر چھوڑ دیتے ہوں خلاصہ میرے سوال کا یہ ہے کہ محاذۃ یا الزاق جو حدیثوں میں آیا ہے اس کا مدلول لغوی محاذۃ یا الزاق کا حدوث ہے یا ان کا بقاء۔ ۲۷ صفر ۱۳۵۲ھ (النور ص ۱۰ اشوال المکرم ۱۳۵۱ھ)

حد الانحراف عن القبلة کہ مفسد صلوٰۃ نباشد

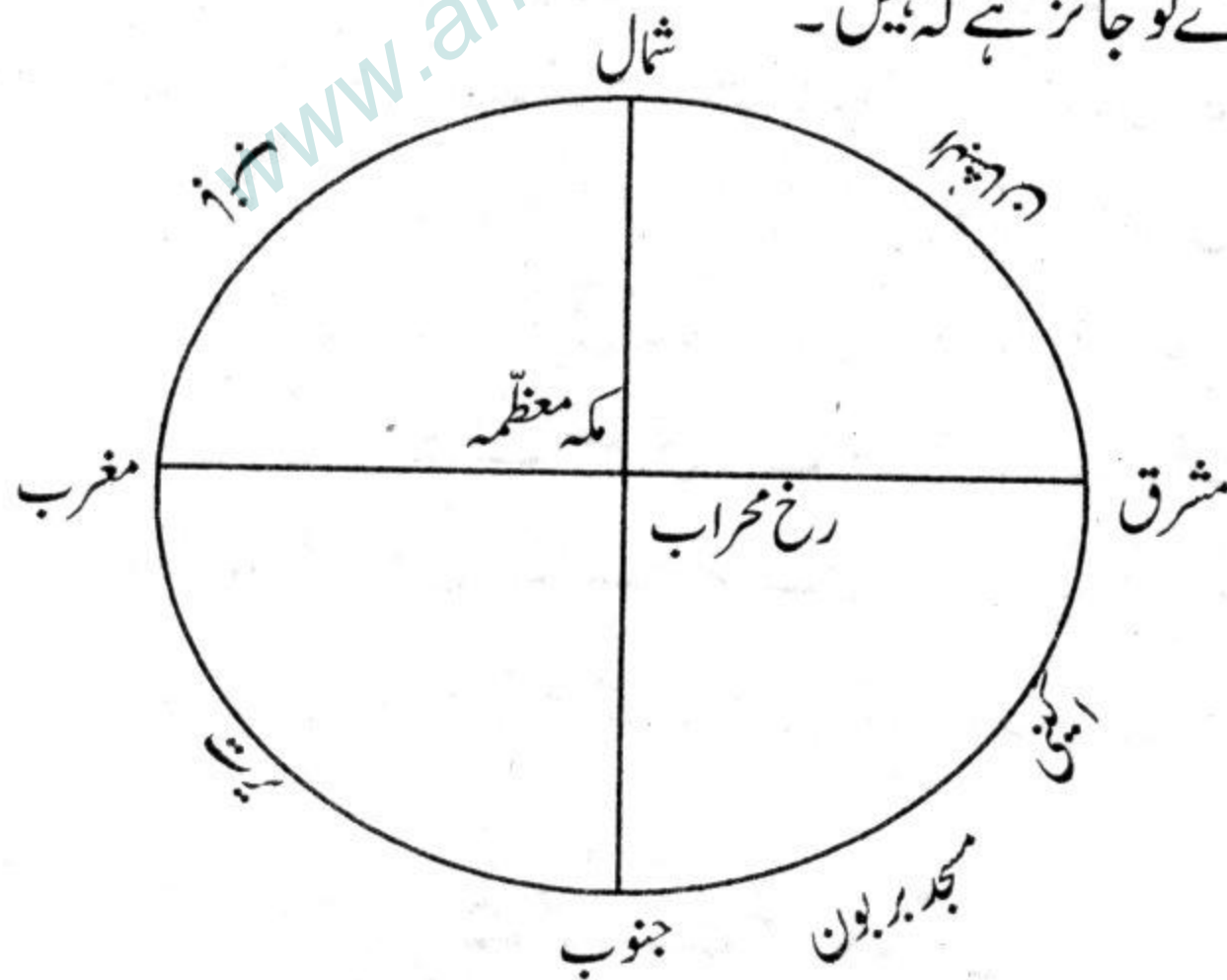
سوال (۲۰۰) قائمۃ قائمۃ قائمۃ قائمۃ

فی رد المحتار وکان الخط الخارج من جبین المصلی یصل علی استقامة (۱) الی هذا الخط المار علی الکعبۃ فانہ بهذا الانتقال لا تنزل المقابلة

بالکلیۃ لان وجه الانسان مقوس ثم قال المفهوم مما قدمناه عن المعراج والدرر من التقييد بحصول زاويتين قائمتين عند انتقال المستقبل لعین الکعبۃ یمیناً او یساراً انه لا یصح لو كانت احدهما حادة والاخرى منفرجة بهذه الصورة کعبہ مصلی وفيه الانحراف الیسیر لا یضر وهو الذی یبقى معه الوجه او شیئی من جوانبه مسامتاً للکعبۃ اولهوائها بان یشرج الخط من الوجه او من بعد جوانبه ویمر علی الکعبۃ او هو انھا مستقیماً ولا یلزم ان یشرج الخارج علی استقامة خارجاً من جهة المصلی بل منها او من جوانبها کما دل علیه قول الدرر من جبین المصلی فان الجبین طرف الجبهة وهما جبینان۔ ج ۱ ص ۳۰۰ و ص ۳۰۱ شب ۲۷ / صفر ۱۳۳۱ھ (تتمۃ ثانیہ ص ۱۸)

حد انحراف قبلہ کہ مفسد صلوٰۃ نباشد

(۲۰۱) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد ملک افریقہ میں بمقام شہر بربون واقع ہے۔ حسب نقشہ ذیل لہذا اس صورت میں جس جانب کہ رخ محراب کا واقع ہے اگر نماز پڑھی جاوے تو جائز ہے کہ نہیں۔



صورت مسجد کی یہ ہے۔ غلطی سے یہ اس رخ پر بنادی گئی۔ معلوم ہونے سے اب فرق رخ قبلہ کا

اس قدر ہے کہ اوپر جو تمام دنیا کا نقشہ ہے اس میں شہر بر بون جس رخ پر واقع ہے وہ بھی ملاحظہ میں پیش ہے۔

الجواب۔ سیدھے رخ پر جو خط کھینچا جاوے اگر مصلیٰ کے جہہ اور جہین کے کسی جزو سے بھی ایسا خط نکلے جو پہلے خط سے زاویہ قائمہ پر تقاطع کرے تو اتنے انحراف سے نماز ہو جاوے گی۔ اور جو کسی جزو سے ایسا خط نہ نکلے تو نماز نہ ہوگی۔ اب اس کو خود دیکھ لیا جاوے۔
دلیل المسئلة (۱) مافی رد المحتار وکان الخط الخ قلت مأخذہ قوله تعالیٰ فول وجھک شطر المسجد الحرام حیث امر بتولية الوجه لا الجبته خاصۃ

(تمتہ ثانیہ ص ۱۸)

ربع دائرہ تک سمت کا اختلاف مضر نہیں

سوال (۲۰۲) پنجاب میں مساجد کی تعمیر کے وقت قبلہ قطب ستارہ سے شمال قائم کر کے اس پر زاویہ قائم کر کے مغرب بناتے ہیں اور ہر مسجد میں سمت کعبہ ٹھیک مغرب کی جانب قائم ہوتی ہے۔ میرا خیال ہے کہ جب مسلمان حملہ آور اور مبلغ سب سے پہلے ہندوستان میں سندھ آئے تو سورت کے قریب کی بندرگاہ پر اترے جہاں پہلے بت کدہ ہند میں مسجد کی تعمیر ہوئی۔ سورت میں یا وہاں کے قریب تو مسجد کی یہ سمت عین مغرب میں درست ہے لیکن شمالی ہند میں مسجدوں کا رخ سمت کعبہ نہیں رہتا۔ اس کا کیا انتظام کیا جاوے۔ شہر گجرات میں مسجدوں کا بذریعہ کمپاس سمت کا امتحان لیا گیا تو سب میں فرق نکلا۔ کسی میں کم درجہ کا فرق تھا۔ کسی میں زیادہ تین مساجد بھی تو تقریباً تیس مساجد میں سے ایک سمت میں نہیں۔ اسکے لئے حضور کی رائے اور شرعی مسئلہ دریافت طلب ہے۔ کیا یہ غلطی علماء کی کسی کمیٹی سے ہوئی یا مسلمانوں نے ایک دوسرے کی تقلید میں یہ غلطی ہر جگہ کی فقط۔

الجواب۔ ربع دائرہ سے کم اختلاف مضر نہیں۔ سب کی نماز ہو جاتی ہے۔

دوسرا خط پہلے خط کے سلسلہ میں

جواب مندرجہ بالا میں کیا جناب کا فتویٰ ذاتی خیال پر مبنی ہے یا اس کی تائید کسی کتاب کے حوالہ سے بھی ہو سکتی ہے۔

(۱) قدمرت هذه العبارة قبل هذا السؤال متصلاً ۱۲ منہ

الجواب۔ فی رد المحتار من الدرر وجهتها ان یصل الخط الخارج من جبین المصلی الی الخط المار بالکعبۃ علی استقامۃ بحیث یحصل قائمتان الی قوله و یؤیدہ ما قال فی الظہیریۃ اذا تیامن او تیاسر تجوز لان وجه الانسان مقوس الخ وفيه یلزم ان یكون الخط الخارج علی استقامۃ خارجاً من جبهة المصلی بل منها او من جوانبها کما دل علیہ قول الدرر من جبین المصلی فان الجبین طرف الجبهة وهما جبینان وفيه ولا یخفی ان اقوی الادلة النجوم والظاهر ان الخلاف فی عدم اعتبارها انما هو عند وجود المحاریب القدیمۃ اذ لا یجوز التحری معها کما قد مناه لئلا یلزم تخطیۃ السلف الصالح وجماعہ المسلمین بخلاف ما اذا کان فی المفازۃ فینبغی وجوب اعتبار النجوم ونحوها فی المفازۃ لتصریح علمائنا و غیرہم بكونها علامۃ معتبرۃ اه (شرائط الصلوٰۃ)۔

یہ سب عبارات میرے دعوے پر کافی واضح دلیلیں ہیں کہ ربع دائرہ سے کم اختلاف مضر نہیں۔ فقط۔

بقیۃ السؤال۔ ہمارے یہاں گورنمنٹ نے ایک احاطہ مسجد کے لئے وقف کیا تھا جو قبلہ رو نہیں۔ لیکن اس میں ربع دائرہ سے بہت کم یعنی بقدر ۶/۱ حصہ دائرہ کے فرق ہو سکتا ہے۔ کیا وہاں مسجد بنادی جائے۔ کیونکہ قبلہ رو کرنے میں چاروں طرف سے ٹکڑے کاٹ دینے سے رقبہ آدھا رہ جاتا ہے۔ اگر اس طرح مسجد بنانے میں اعتراض نہ ہو تو مسجد بہت کشادہ ہو سکتی ہے۔ اور ضرورت کی سب چیزیں بن سکتی ہیں۔

الجواب۔ اوپر کی گنجائش بنی ہوئی مساجد کے لئے مذکور ہوئی ہے۔ تاکہ جمہور مسلمین کا تخطیہ لازم نہ آئے لیکن قصد مسجد منحرف بنانا جس میں مفسدہ مذکورہ یعنی تخطیہ سے زیادہ مفسدہ ہیں جیسے افتراق بین المسلمین و اطالت لسان معترضین و جسارت عوام علی الخروج عن الحدود و استخفاف حدود و امثالہا خلاف مصلحت ہے۔ نظیرہ مامر من عدم اعتبار النجوم فی المساجد القدیمۃ و فی اعتبارہا فی المفاوز۔ اس مفسدہ کے مقابلہ میں رقبہ کا کم ہو جانا اہون ہے۔ یہ میری رائے ہے بہتر ہو کہ دوسرے حضرات اہل علم سے بھی مشورہ کر لیا جاوے۔ کتبہ اشرف علی۔

۲۶ رجب ۱۳۵۶ھ (النور ص ۹ شعبان ۱۳۵۷ھ)

تحقیق عورت بودن ظہر کف مرأۃ

سوال (۲۰۳) قبل ازیں یہ لکھا گیا تھا کہ جب عورت پشت کف دست کھول کر نماز پڑھے تو اس کا اعادہ کرنا پڑے گا یا نہیں اس کا جواب جناب عالی نے یہ تحریر فرمایا کہ نماز اس کی صحیح ہے اعادہ نہ کرے۔ اب دریافت طلب یہ بات ہے کہ جب درمختار میں یہ لکھا ہے فظہر الکف عورۃ علی المذہب تو جب نماز میں ستر عورت نہ ہو تو نماز نہ ہوئی لہذا اس کا اعادہ ضروری ہو لہذا اس تردد کو رفع فرمائیے۔

الجواب۔ ظہر کف کا عورت ہونا چونکہ مختلف فیہ ہے۔ میں نے سہولت و ابتلاء عام کے لئے دوسرا قول لے لیا۔
۲۱ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۳ھ (تمتہ ثانیہ ص ۲۹)

وجوب وضع اکثر جہتہ در سجود

سوال (۲۰۴) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نماز میں حالت سجدہ میں پیشانی کا کس قدر حصہ زمین پر رکھنا واجب ہے اگر تھوڑا حصہ پیشانی کا زمین پر رکھا گیا اور اکثر نہیں رکھا گیا تو نماز بلا کراہت ہو جاوے گی یا نہیں۔ بینوا تو جروا۔؟

الجواب۔ فی الدر المختار وسجدہ بأنفہ وجہتہ و وضع اکثرہا واجب وقیل فرض کبعضہا وان قل فی ردالمحتار اختلف هل الفرض وضع اکثر الجبۃ ام بعضہا وان قل قولان ارجحہما الثانی نعم وضع اکثر الجبۃ واجب للمواظبۃ کما حرره فی البحر و فی المعراج وضع جمیع اطراف الجبۃ لیس بشرط إجماعاً فاذا اقتصر علی بعض الجبۃ جاز وان قل کذا ذکرہ ابو جعفر فی الخزائن ج ۲ ص ۵۲۰۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ اکثر حصہ پیشانی کا رکھنا گو علی الاصح فرض اور شرط نہیں لیکن واجب ہے ایسا نہ کرنے سے نماز مکروہ ہوگی۔
۹ رزی قعدہ ۱۳۳۳ھ (تمتہ ثالثہ ص ۹۸)

طریق اداۓ نماز کسے کہ نماز خواندن نداند و محتاج تعلیم باشد

سوال (۲۰۵) رمضان میں دو چار آدمی ایسے بھی آتے ہیں کہ نماز پڑھنا نہیں جانتے ہیں اور ایک آدمی ایک ایک لفظ کر کے بتاتا ہے اس کی نماز ہوگی یا نہیں اگر نہیں ہوتی تو کیا کرنا

چاہئے۔ کیونکہ اس طریقہ سے تو وہ نماز بھی پڑھتا ہے مسجد میں آتا ہے اگر نہ بتایا جاوے تو کبھی مسجد میں نہیں آوے گا۔ اس مسئلہ میں معتکف ہو یا غیر معتکف برابر ہے یا نہیں؟

الجواب۔ ایسا شخص دو بار نماز پڑھے۔ ایک دفعہ تو اسی طرح یہ تو نماز کی تعلیم ہوگئی اور دوسری بار بلا تعلیم اس طرح سے کہ نماز کے قبل اس کو بتلادیا جاوے کہ چونکہ تم کو قرأت و اذکار نماز کے یاد نہیں تم ہر رکن میں تین بار سبحان اللہ کہتے رہو یہ نماز اسکی اصلی ہوگی۔

۱۵ شعبان ۱۳۳۷ھ (تمتہ خامسہ ص ۹۲)

سجدہ سے اٹھنے کا مستحسن طریقہ

سوال (۲۰۶) نماز میں سجدہ کے بعد جب کھڑا ہونا چاہیں تو گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر اٹھیں؟

الجواب۔ ہاں! تمتہ السؤال یازمین سے ہاتھ ٹیک کر کھڑا ہو؟ الجواب نہیں الا بعدر۔

تمتہ السؤال۔ یا کسی جگہ ہاتھ نہ ٹیکے جائیں بہر حال کھڑے ہونے کا مستحسن دستور کیا ہے؟

الجواب۔ اوپر لکھ دیا۔ فی الدر المختار۔ ویکبر للنهوض علی صد و رقہ میہ بلا اعتماد وقعود استراحة فی رد المحتار بلا اعتماد ای علی الارض۔ قال فی الکفاۃ اشار بہ الی خلاف الشافعی فی موضعین احدهما یعتمد بیدہ علی رکبتہ عندنا وعندہ علی الارض الثانی الجلوس الخ (فصل ای فی بیان تالیف الصلوٰۃ) ۱۹ / ربيع الاول ۱۳۵۵ھ (النور ص ۷ صفر المظفر ۱۳۵۶ھ)

جواز آمین بالجہر

سوال (۲۰۷) آمین بالجہر کہنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب۔ جائز ہے جیسا کہ بالسر بھی جائز ہے اور مرجع احد الشقین کا تحقیق ہے یا تقلید۔

۲ صفر ۱۳۳۱ھ (تمتہ خامسہ ص ۲۳۳)

جواز رفع یدین

سوال (۲۰۸) رفع الیدین فی الصلوٰۃ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب۔ جائز ہے جیسا کہ عدم رفع بھی جائز ہے اور مرجع احد الشقین کا تحقیق ہے یا

تقلید۔ (تاریخ وحوالہ بالا)

حکم الصاق کعبین برائے مردان

سوال (۲۰۹) بہشتی زیور حصہ دوم میں فرض نماز پڑھنے کے طریقے کے بیان میں درج ہے کہ رکوع میں دونوں ہاتھ کی انگلیاں ملا کر گھٹنوں پر رکھ دے اور دونوں بازو خوب ملائے رہے اور دونوں پیر کے ٹخنے بالکل ملا دیوے۔ دو اول الذکر امور میں مردوں کے لئے جو اختلاف ہے وہ تو اسی صفحہ میں درج ہے آخر الذکر امر میں کوئی اختلاف درج نہیں فرمایا گیا۔ پس دریافت طلب یہ ہے کہ کیا مردوں کو بھی دونوں پیر کے ٹخنے بالکل ملا دینا چاہیئے۔ اسکی بابت بہشتی گوہر میں بھی کچھ تذکرہ نہیں ہے۔

عورتوں کو تکبیر تحریمہ کے وقت سے دونوں پیر کے ٹخنے ملانا چاہئے یا صرف رکوع کے وقت؟

مردوں کو اگر دونوں پیر کے ٹخنے نہ ملانا چاہئے تو دونوں پیروں میں کتنا فاصلہ رہنا چاہئے؟

الجواب۔ (۱) ٹخنوں کو رکوع میں ملانے کے متعلق فقہاء کے کلام میں عموم پایا جاتا ہے یعنی مردوں کیلئے بھی الصاق کعبین کو لکھا ہے مگر حدیث میں کہیں نہیں دیکھا گیا لہذا ملانے میں بناء علی الروایات الفقہیۃ اور نہ ملانے میں بناء علی عدم النقل فی الاحادیث دونوں میں گنجائش ہے۔

(۲) قیام کی حالت میں ٹخنے ملانا نظر سے نہیں گزرا۔

(۳) جس حالت میں ٹخنے نہیں ملائے جاتے جیسے قیام میں اس میں بمقدار چار انگل ہاتھ کے فاصلہ رکھنا چاہئے۔ فی رد المحتار بحث القیام وینبغی ان یکون بینہما (ای بین القدمین) مقدار اربع اصابع الید لانہ أقرب الی الخشوع ھکذا روی عن ابی نصر الدبوسی انہ کان یفعلہ کذا فی الکبری۔

ج ۱ ص ۴۶۲۔ ۲ ربيع الثانی ۱۳۴۲ھ (تمتہ خامہ ص ۲۵۶)

سوال (۲۱۰) بعد از ابدائے سلام مسنون بصد نیاز عارض مدعا ام کہ در النور بابۃ ماہ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۲ھ صفحہ ۱۳۔ در جواب سوال الصاق کعبین تحریر فرمودہ اند کہ ”فقہاء کے کلام میں عموم پایا جاتا ہے مگر حدیث میں کہیں نہیں دیکھا لہذا ملانے اور نہ ملانے دونوں میں گنجائش ہے“۔ انتہی ملقطاً۔ اور مولانا عبدالحی مرحوم در سعا یہ بریں مسئلہ بہ بسط تام بحث فرمودہ و آخر کار فرمودہ کہ مراد فقہاء از الصاق محاذات احدی الکعبین است بالآخر نہ الصاق حقیقی۔ نیز

فرمودہ کہ امام کسانیکہ الصاق آورده زاہدی ست ونسبت زاہدی در نافع الکبیر و فوائد بہیہ نوشتہ اند و آن کان اماما جلیلا فی الفقہ لکنہ متساہل فی نقل الروایات و ایضاً ہو معتزلی الاعتقاد حنفی الفروع قال صاحب ردالمحتار فی تنقیح فتاویٰ الحامدیہ فی کتاب الاجارۃ الحاوی الزاہدی مشہور بنقل الروایات الضعیفہ و لهذا قال ابن وہبان وغیرہ انہ لا عبرۃ بما یقولہ الزاہدی مخالفاً لغيرہ انتہی۔ ملخصاً معروض خدمت بابرکت آن ست کہ کدام از سعایہ والنورین صحیح تر ست براہ کرم تشفی فرمودہ باشند۔

الجواب۔ چون منطوق قاضی است بر مفہوم و مفسر مبہم لہذا تحقیق سعایہ در عمل ترجیح دارد و قول من کہ حدیث میں کہیں نہیں دیکھا اشارہ بہمیں خدشہ بود کہ از قواعد رد دل افتادہ بود۔

۵ رجب المرجب ۱۳۴۲ھ (ترجیح خامس ص ۱۳۸)

تحقیق تحمید زن بعد تسمیع

سوال (۲۱۱) جناب والا نے بہشتی زیور کے صفت صلوٰۃ کے بیان میں تحریر فرمایا ہے کہ پھر سمع اللہ لمن حمدہ کہتی ہوئی سر کو اٹھائے جب خوب سیدھی کھڑی ہو جاوے تو پھر اللہ اکبر کہتی ہوئی سجدہ میں جاوے تو کیا عورت کو رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ نہ کہنا چاہئے یا سہو کا تب ہے یا چھاپے کی غلطی ہے مطلع فرماویں؟

الجواب۔ عبارت میں کمی رہ گئی ہے یوں ہونا چاہئے جب خوب سیدھی کھڑی ہو جائے تو رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ کہہ کر اللہ اکبر کہتی ہوئی سجدہ میں جاوے اب یہ معلوم نہیں مؤلف کی غلطی ہے یا کاتب کی۔ عجب نہیں اس کو سمع اللہ کے تابع سمجھ کر مستقلاً لکھنے کا اہتمام نہ کیا ہو زیادہ نظر اس پر رہی ہو کہ بدون سیدھے کھڑے ہوئے سجدہ میں نہ جاوے جیسا بعض کی عادت ہے۔ (ترجیح خامس ص ۱۰۸)

تحقیق سنیت یا وجوب قومہ

سوال (۲۱۲) عرض یہ ہے کہ یہ مسئلہ جو بہشتی زیور حصہ دوم میں آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ مسئلہ کہ اگر رکوع کے بعد اچھی طرح کھڑی نہیں ہوئی ذرا سر اٹھا کر سجدہ میں چلی گئی تو نماز پھر سے پڑھے اس کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ اگر قصداً ایسا کیا ہو تو پھر سے پڑھے اور جو بھول کر کیا تو سجدہ سہو کرے۔ غرض یہ ہے کہ ایک مولوی صاحب کہتے ہیں کہ اس صورت میں سجدہ سہو لازم نہیں آتا کیونکہ رکوع کے بعد سیدھا ہونا واجب نہیں سنت موکدہ ہے اس صورت میں سجدہ سہو نہیں۔ اب حضور تحریر فرماویں کہ بے ٹھیک ہے یا جو بہشتی زیور میں لکھا ہے۔ جواب سے مشرف فرماویں؟

الجواب۔ اس کی سنیت و وجوب میں اختلاف ہے۔ ان مولوی صاحب نے سنیت کی بنا پر یہ فرمایا اور بہشتی زیور کا مضمون اس کے وجوب کی بناء پر ہے اور بہت سے علماء نے وجوب کو ترجیح دی ہے اس لئے بہشتی زیور میں بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے۔

كما في رد المحتار عن البحر۔ ووجوب نفس الرفع من الركوع والجلوس بين السجدة تين للمواظبة على ذلك كله وللأمر في حديث المسيئي صلاته ولما ذكره قاضي خان ومن لزوم سجود السهو بترك الرفع من الركوع ساهياً الى قوله والقول بوجوب الكل هو مختار المحقق ابن الهمام وتلميذه ابن امير الحاج حتى قال انه الصواب والله الموفق للصواب اهـ۔ وقال في شرح المنية ولا ينبغي ان يعدل عن الدراية اذا وافقتها رواية على ماتقدم عن فتاوى قاضي خان وفيه عن القنية فيمكن في الركوع والسجود وفي القومة بينهما حتى يطمئن كل عضو منه هذا هو الواجب عند أبي حنيفة و محمد حتى لو تركها او شيئاً منها ساهياً يلزم السهو ولو عمداً يكره اشد الكراهة ويلزمه ان يعيد الصلوة ويكون معتبرة في حق سقوط الترتيب ونحوه ج ۱ ص ۴۸۳ و ص ۴۸۴ ۱/ ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ (ترجیح خامسہ ص ۱۱۰)

جواب شبہ بر جواز توجیہ در نیت قبل تحریمہ

سوال (۲۱۳) بعض رسائل میں احادیث صحیحہ لکھی ہیں کہ نیت کے بعد توجیہ یعنی انی وجہت الخ ہاتھ باندھنے اور تحریمہ کے پہلے ثابت ہے ہمارے امام صاحب منع فرماتے ہیں اس کی وجہ اگر مناسب ہو ارقام فرمائی جاوے۔؟

الجواب۔ تحریمہ کے قبل توجیہ کی کوئی حدیث ذہن میں حاضر نہیں اگر ایسا ہے تو امام صاحب کے قول کی وجہ ظاہر ہے کہ بدون دلیل کے کیسے قائل ہو جاوے اور اگر کوئی حدیث ہو تو نقل کی جاوے البتہ بعد تحریمہ کے منقول ہے چنانچہ مسلم میں روایت ہے امام صاحب اس کو نوافل پر محمول فرماتے ہیں چنانچہ نسائی کی روایت میں اس کی تصریح ہے۔ یہ دونوں حدیثیں مشکوٰۃ باب ما یقرأ، بعد التکبیر میں ہے۔ (تمتہ خامسہ ص ۳۷۷)

باب القراءة

نماز میں دو سورتیں اس طور پر پڑھنا کہ درمیان میں ایک سورت رہ جائے

سوال (۲۱۴) نماز میں دو سورتیں اس طور پڑھنا کہ درمیان میں ایک سورت چھوٹ جائے مثلاً اول میں سورۃ فتح یعنی اذا جاء دوسری میں سورۃ اخلاص پڑھنا کیسا ہے۔

الجواب۔ اگر درمیان میں بڑی سورت چھوٹ جاوے جس (۱) میں دو رکعت ہو سکیں جائز ہے چھوٹی ناجائز۔ واللہ اعلم۔ ۶ رمضان ۱۳۱۹ھ

حکم فصل کردن آیات در قراءت سورة واحدة در دو رکعت

سوال (۲۱۵) امام نے صبح کی نماز میں سورۃ دہر پڑھی اول رکعت میں هل اتی سے مَشْكُوراً تک یعنی ایک رکوع پڑھا دوسری رکعت میں اِنَّ هٰؤُلَاءِ سے ختم سورۃ تک پڑھا درمیان میں چھوٹی چھوٹی تین آیات چھوڑ دیں مقتدیوں میں کسی شخص نے ایک سلام پھیرنے کے بعد تکبیر سجدہ سہو کے واسطے کہی امام نے سجدہ سہو نہ کیا اور کہا کہ نماز ہو گئی تکبیر کہنے والے نے کہا کہ ہو تو گئی مگر کراہت رہی کیونکہ درمیان میں دو سورت چھوٹی یا بقدر انہیں سورتوں کے عبارت چھوڑنی چاہئے جس میں دو رکعت پڑھی جاسکیں۔ امام کہتا ہے کہ دو سورتوں کا چھوڑنا کوئی ضروری بات نہیں اگر ہے تو چھوٹی ہی سورتوں میں ہے بڑی سورت میں جتنا جی چاہے چھوڑ کر پڑھے حتیٰ کہ اگر ایک چھوٹی سی آیت بھی درمیان قراءت دو رکعت کے چھوڑ دے تب بھی بلا کراہت نماز ہو جائے گی تکبیر کہنے والے نے کہا کہ میری نماز نہ ہوئی ایک تو اسی وجہ سے جو اوپر مذکور ہوئی۔ دوسرے اس وجہ سے کہ امام صاحب کے ٹخنے ازار سے ڈھکے ہوئے تھے اور قبل نماز کے بھی کہا گیا تھا کہ ازار اوپر کو کیجئے خیر اوپر کو کی بھی تو نہ ہوئی یعنی ٹخنے نہ کھلے۔ انہی وجوہات کو مد نظر رکھ کر دوبارہ نماز پڑھی گئی اور تکرار جماعت میں امام صاحب بھی شریک ہوئے۔ آیا صورت مذکورہ بالا میں نماز بلا کراہت ہوئی یا بکراہت اگر با کراہت ہوئی تو یہ کراہت تحریمی ہے یا تنزیہی اور درمیان قراءت دو رکعت کے عبارت کس قدر چھوڑنی چاہئے جس میں کسی قسم کی کراہت نہ رہے۔ بینو ابالکتاب تو جروا یوم الحساب۔؟

(۱) یہ میں نے یاد سے لکھا تھا مگر پھر کوئی روایت مساعد نہیں ملی تتبع سے معلوم ہوا کہ مطلب اس کا کہ بڑی سورت کا بیچ میں چھوڑنا جائز ہے یہ ہے کہ وہ سورت پہلے سے بڑی ہو کہ اس کے پڑھنے سے دوسری رکعت پہلی رکعت سے طویل ہو جاوے جیسا اذا جاء کے بعد سورۃ تبت پڑھنے میں یہی امر لازم آتا ہے۔ کذا فی رد المحتار فصل القراءة ۱۲ منہ۔

الجواب۔ فی الدر المختار ولا بأس ان یقرأ فی اولى من محل و فی الثانية من اخر ولو من سورة ان كان بينهما ایتان فاکثر و فی ردالمحتار تحت قوله ولو من سورة لكن الاولى ان لا یفعل بلا ضرورة لانه یوهم الإعراض والترجیح بلا مرجح شرح المنیة ج ۱ ص ۵۷۰۔

روایت ہذا سے ثابت ہوا کہ درمیان میں تین آیتیں چھوڑ دینے سے کراہت نہیں ہوئی البتہ خلاف اولیٰ ہوا لیکن یہ کہنا کہ اگر ایک چھوٹی سے آیت بھی درمیان قراءت دو رکعت کے چھوڑ دی تب بھی بلا کراہت نماز ہو جاوے گی یہ غلط ہے۔ لہذا مر فی الروایة من قوله ان کان بينهما ایتان فاکثر۔ فقط۔ واللہ اعلم۔ ۱۵ ربیع الثانی ۱۳۲۲ھ (تمہ اولیٰ صفحہ ۱۵)

دلیل حنفیہ در مسئلہ قراءت خلف الامام

سوال (۲۱۶) (۱) سورۃ فاتحہ مقتدی کو امام کے پیچھے پڑھنا جائز ہے یا نہیں بمذہب امام اعظمؒ۔ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کوئی آیت شریفہ کے حوالہ سے منع فرمایا ہے کہ مقتدی امام کے پیچھے الحمد نہ پڑھے۔؟

الجواب۔ امام اعظم رحمۃ اللہ کے نزدیک ممانعت ہے اور گو آیت و اذا قرئ القرآن فاستمعوا له وأنصتوا سے اس پر استدلال ممکن ہے اور علماء نے کیا ہے مگر اصل استدلال احادیث صحیحہ سے ہے چنانچہ صحیح مسلم میں اذا قرء فانصتوا حدیث صحیح موجود ہے وجہ استدلال اطلاق ہے قراءۃ کا۔ پس جہری سری اور فاتحہ وغیر فاتحہ سب کو شامل ہے بندہ نے رسالہ اقتصاد میں اور مسئلوں کے ساتھ یہ مسئلہ بھی ذرا تفصیل سے لکھ دیا ہے۔ (۱۶ رجب ۱۳۲۲ھ امداد اول صفحہ ۷۹)

حکم قراءۃ فاتحہ در نماز جنازہ و مسح رقبہ در وضو

سوال (۲۱۷) (۲) قرأۃ خلف الامام در نماز ماثورست یا نہ و حنفیہ از چہ باتنا عش کوشیدہ اند۔ و در نماز جنازہ سورۃ فاتحہ خواندن ہم سنتست یا مستحب یا مکروہ و ممنوع مسح گردن اندر وضو مستحبست یا بدعت۔ بینواتو جروا۔؟

الجواب۔ خلص کلام دریں باب آنست کہ احادیث باب بر سہ نوع منقسم است بعضی

(۱) مایعلق بالحدیث سے زیادہ اوفق ہے ۱۲ منہ

(۲) یہ تحقیق مایعلق بالا حدیث میں لکھنا زیادہ مناسب تھا ۱۲ منہ

دلالت بر وجوب دارد و بعضی دلالت بر جواز - کما فی قوله لا تقولوا الالبام القرآن و بعضی دلالت بر امتناع دارد کما ذکره الامام محمد فی موطاه رجوع نمودیم باقوال و افعال صحابه آنها را مختلف یا فہم رجوع بقیاس نمودیم وجوہ ترجیح و تطبیق علی انحاء شتی برآمد فکل اخذ رأی علماء حنفیہ احادیث وجوب را محمول بر مطلق قراءۃ عام از حقیقیہ و حکمیہ یعنی تبعاً للامام داشتند کما ہو مؤید ببعض الروایات مثل قوله علیہ السلام من کان له امام فقراءۃ الامام قراءۃ له الحدیث او کما قال و حرمت رابر جواز ترجیح دادند کما هو مقرر فی اصولہم لتلایلزم تکرار النسخ پس عمل بر دلائل وجوب در ضمن قراءۃ امام بدست آمد باقی ماند دلائل جواز و منع اگر جائز را ترک کنیم ملامتی نیست بخلاف ارتکاب ممنوع کہ محل خطرست این ست مسلک حنفیہ - اما کلام در سنیت قراءۃ فاتحہ در صلوٰۃ جنازہ پس باید دانست کہ سنت بدو معنی اطلاق کردہ می شود یکے آنکہ احیاناً برائے بیان جواز و غیر آن از مصالح شرعیہ شارع علیہ السلام فعلیہ کردہ باشند و بدین معنی سنیت فاتحہ در صلوٰۃ جنازہ انکار کردہ نمی شود چنانکہ ابن عباسؓ اقعاً رأی سنت فرمودہ اند دیگر آنکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بقصد استحسان آن چیز عمل کردہ باشند چنانکہ اکثر اطلاق این لفظ بر ہمیں معنی است بایں معنی در سنیت فاتحہ کلام ست امام صاحب نفی فرمودہ اند و دیگر فقہاء با ثبات کوشیدہ اند و اگر انصاف کنیم و قول ترمذی را بپای آریم الفقہاء ہم اعلم بمعانی الحدیث - از مجتہدان مطالبہ نمی رسید کہ ایں معنی از کجا تعیین کردند در حق شان استفتاء قلب در شرح صدر کافی ست پس رفتن امام صاحب بسوئے سنیت بالمعنی الاول و دیگر ائمہ بسوئے معنی ثانی گنجایش دارد از ایشان طلب دلیل بمنزلہ طلب دلیل ست از صیرفیاں در حکم کردن بہ جودۃ و داءۃ فضہ و ذہب فافہم و انصف علاوہ براں ابن عمرؓ کہ شدید المتفحص و الاتباع از سنت رسول اللہ ﷺ بود در جنازہ فاتحہ نمی خواند کما رواہ مالکؓ فی مؤطا - ایں روایت ہم مؤید ابی حنیفہؒ است مزید براں لفظ حدیث فاخلصوا له الدعاء - رواہ ابن ماجہ - مؤید ست مررأے امام صاحب را کہ اصل صلوٰۃ جنازہ دعاست و اخلصوا چگونه اشارہ لطیف می کند کہ غیر دعاء بدعاء مشوب نکرده شود از ہمیں جا اگر بہ نیت ثنا و دعاء خوانند اجازت می فرمایند و فعل شارع اگر بر ہمیں معنی محمول کردہ شود بجاست بہر حال شرح صدر مجتہدی و فعل ابن عمرؓ و لفظ خلاص مؤید رأے امام ہمام ست چہ خوشتر کہ اگر خوانند بہ نیت دعا (۱) خوانند عمل بالحدیث ہم میسر شود و از اختلاف کبراء دین ہم بیرون آیند - واللہ اعلم - اما مسح کردن پس علماء بر سہ شعب راہ گرفتند سنیت و استحباب و کراہت

(۱) یعنی بلا التزام ۱۲

اقرب الی التحقيق قول ثانی ست روایات حسان دریں باب وارد شدہ کہ مفید استحسان عمل و مثبت فضائل می توان شد ذکر تک الروایات وحید عصره المولوی عبدالحی اللکھنوی فی رسالۃ تحفۃ الطلبة فی مسح الرقبة۔ واللہ اعلم فقط۔ (امداد اول ص ۲۹)

درجہء ادنیٰ قراءت سریہ

سوال (۲۱۸) نماز میں قراءۃ کو قاری نہ سنے نماز نہیں ہوتی بہشتی زیور میں لکھا ہے اس کا کیا مطلب ہے اکثر نمازی اپنے پڑھنے کو بوجہ شور و غل کے نہیں سن سکتا یا بہرا ہے کیونکہ ہر چیز کے دو درجے ہیں ایک اعلیٰ اور ایک ادنیٰ مثلاً جہر کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ قاری کی قراءۃ کو دور کے لوگ بھی سن لیں۔ اور ادنیٰ یہ کہ قریب جو کھڑا ہے وہ سن سکے۔ اور سری قراءۃ کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ قاری کی قراءت قاری ہی سنے اور دوسرا نہ سنے اگرچہ برابر کھڑا ہو۔ اور ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ قاری کی زبان اور حلق کو حرکت ہو اور قاری خود نہ سنے مگر قلبی دھیان رہے کہ میں پڑھ رہا ہوں۔ چونکہ حنفیہ کرام کے یہاں جن نمازوں میں جہر نہیں ہے بہت آہستہ پڑھنا اولیٰ ہے وہ کونسا درجہ ہے ادنیٰ یا اعلیٰ اور اس طرح سے کہ نمازی کے حلق اور زبان کو حرکت ہو اور کان نہ سنے تو نماز ہو جاوے گی یا نہیں؟

الجواب۔ فی الدر المختار فصل القراءة وادنی الجہر اسماع غیرہ وادنی المخافتة اسماع نفسہ۔ اور رو المختار میں اس قول کو ہندوانی کی طرف منسوب کر کے اصح و ارجح کہا ہے اور چونکہ اس میں احتیاط تھی لہذا بہشتی زیور کے مؤلف نے اس کو اختیار کیا اور ایک قول کرنی کا ہے صرف تصحیح حروف کافی ہے گو خود بھی نہ سنے اور بعض نے اس کی بھی تصحیح کی ہے۔ کذا فی رو المختار۔ پس احوط تو ہندوانی کا قول ہے باقی نماز کرنی کے قول پر عمل کرنے والے کی بھی ہو جاوے گی۔ واللہ اعلم۔ ۲۷ ربیع الاول ۱۳۲۵ھ (امداد اول ص ۸۸)

حکم زلات عامہ قاری در صلوٰۃ معہ تحقیق متعلق فتویٰ بالا

سوال (۲۱۹) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں موافق فقہ حنفی کے کہ آج کل عموماً کیا علماء اور کیا عوام جیسا کہ آنجناب پر بھی روشن ہے۔ علم تجوید سے بالکل ناواقف ہیں یعنی کسی استاذ واقف سے نہیں سیکھتے بلکہ بطور خود بعض حروف میں فرق کر کے بلا خیال مخرج و صفات پڑھتے ہیں مثلاً س و ص کے اندریات اور ط میں۔ حالانکہ ماہرین فن تجوید لکھتے ہیں کہ باوجود تمیز کے

حروف اپنے مخرج سے ادا نہیں ہوتے خصوصاً حرف ض کہ یہ تو عموماً خواہ عرب خواہ عجم کوئی بھی اس حرف کو اس کے مخرج سے نہیں نکالتا بعض مشابہ ظا اور بعض مشابہ بالذال پھر بعض صاف دال پڑھتے ہیں بعض دال مخم بعض کے پڑھنے میں ایک واؤ بھی سمجھ میں آتا ہے تو ایسی حالت میں کیا حکم ہے۔ آیا یہ لوگ معذورین کے حکم میں ہیں اور حروف کو سیکھنا اور ان کو مخرج مع صفات کے ادا کرنا ان پر فرض اور ترک سے گنہ گار ہیں۔ کیونکہ مخرج حروف کے مشترک ہوتے ہیں مگر فرق صفات سے ہوتا ہے یا بوجہ عموم بلوی مطلقاً صحت نماز کا فتویٰ دیا گیا ہے اگر دیا گیا ہے تو دلیل تحریر فرما دیجئے۔ اب ایسی حالت میں اگر کوئی شخص حروف کو عمدہ طریقہ سے مخرج سے نکالے اور حرف ضاد کو بھی مخرج سے نکالے اگرچہ صورت اس کی مشابہ بالظاء ہو تو ایسے شخص کی نماز ان لوگوں مذکور الصدر کے پیچھے کہ جو بطور حروف کو متمیز کر کے پڑھتے ہیں اور حرف ضاد کو دال بسیط یا مخم کر کے یا مشابہ بالظاء پڑھتے ہیں صحیح ہوگی یا نہیں خاص کر جبکہ یہ شخص جو واقف تجوید ہے واقف مسائل ضروریہ صلوٰۃ بھی ہو اور دوسرا شخص عالم فقہ و حدیث ہو مگر قراءت اس کی موافق قواعد تجوید نہ ہو بلکہ مثل قراءت مروجہ اس زمانہ کے ہو۔ اگر اس واقف تجوید کی نماز صحیح نہ ہوئی تو وقت مقتدی ہونے اس قاری کے امام کی اور بقیہ مقتدیوں کی بھی نماز درست ہوگی یا نہیں جیسا کہ جب امی کی اقتداء قاری کرے اس وقت کسی کی بھی نماز نہیں ہوتی نہ امام کی نہ مقتدیوں کی احقر کو ان عبارات فقہاء سے معلوم ہوتا ہے کہ ہم لوگ باوجود اہل علم کہلانے کے امامت کے قابل نہیں اور سیکھنا تجوید کا فرض ہے اور اس کے ترک سے ہر وقت گنہ گار ہیں۔ آیا یہ فہم احقر کا ان عبارات سے صحیح ہے یا نہیں۔

انه بعد بذل جهده دائما في اناء الليل واطراف النهار فمادام في التصحيح والتعلم ولم يقدر فصلوته جائزة وان ترك جهده فصلوته فاسدة قال في الذخيرة وانه مشكل عندى لان ماكان خلقه فالعبد لا يقدر على تعبيره كالامى فلا يؤم الامثله ولا تصح صلوته اذا امكنه الاقتداء بمن يحسنه او ترك جهده او وجد قدر الفرض ممالا لشغ فيه هذا هو الصحيح المختار في حكم الألتغ كذا في ردالمحتار باب الامامة۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب الٹغ جو فطرۃ معذور کیا معنی بلکہ مجبور ہے معاف نہیں کیا گیا بلکہ دواً اس پر سیکھنا اور کوشش کرنا فرض ہے یہاں تک کہ جب تک سیکھتا رہے گا تو نماز درست ہوگی ورنہ نماز فاسد ہوگی اور بعد کوشش کے بھی وہ امی ہے جب ایسا معذور فطری معذور نہیں تو جو شخص کہ باعتبار فطرت مجبور نہیں فقط اپنے تساہل سے سیکھنے کا قصد نہیں کرتا کیوں معذور شمار کیا

جاوے اور کیوں نماز اس کی صحیح ہو اور کیوں گنہ گار نہ ہو البتہ شامی کا ذخیرہ کی عبارت کا نقل کرنا شبہ پیدا کرتا ہے کہ شاید اس حکم کی تصحیح میں کچھ کلام ہے اگلی عبارت اس سے زائد تصریح کرتی ہے۔
و کذا من لا یقعد علی التلفظ بحرف من الحروف وذلك کالرہمن الرہیم والشیتان الرجیم والالمین ایاک نأبد ونستئین و انأمت فکل ذلك حکمہ مامر من بذل الجهد دائما فلا تصح الصلوۃ۔ اب اس حکم میں وہ لوگ بھی داخل ہیں یا نہیں جو حرف ضاد کو مخرج سے نہیں نکالتے اگر نہیں تو کیا دلیل ہے۔ پھر فقہاء کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ حرف ضاد کو ظاء سے زیادہ مناسبت ہے نہ ذال سے جیسا کہ شامی کے زلۃ القاری میں ہے۔

وان لم یکن الابمشقة كالظاء مع الضاد والصاد مع السین فاکثرهم علی عدم الفساد لعموم البلوی دوسری جگہ ہے وفيها اذا لم یکن بین الحرفین اتحاد المخرج و قربہ الا ان فیہ بلوی العامة كالظاء مکان الضاد لا تفسد عند بعض المشائخ۔ قاضی خان میں ہے۔ لو قرأ الظالین بالظاء بالذال لا تفسد صلوٰتہ ولو قرأ الدالین بالذال تفسد۔

ان عبارتوں سے جہاں تک معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ مشابہ بالذال پڑھنے سے فاسد ہے اور مشابہ بالظاء پڑھنے سے بعض کے نزدیک فاسد نہیں۔ مگر قاعدۂ متقدمین کے مطابق صحیح نہیں تو ایسی صورت میں جو شخص کہ حرف ضاد کو مخرج سے نکالتا ہے اس کی نماز آج کل کے علماء کے پیچھے جو اکثر دوا پڑھتے ہیں صحیح ہوگی یا نہیں اور ایسے شخص کے ہوتے امام کسکو بنانا چاہئے مکرر امور مسئلہ کو مختصر عرض کرتا ہوں۔ (۱) تجوید واجب کی کیا مقدار ہے آیا مطلقاً تمیز بین الحروف یا اداء الحروف من الخارج مع الصفات۔ (۲) امی عند الشرع کون ہے اور قاری کون ہے۔ (۳) حرف ضاد مخرج سے نہ نکالنے والے خواہ ظاء پڑھیں یا مشابہ بالذال پڑھیں امی ہیں یا نہیں۔ (۴) جو شخص کہ ضاد کو مخرج سے نکالتا ہے اس کی نماز شخص مذکور کے پیچھے ہوگی یا نہیں اگر نہ ہوگی تو وقت مقتدی ہونے اس قاری کے امام دوا پڑھنے والے کی اور مقتدیوں کی نماز بھی ہوگی یا نہیں۔ (۵) دوا پڑھنے والا عالم امام افضل ہے یا قاری جو مسائل ضروریہ صلوٰۃ سے واقف ہو (۶) سائل ایک عبارت رسالہ قراءت کی نقل کرتا ہے کہ جو حوالہ دیتا ہے فتح القدیر اور وسیلۃ السعادة کا بدانکہ دانستن و خواندن قرآن بہ تجوید کہ آں عبارت از دادن حروفہا است حق آں حروف فرض عین و لازم ست بر ہر کس کہ قرآن خواند از برائے آنکہ بہ تجوید نازل شدہ ہنچنین از آنحضرت علیہ السلام بوساطت اساتذہ منقول شد چنانکہ در شرح مقدمہ جزری آوردہ اگرچہ فقہاء

عظام بسبب آنکہ نماز فرض عین است درزلۃ وخطا کردن از تجوید وسعت کردہ نماز جائز داشتہ اند اما بہ ترک امامت اس چنیں کس فرمودہ اند معلوم است کہ معنی زلت وخطا فعلی ناشائستہ بے اختیار از کسے کہ دانائے آں باشد صادر شدن است نہ آنکہ چیزے را کہ ندانند اور اززلۃ گویند چنانکہ در وسیلۃ السعاده کہ یکے از کتب فقہ معتبر است آوردہ کسے کہ از ادائے حروف ورعایت قواعد قرآنی عاجز باشد بر اول لازم ست باقی عمر در شب وروز در تعلیم قرآن بکوشد والا نمازش جائز نیست۔ کما فی فتح القدیر لابن الہمام۔ تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آجکل جو غافل از علم تجوید عالم و جاہل ہو رہے ان کی نماز نہیں ہوتی اور امامت تو ہرگز نہ کرے تو امامت ایسے شخص کی جائز ہے یا نہیں۔ (۷) قاری عبدالرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے رسالہ تلفظ الضاد میں تحریر فرماتے ہیں کہ ضاد معجمہ سب حروف سے مخرج جدا رکھتا ہے اگر اپنے مخرج سے نہ نکلا اور کسی حرف کے مخرج سے نکلا ظاء یا دال وغیرہ سے تو وہی ہو گیا نہ کہ ضاد رہا اور اگر حرف معتبرہ سے نہ نکلا تو شمار حروف سے نہ رہا بلکہ مہمل ہو گیا جیسے رضی وغیرہ علماء نے لکھا ہے کہ وہ کلام بالکل مہمل ہو گیا۔ (۸) پھر فرماتے ہیں کہ ایسا نہیں ہے کہ ہر شخص بطور خود جس طرح چاہے قرآن پڑھے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ ہم قرآن کو اپنی زبان میں ترجمہ کر لیں تاکہ ہم کو پڑھنا آسان ہو۔ فرمایا کہ ہرگز نہیں۔ بلکہ قرآن پاک انہیں حروف منزل پر رہے۔ ہاں تفسیر اپنی زبان میں کر لو حضرت علیؑ نے ترجمہ جائز نہ کہا پھر تبدیل حروف کس طرح جائز ہوگی یہ تحریف صریح قرآن کی ہے جب بہدایت قرآن وحدیث ممانعت پڑھنے لہجہ عجم کی معلوم ہوئی تب بمقابلہ اسکے اقوال بعض مفسرین مثل تفسیر کبیر وغیرہ کے کہ انسان مکلف ساتھ تمیز حرف ضاد کے غیر اپنے سے نہیں ہے سنانہ جاوے گا بلکہ اس جگہ قول حضرت علیؑ اور امام ابو عمر دوانی کا کہ امام قراءت اور تجوید کے تھے مقبول ہوگا کہ ان بزرگوں نے کس طرح تاکید تصحیح وتجوید کی فرمائی ہے۔ غرضیکہ فن قراءت جدا ایک فن ہے کہ مدار اس کا محض نقل اور روایت آنحضرت ﷺ سے ہے اور قیاس کو بالکل دخل نہیں اور جو بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ زمانہ صحابہ میں اہتمام تجوید نہ تھا اس کی وجہ یہ ہے کہ سب صحابہؓ عربی تھے اور بعض صحابہؓ جو عجمی تھے انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے صحیح کر لیا تھا اور جو صحابہؓ باوجود تعلیم آنحضرت ﷺ اور ان کی سعی کے ان کی زبان نے مطاعت نہ کی اور قابو میں نہ آئی وہ معذور تھے۔ غرض ایسے مضمون بڑی اور ابو عمر دوانی اور ملا علی قاریؒ کی کتابوں کو دیکھو کہ یہ لوگ قراءۃ کے امام تھے اور محدث مفسر و فقیہہ تھے اور یہ لفظ خاص عرب کا ہے نہ عجم کا اپنی زبان پر جو عجم کو آسان تھا وہ ادا کر لیا اور عرب خاص کے جو دو ایک گھر ہیں وہ اب

تک صحیح پڑھتے ہیں اس وقت کے عرب کا ادائے حروف لائق استدلال نہیں (۹) پھر فرماتے ہیں کہ ضاد کا مخرج چھوڑ کر کسی اور حرف کے مخرج سے قصداً ادا کرنا حرام ہے بلکہ بعید نہیں کہ کفر ہو اور اگر قصداً ادا کرنے ضاد صحیح کیا پھر سبقت لسانی سے غلطی ہوگئی۔ اس صورت میں امیدوار معافی حق تعالیٰ کا ہے اور اگر بسبب عدم مطاوعت زبان کے ہے اور زبان قابو میں نہیں ہے تو سیکھنے صحیح ضاد تک اور مشق کر کے صاف کرنے تک معاف ہے اور جو استاد سے سیکھا بھی نہیں اور جان بوجھ کر اسی طرح غلط پڑھتا رہا تو اول گنہ گار غلط خوانی کا۔ اور دوسرا گنہ گار ترک واجب کا اور اگر سیکھا بھی اور صحیح نہ پڑھ سکا تو پھر یہ شخص معذور ہے اور یہ شخص امی ہوگا۔ اور پہلے سیکھنے سے معذور نہ ہوگا اور روایات فقہیہ جواز نماز کی معذور کے حق میں ہیں نہ کہ کاہل کے (۱۰) پھر فرماتے ہیں جواز صلوٰۃ غلط خواں میں فقہاء میں اختلاف ہے اور اصح عدم جواز موافق اس قاعدہ اصولیہ کے ہے اذا دار الامر بین الحظر والا باحة فالفتویٰ علی الحظر۔ دوسرے یہ کہ سند اور قیاس مسئلہ قراءت کا ساتھ مسئلہ فقہ کے درست نہیں۔ تیسرے یہ کہ جواز وعدم جواز قراءت کے معنی اور ہیں کہ صحت قرآن ہے اور جواز وعدم جواز صلوٰۃ کے معنی اور ہیں کہ براءة الذمہ ہے پس جب محمول مختلف ہو تو قیاس مع الفارق ہوا اور وہ باطل ہے۔ چوتھے یہ کہ جواز وعدم جواز بیچ روایت فقہیہ کے محمول ہے جواز نماز پر غرض ہم سب سے درگزر اور قطع نظر کرتے ہیں کہ قاضی خان اور شامی اور سب روایات کو فقہاء زلۃ القاری اور غلط خواں کے ذکر میں لائے ہیں بسبب عدم مطاوعت زبان اور عموم بلوی جواز کا حکم دیا گیا ہے جس نے فتویٰ دیا ہے جواز نماز کا اس شخص کا حکم ہے کہ جس کی زبان قابو میں نہ ہو اور بعد سیکھنے کے غلط پڑھے۔ تمام ہوئی عبارت قاری صاحب کی۔ لہذا گزارش ہے کہ ان عبارات کے مخالف جو حدیث یا عبارت فقہ واسطے جواز نماز و امامت ایسے شخص کے ہو تحریر فرماویں فقہاء زمان حال کا فتویٰ تو جو کچھ ہے وہ ظاہر ہے مگر چونکہ قاری صاحب بھی اس زمانہ کے محدث و فقیہ و مفسر تھے تو قاری صاحب نے کیوں مخالفت کی اس واسطے دلیل کی ضرورت ہے کہ کیونکر نماز ایسے شخصوں کی ہوتی ہے اور گنہگار کس درجہ کے ہوتے ہیں (۱۱) اگر کوئی شخص استاد ماہر سے تجوید سیکھنا شروع کرے تو اثنائے تعلیم میں لائق امامت ہے یا نہیں (۱۲) اگر جواز نماز و امامت ہے اور پھر بھی کوئی شخص ماہر تجوید بوجہ اس کے کہ یہ مسئلہ اختلافی ہے۔ اول ہے کہ مقتدین و متاخرین میں اختلاف ہے دیگر یہ کہ قاری عبد الرحمن صاحب مرحوم و دیگر علماء حال کا اختلاف ہے اس واسطے احتیاط پر عمل کرے اور اور اعادہ اس نماز کا جو امام غیر مجود و قاری کے پیچھے پڑھی ہے کرے بوجہ بچنے اختلاف کے تو یہ

جائز ہے یا نہیں۔ (۱۳) اور اعادہ نماز فجر وعصر کا بموجب نمبر مذکورہ کے کر سکتا ہے یا نہیں؟
 الجواب۔ امر اول۔ تتبع روایات فقہیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ زلۃ القاری کے چند اقسام ہیں
 اور اکثر اقسام میں روایات توسع کی موجود چنانچہ وہ اقسام یہ ہیں۔ (۱) خطائی الاعراب۔ (۲) ابدال
 حرف بحرف۔ (۳) تخفیف مشدّد۔ (۴) تشدید مخفف۔ (۵) زیادة حرف۔ (۶) نقص حرف۔ (۷) وصل
 حرف بکلمہ۔ (۸) قطع بعض الکلمۃ عن بعض (۹) وقف وابتداء۔ (۱۰) ترک مد۔ (۱۱) زیادت کلمہ۔
 (۱۲) نقص کلمہ۔ (۱۳) تقدیم۔ (۱۴) تکرار کلمہ۔ (۱۵) تبدیل کلمہ۔ اور روایات یہ ہیں۔

فی رد المحتار واما المتأخرون کابن مقاتل وابن سلام واسماعیل الزاهد و
 أبی بکر البلخی والهندوانی وابن الفضل والحلوانی فاتفقوا علی ان الخطأ فی
 الإعراب لا یفسد ولو اعتقاده کفر لان الناس لا یميزون بین وجوه الاعراب
 قال قاضی خان وما قاله المتأخرون اوسع وما قاله المتقدمون احوط وفيه قال
 فی الخلاصة الأصل فیما اذا ذکر حرفاً مکان حرف و غیر المعنی الی قوله
 قال القاضی ابو عاصم ان تعمد ذلك یفسد وان جرى علی لسانه اولا یعرف
 التمييز لا تفسدو هو المختار حلیه وفي البزازیة وهو أعدل الا قاویل وهو
 المختار وفيه قوله او تخفیف مشدّد وقال فی الفتح عامة المشائخ علی ان ترک
 المد والتشدید کالخطاء فی الاعراب اه قلت وقد مر عدم الفساد فی الخطاء
 فی الاعراب انفا فی الروایة الاولى وفيه قوله وعکسه قال فی شرح المنیة
 وحکم تشدید المخفف کحکم عکسه فی الخلاف والتفصیل وفيه قوله او
 بزیادة حرف قال فی البزازیة ولوزاد حرفاً لا یغیر المعنی لا تفسد عندهما
 وان غیرا فسدہ بعد أسطر لکن فی المنیة ینبغی ان لا تفسد ثم قال أقول
 والظاهر ان مثل زرابیب ومثانین یفسد عند المتأخرین ایضاً اذ لم یذكروا فيه
 خلافاً وفيه قوله او نقص حرفاً اما ان یغیر المعنی اولا فان غیر تفسد الی قوله
 وان لم یغیر لا یفسد إجماعاً وفيه قوله أو بوصل حرف بکلمة الخ قال فی
 البزازیة انه لا یفسد وفي المنیة لا یفسد علی قول العامة وفيه بعد أسطر واما
 قطع بعض الکلمة فأفتی الحلوانی بانه مفسدو عامتهم قالوا لا یفسد لعموم
 البلوی فی انقطاع النفس والنسیان وعلی هذا لو فعله قصد ینبغی ان یفسد
 وبعضهم قالوا ان کان ذکر الکلمة کلها مفسداً ف ذکر بعضها كذلك والا فلا
 قال قاضی خان وهو الصحیح والا ولی الاخذ بهذا فی العمد و یقول العامة

فی الضرورة و فيه قوله او بوقف وابتداء قال فی البرازية الابتداء ان كان لا
يغير المعنى تغييرا فاحشا لا يفسد الى قوله وان غير المعنى لا يفسد عند عامة
المشائخ لان العوام لا يميزون وفيه قوله الاتشد يد رب عزاه في الخانية الى
ابى على النسفى ثم قال و عامة المشائخ على ان ترك التشديد والمد كالخطأ
فى الاعراب لا تفسد فى قول المتأخرين وفيه قوله ولوزاد كلمة اعلم ان
الكلمة الزائدة ام ان تكون فى القرآن اولاد وعلى كل اما ان تغير او لا فان
غيرت افسدت مطلقاً وان لم تغير فان كان فى القرآن لم تفسد فى قولهم
والا تفسد و عند ابى يوسف تفسد وفيه قوله أو نقص كلمة قال فى شرح
المنية وان ترك كلمة من آية فان لم تغير المعنى لا تفسد وان غيرت فانه
يفسد عند العامة و قيل لا والصحيح الاول وفيه قوله او قدمه قال فى الفتح
فان غيرت افسدت والا فلا وفيه قوله وكذا لو كرر كلمة قلت ظاهره ان الفساد
منوط بمعرفة ذلك فلو كان لا يعرفه الى قوله ينبغى عدم الفساد وكذا لو لم
يقصد شيئاً و فى الدر المختار كما لو بدل كلمة بكلمة و غير المعنى نحو ان
الفجار لفى جنات اه اى يفسد.

ان روایات سے معلوم ہوا کہ بجز زیادت و نقص حرف یا کلمہ یا تقدیم یا تبدل کلمہ کے جبکہ یہ
سب مغير معنی ہوں۔ اور جمیع اقسام میں اقوال توسع کے پائے جاتے ہیں امر دوم فی المقدمة
الجزرية والأخذ بالتجوید حتم لازم من لم یجود القرآن اثم۔ وهو إعطاء
الحروف حقها من صفة لها و مستحقها ورد كل واحد لاصله واللفظ فى
نظيره كمثلہ۔ شعراول سے تجوید کا وجوب اور ثانی سے رعایت صفت کا اور ثالث سے رعایت
مخارج کا ماہیت تجوید ہونا ثابت ہے پس مجموعہ روایات بالا و اشعار ہذا سے معلوم ہوا کہ جواز
بمعنی صحت صلوٰۃ اور جواز بمعنی رفع اثم دونوں متلازم نہیں نہ صحت صلوٰۃ مستلزم رفع اثم کو ہے اور
نہ وجود اثم مستلزم فساد صلوٰۃ کو ہے۔

امرسوم فى الدر المختار ولا غير الألف به اى بالا لثع على الاصح كما فى
البحر من المجتبى وحرر الحلبي وان الشحنة انه بعد بذل جهده دائما حتما
كالا مئى فلا يؤم الامثلة ولا تصح صلوته اذا أمكنه الا قتداء بمن يحسنه فى
ردالمحتار ان يحسن ما يلغى هو به او يحسن القرآن وهذا مبنى على ان الا مئى
اذا أمكنه الاقتداء يلزمه و فيه كلام ستعرفه ثم قال بعد أوراق تحت قول

الدر المختار بخلاف حضور الامی بعد افتتاح القاری اذالم یقتدبه و صلی منفرداً فانها تفسد فی الاصح اه مانصه وهو مخالف لما قبله الذی صححه فی الهدایة فان ما قبله شامل لما اذا شرعاً معاً او افتتح الامی اولاً ثم القاری او بالعکس الی قوله والتحقیق الاول الذی فی الهدایة الخ۔

اس سے اٹخ کا مثل امی کے ہونا اور امی کی نماز کا منفرداً صحیح ہونا علی الراجح معلوم ہوا۔ اب بعد تحقیق امور ثلاثہ مؤیدہ بالدلائل والروایات کے جاننا چاہئے کہ حروف کے صحیح نہ ادا کرنے میں ابدال حرف بحرف ہے جس کا حکم بضمن تحقیق امر اول عبارت خلاصہ سے معلوم ہو چکا کہ تغیر معنی کی تقدیر پر تعداً موجب فساد صلوٰۃ ہے اور عدم تمیز یا جریان علی اللسان کی صورت میں مفسد نہیں ہے پس جو لوگ بوجہ مشق و ریاضت نہ ہونے کے ان میں تمایز نہیں کر سکتے۔ ان کی نماز صحیح ہو جاتی ہے اور بایں معنی معذور ہیں لیکن یہ ضرور نہیں کہ بمعنی عدم اثم بھی معذور ہوں جیسا کہ امر دوم میں بیان کیا گیا بلکہ صحیح میں سعی کرنا اس کے ذمہ واجب ہے اور ظاہراً (۱) یہی معلوم ہوتا ہے کہ صحیح ادا کرنے والے کی نماز ایسے شخص کے پیچھے صحیح نہ ہوگی جبکہ معنی میں تغیر آ جاوے گو خود بالمعنی المذكور معذور سمجھا جاوے اور مقتضاً قواعد کا یہ ہے کہ اس حالت خاص میں ایسے قاری کے شریک صلوٰۃ ہوتے ہوئے اور مقتدیوں کی نماز بھی اس غلط خواں کے پیچھے صحیح نہ ہوگی جیسا کہ امر سوم سے مفہوم ہوتا ہے لیکن یہ کہنا کہ اگر اس نے تصحیح کی کوشش نہیں کی تو خود اس کی نماز بھی صحیح نہیں غلط ہے جیسا کہ امر سوم میں احقر نے اس کی تصریح کر دی ہے اور ظاہر بھی ہے کیونکہ امی میں کسی نے نہیں کہا کہ اگر وہ سعی نہ کرے تو اسکی نماز صحیح نہیں پس جب یہ شخص مثل امی کے ہے تو اس عدم صحت صلوٰۃ کی کوئی وجہ وجہ نہیں معلوم ہوتی پس حکم فساد صلوٰۃ کا میرے نزدیک مؤول ہے کسی تاویل مناسب کے ساتھ۔ رہا یہ امر کہ ظالین سے نماز فاسد نہ ہوگی دالین سے ہو جاوے گی اس کا مبنی یہ سمجھنا کہ ظا اور ضا د میں مشابہت ہے اور قاضی خان کے جزئیہ سے اس کو مؤید کرنا اور اور اس بناء پر یہ حکم کرنا کہ ہر جگہ ظاء پڑھنا چاہئے یہ صحیح نہیں کیونکہ قاضی خان ہی میں دوسرے جزئیات اس مبنی کو منہدم کرتے ہیں چنانچہ مجھ کو یاد پڑتا ہے کہ اس میں غیر الممغلوب علیہم اور والعیاذات ظہراً پڑھنے کو مفسد صلوٰۃ کہا ہے اس وقت کتاب (۲) موجود نہیں ورنہ علی الجزم لکھا جاتا لیکن ایسے جزئیات اس میں بالیقین مذکور ہیں۔ پس اگر مبنی مذکور صحیح ہوتا تو اس باب میں جمیع

(۱) یہ پہلی رائے ہے جو کہ بطور استنباط کے قائم کی گئی تھی اسکے بعد کے فتوے میں جو کہ ص ۱۶۳ پر واقع ہے اس سے رجوع

کیا گیا ہے ۱۲ تصحیح الاغلاط ص ۲۰

(۲) یہ روایات اس باب التجوید کے سوال اول کے جواب میں مذکور ہیں اب جزم ہو گیا ۱۲ منہ۔

موارد ضاد کے برابر ہوتے اور اس فرق کی کوئی وجہ نہ ہوتی پس معلوم ہوا کہ اس کی کوئی اور وجہ ہے جس کو احقر نے اپنی بعض تحریرات (۱) میں ذکر بھی کر دیا ہے اور فقہاء کا حکم عدم فساد بالظاہر کا اس صورت میں ہے جب عمدانہ ہو چنانچہ وان لم یکن الا بمشقة کھنا خود اس کی دلیل ہے اور اگر عمدانہ ہو تو فساد میں شبہ نہیں چنانچہ دوسری جزئیات (۲) قاضی خان کی اس پر مبنی ہیں اور امر اول کی تحقیق میں خلاصہ سے اس کی تصریح کی گئی ہے اور وہ عبارت مطلق ہے کسی حرف کے ساتھ مقید نہیں۔ غرض تقریر مذکور سے معلوم ہوا کہ قصد ایسا نہ کرے اور اگر بلا قصد بوجہ عدم مشق پڑھا گیا خواہ پھر کچھ ہی ادا ہو تو خو د اس کی نماز ہو جاوے گی لیکن صحیح خواں کی امامت نہ کرے بلکہ صحیح خواں جو مسائل ضروریہ سے واقف ہو وہ احق بالامامت ہے جیسا سب امور مفصل و مدلل بفضلہ تعالیٰ مرقوم ہو چکے اس تقریر سے اجمالاً اکثر سوالات کا جواب نکل آیا مگر سہولت کیلئے سب سوالات باقیہ کا جواب فرادی فرادی لکھا جاتا ہے۔

۱..... اداء الحروف من الخارج مع الصفات کما مر من الجزریۃ۔ (۲) جس کو قدر ما یجوز بہ الصلوٰۃ یاد نہ ہو وہ اتمی ہے۔ (۳) اور جس طرح عام طور پر لوگ قرآن پڑھتے ہیں یہ حکم صحت صلوٰۃ میں صحیح ہے کما یفہم۔ من الفتاویٰ الآتیہ۔ (۳) کلامی (۴) ہیں (۴) نہیں اور نہیں (۵) قاری جو مسائل ضروریہ سے واقف ہو امامت میں اقدم ہے۔ (۶) خود تو اس کی نماز صحیح ہے کما مر فی الامر الثالث۔ البتہ صحیح خواں کا امام نہ بنے (۷ و ۸ و ۹ و ۱۰) وجوب مسلم ہے اور اس کی ترک سعی میں گناہ بھی ثابت لیکن عدم صحت صلوٰۃ غیر مسلم ہے جیسا امر ثالث میں بیان ہوا اور امر اول میں روایات مذکور ہو چکیں اور جبکہ یہ مسائل اختلافی ہیں تو بعض روایات کو لینے میں نہ قاری صاحب پر ملامت ہے نہ دوسروں پر (۱۱) جب تک صحیح نہ ہو جاوے کلامی ہے۔ (۱۲) احتیاط جائز ہے۔ (۱۳) جب اس نے روایات عدم صحت پر عمل کیا تو فجر اور عصر کا اعادہ بھی جائز ہے۔ واللہ اعلم و علمہ اتم۔ ۲۱ صفر ۱۳۲۲ھ (امداد ص ۱۱ ج ۱)

سوال (۲۲۰) جناب والا احقر نے جب سے کہ اس فتویٰ کو دیکھا ہے جس کو مولوی کفایت حسین صاحب نے دربارہ قراءت حضور والا کے پاس سے منگایا ہے اسی وقت سے سخت پریشان ہوں اگرچہ حکم صاف ہے مگر واسطے تسکین خاطر کے اس کے متعلق چند امور دریافت کرتا ہوں جبکہ یہ بات قرار پائی کہ تجوید فرض ہے اور خاص کر حرف ضاد کو مخرج سے نہ نکالنے والے

(۱) اس سے مراد وہی ہے جو اب سوال اول اس باب التجوید کا ہے ۱۲ منہ۔

(۲) یہ جزئیات اس باب التجوید کے سوال اول کے جواب میں منقول ہیں ۱۲ منہ۔

(۳) یہاں پر تصحیح الاغلاط ص ۲۰ سے تغیر کیا گیا ہے ۱۲ منہ۔

(۴) اس سے فتویٰ آئندہ میں رجوع کیا گیا ہے ۱۲ تصحیح الاغلاط ص ۲۰

مثل امی کے ہیں اور ایسے شخص کی اقتداء اگر قاری جو اس حرف کو مخرج سے نکالتا ہے کرے گا تو نماز کسی کی بھی نہ ہوگی تو اب ایسی حالت میں اگر یہ قاری جماعت علماء میں ہو تو کیا کرے آیا ان کو اطلاع کرے مگر اس میں سخت سوء ادبی ہے اور صورت تعلیٰ ہے اور بعض جگہ اندیشہ فساد ہے یا اطلاع نہ کرے تو اس میں موافق فتوے کے سب کی نماز فاسد ہے یا یہ شخص جماعت میں شریک نہ ہو اور ترک جماعت کرے غرض کیا کرے حضور مجھ کو تشویش لاحق ہے وہ بہت سخت ہے کہ جس کا زبان تک لانا نہایت گراں ہے۔؟

الجواب۔ فی الدر المختار ولا غیر الألفغ به ای بالألفغ علی الاصح الی قوله وکذا من لا یقدر علی التلفظ بحرف من الحروف اولا یقدر علی إخراج الفاء الابتکار فی رد المحتار قوله علی الاصح ای خلافا لما فی الخلاصة عن الفضلی من انها جائزة لان ما یقولہ صار لغة له ومثله فی التاتارخانیة وفی الظہیریة وإمامة الألفغ لغيره تجوز وقیل لا ونحوه من الخانیة عن الفضلی وظاهره اعتمادهم الصحة وكذا اعتمده صاحب الحلیة قال لما أطلقه غیر واحد من المشائخ من انه ینبغی له ان لا یؤم غیره وكما فی خزانة الاكمل و تکره إمامته اتفاقاً ولكن الأحوط عدم الصحة كما مشی علیه المصنف و فیہ بعد اسطر (تتمه) وسئل الخیر الرملى اما اذا كانت اللثغة یسیرة فأجاب بانه لم یرها لائمتنا و صرح بها الشافعیة بانه لو كانت یسیرة بان یتأتی بالحرف غیر صاف لم تؤثر قال وقواعد نالاتأباه اه وبمثله أفتی تلیمذ الشارح المرحوم اسماعیل الحائک مفتی دمشق شامی ج ۱ ص ۳۹۲ محتبائی فی العالمگیریة وان جرى علی لسانه او كان لا یعرف التمییز لا تفسد وهو أعدل الاقاویل المختار هکذا فی الوجیز لکردری۔

ان روایات سے معلوم ہوا کہ جس طرح اکثر عوام الناس کہ بہت سے خواص بھی قرآن پڑھتے ہیں۔ اس طرح کے پڑھنے والوں کی امامت میں بھی گنجائش ہے اور عموم بلوئی کی وجہ سے ان روایات پر عمل جائز ہے۔ اس لئے میرے نزدیک صورت مسئلہ میں نماز صحیح ہو جاتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (امداد ص ۱۲۵ ج ۱)

سورة العصر میں امام کے عملوا الصالحات کو چھوڑنے کا حکم

سوال (۲۲۱) آج مغرب کی نماز میں پیش امام صاحب سے سورة عصر میں عملوا الصالحات سہواً

چھوٹ گیا تو ایسی حالت میں نماز ہوگئی یا نہیں اور سجدہ سہو بھی نہیں کیا اگر کرتے تو کیا نماز ہو جاتی ؟

الجواب۔ صورت مسئلہ میں قراءۃ فرض تو ادا ہوگئی اس لئے فرض نماز بھی ادا ہوگئی لیکن قراءت واجبہ کہ علاوہ سورۃ فاتحہ کے ایک آیۃ طویلہ یا تین آیات قصیرہ ہیں ادا نہیں (۱) ہوئی کیونکہ آخری آیت کے بعض اجزاء رہ جانے سے آیت پوری نہیں ہوئی لہذا واجب ترک ہوا۔ جس کا سجدہ سہو سے تدارک ہو جاتا ہے اب وہ نماز واجب الاعادہ ہوئی۔ وقت میں اعادہ کرنا بالکل مکمل صلوٰۃ ہوتا اب بھی احوط یہ ہے کہ سب نمازی اس نماز کو الگ الگ دہرائیں۔ والسلام۔
۲۰ محرم ۱۳۲۶ھ (تمتہ اولیٰ ص ۱۰)

ایک سورت کو کئی حصے کر کے نماز میں پڑھنے کا حکم

سوال (۱۲۲) بعض امام جو سورت قرآن کی دو رکعتوں میں دو ٹکڑے کر کے پڑھتے ہیں یا کہیں سے رکوع پڑھ دیتے ہیں یہ سنت ہے یا خلاف اولیٰ ہے یا مکروہ ؟

الجواب۔ فی العالمگیریۃ الأفضل ان یقرأ فی کل رکعة الفاتحة و سورة كاملة فی المكتوبة فان عجز الان یقرأ السورة فی الركعتین کذا فی الخلاصة ولو قرأ بعض السورة فی رکعة والبعض فی رکعة قیل یکرہ وقیل لا یکرہ وهو الصحیح کذا فی الظہیریۃ ولكن لا ینبغی ان یفعل ولو فعل لا باس به کذا فی الخلاصة ولو قرأ فی رکعة من وسط سورة او من اخر سورة و قرأ فی الركعة الأخری من وسط سورة أخرى او من اخر سورة أخرى لا ینبغی له ان یفعل ذلك علی ما هو ظاهر الروایۃ ولكن لو فعل ذلك لا باس به کذا فی الذخیرۃ فی الحجة لو قرأ فی الركعة الاولى اخر سورة و فی الركعة الثانية سورة قصيرة کما لو قرأ آمن الرسول فی رکعة و قل هو الله احد فی رکعة لا یکرہ کذا فی التاتارخانیۃ قراءۃ اخر سورة فی الركعتین أفضل من قراءۃ السورة بتمامها ان کان آخرها اکثر آیۃ من السورة وان كانت السورة اکثر آیۃ فقراءتھا افضل هکذا فی الذخیرۃ ج ۱ ص ۹۹ فصل رابع فی القراءۃ۔

(۱) اس فتویٰ کا مدارس پر ہے کہ تین آیات قصیرہ پوری نہیں ہوئی لیکن درمختار شامی وغیرہ کی تصریحات سے یہ ثابت ہے کہ تین آیتیں پورا ہونا شرط نہیں بلکہ چھوٹی سے چھوٹی تین آیتوں کی مقدار ہو جانا کافی ہے جس کی مثال درمختار میں ثم نظر ثم عبس و بسر۔ ثم ادبر و استکبر لکھی ہے اور اس کے بعد لکھا ہے و کذلک لو كانت الآية او الايتان تعدل ثلاثا قصاراً ذکرہ الحلبي۔ اور شامی نے مزید توضیح یہ فرمائی کہ ان تین آیتوں میں تیس حرف ہیں اگر کسی نے ایک یا دو آیت ایسی پڑھ لیں جس میں تیس حرف ہوں تو واجب ادا ہو گیا۔ اس لئے صورت مندرجہ سوال میں اعادہ واجب معلوم نہیں ہوتا۔

روایات مرقومہ سے معلوم ہوا کہ سورۃ مسنولہ میں بقول اصح مکروہ نہیں مگر عادتہ اس کے خلاف اولیٰ ہے اور اگر احیاناً ہو تو ایک درجہ میں مسنون بھی ہے۔ لما رواہ مسلم عن ابن عباس قال کان رسول اللہ ﷺ یقرأ فی رکعتی الفجر قُولُوا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا اُنْزِلَ اِلَيْنَا۔ والتي فی آل عمران قُلْ يَا اَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْ اِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ۔ مشکوٰۃ فصل اول من باب القراءة فی الصلوٰۃ۔

۳ محرم ۱۳۲۸ھ (تمتہ اولیٰ ص ۲۴)

والعصر میں والتین الخ

سوال (۲۲۳) سورۃ العصر میں سے وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ کی جگہ سے فَلَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ پر انتقال کر کے سہو سورۃ والتین وَالزَّيْتُونَ کو ختم کر کے تو نماز صحیح ہوگی یا معنی بدلے یا نہ؟۔

الجواب۔ صحیح ہوگی۔ ۶ ربیع الاول ۱۳۳۰ھ

ترجیح وجوب جہر بقیۃ قراءت بعد شرکت مقتدی وعدم وجوب اعادۃ قراءۃ بعد اتمام قراءت بسبب شرکت مقتدی

سوال (۲۲۴) اگر اقتداء کیا نمازی کا کسی نے بعد کل یا جزو پڑھ لینے فاتحہ آہستہ کے تو فاتحہ کو جہر سے اعادہ کرے بحر الرائق میں وجہ اعادہ کرنے کی یہ لکھی ہے کہ دوسرے کی اقتداء کی سبب اس پر جہر واجب ہو گیا اب اگر صرف باقی قراءت کو پکار کے پڑھتا ہے تو ایک رکعت میں آہستہ پڑھنا اور پکار کر پڑھنا جمع ہو جاتا ہے حالانکہ یہ امر برا ہے اور اگر آہستہ پڑھتا ہے تو جہر کے واجب ہونے کے بعد آہستہ پڑھنا واجب کا ترک ہے اس لئے اعادہ جہر سے ضرور ہوا (غایۃ الاوطار) شامی نے اس مسئلہ میں بہت قیل وقال کی ہے جناب ذرا شامی کو ملاحظہ فرما کر تحریر فرمادیں کہ شامی کا قول درست ہے یا غایۃ الاوطار کا۔ اور جس صورت میں کہ اعادہ الحمد کا کیا جاوے گا تو سجدہ سہو کیا جاوے گا یا نہیں اور اگر سجدہ سہو کیا جاوے گا تو اس میں یہ خدشہ ہوتا ہے اس صورت میں اعادہ سورۃ فاتحہ کا بالقصد ہے اور سجدہ سہو بوجہ سہو کے ہوتا ہے۔ مولوی عبدالشکور صاحب لکھنوی نے علم الفقہ میں سجدہ سہو اس صورت میں لکھا ہے اور شامی کے قول سے بھی سجدہ سہو معلوم ہوتا ہے یہ تو سورۃ فاتحہ کی بابت عرض کیا اور اگر کوئی شخص تنہا نماز پڑھ رہا ہے اور بعد الحمد ختم سورۃ بھی کر چکا اس وقت کسی نے اقتداء کی تو یہ کیا کرے یا اگر بعد الحمد کے سورۃ

پڑھنے میں اقتداء کیا تو کیا کرے۔؟

الجواب۔ میں نے شامی کو دیکھا عدم اعادہ و جہر بالباقی کے متعلق شامی نے یہ لکھا ہے۔

وهو أسهل من لزوم الجمع بين الجهر والإسرار في ركعة على ان كون ذلك الجمع شنيعا غير مطرد لما ذكره في آخر شرح المنية ان الإمام لو سها فحافت بالفاتحة في الجهرية ثم تذكر يجهر بالسورة ولا يعيد ولو خافت بآية أو أكثر يتمها جهر أو لا يعيد الى قوله فدعوى انه ضعيف رواية ودراية غير مسلمة فافهم ج ۱ ص ۵۵۵ سو یہی میرے جی کو لگتا ہے اور شامی کی رائے بھی اسی کی ترجیح کی معلوم ہوتی ہے کہ بقیہ فاتحہ (۱) جہر سے پڑھ لے و بس۔ اسی طرح اگر سورت پڑھنے میں اقتداء کیا تو جس قدر قراءت اور پڑھنا چاہے وہ جہر سے پڑھ لے اور اگر قراءت ختم کرنے کے بعد کسی نے اقتداء کیا تو اس قراءت کے کسی حصہ کا جہر واجب نہیں۔ ۱۲ رزی الحجۃ ۱۳۳۷ھ (تمتہ ثانیہ ص ۹۹)

صحت صلوٰۃ بعد تدارک زلۃ القاری

سوال (۲۲۵) اگر کسی اَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ، فَأُمُّهُ، هَاوِيَهُ خواندہ فی الفور صحیحش نمودہ نماز ادا کر دینا صحیح باشد یا نہ۔؟

الجواب۔ فی العالمگیریۃ ذکر فی الفوائد لو قرأ فی الصلوٰۃ بخطاء فاحش ثم رجع وقرأ صحیحاً قال عندی صلوٰۃ جائزۃ و كذلك الإعراب ۵ ج ۱ ص ۵ قلت و كذلك سمعت شیخی مولانا محمد یعقوب رحمہ اللہ تعالیٰ۔ پس بناء علیہ نماز اس کس صحیح باشد۔ یکم محرم یوم الثلاثاء ۱۳۳۴ھ (تمتہ رابعہ ص ۴)

کراہتہ تعیین سورۃ در ہر نماز

سوال (۲۲۶) ہم چنانکہ تعیین سورت در فرائض مکروہ است آیا در نوافل ہم مکروہ است یا نہ۔؟

الجواب۔ فی العالمگیریۃ ویکرہ ان یوقت شیئا من القرآن بشئی من

(۱) اور یہ سب اس وقت ہے کہ یہ شخص امام ہونے کی نیت بھی کرے ورنہ اگر اب بھی اپنے کو منفرد سمجھتا ہے تو احکام امامت کے کہ ان میں سے جہر بالقراءة ہے اس پر واجب نہ ہوں گے اور مقتدی کی نماز بھی صحیح ہو جاوے گی کہ مرد مقتدی کی صحت صلوٰۃ کے لئے امام کی نیت شرط نہیں ۱۲ منہ۔

الصلوة الخ ج ۱ ص ۴۹ ازیں روایت معلوم شد کہ فرائض و نوافل دریں حکم برابرست۔
 یکم محرم ۱۳۲۲ھ (حوالہ بالا)

حکم بعض اغلاط قرآنیہ در نماز

سوال (۲۲۷) عرض یہ ہے کہ ان مسائل کا جواب ارشاد فرمائیے۔

۱..... ایک شخص نے مِثَاقَهُ الَّذِیْ وَ اَثَقَکُمْ جو دوسرے رکوع ماندہ میں ہے کی جگہ
 مِثَاقَهُ الَّذِیْ وَ اَثَقَکُمْ تراویح میں پڑھا ہے۔ اب یہ نماز جائز ہے یا نہیں واؤ کو عاطفہ سمجھ کہ
 ہمزہ پرز بر پڑھا ہے۔

۲..... ایک کس نے اَنْعَمْتُ عَلَیْہُمْ کی جگہ اَنْعَمْتُ عَلَیْہُمْ ز بر کی جگہ پیش پڑھا۔ پھر
 جب الحمد پورا ہوا اس کو یاد ہوا پس بسبب یاد ہونے کے اَنْعَمْتُ کی تاء پرز بر پڑھی۔ اب یہ نماز
 جائز ہے یا نہ۔ مہربانی فرما کر جواب تحریر فرمادیں۔

الجواب۔ پہلی غلطی مفسد معنی نہیں بلکہ لفظ کو بے معنی کر دینے والی ہے۔ اس لئے نماز
 ہوگی۔ اور دوسری جگہ مفسد معنی ہے مگر اس کا جب (۱) تدارک کر دیا گیا تو وہ کالعدم ہوگئی اس لئے
 اس میں بھی نماز ہوگئی۔ یہ جواب قواعد سے لکھا ہے جزئیہ نہیں دیکھا بہتر ہے کہ کسی محقق سے بھی
 پوچھ لیا جاوے۔
 ۲ ربیع الاول ۱۳۲۹ھ (تمتہ خامسہ ص ۱۸۲)

رفع شبہ واردہ بر نہ بودن قرأت بزمہ مقیم مقتدی بمسافر در باقی نماز

سوال (۲۲۸) جب کہ امام مقیم یا مسافر سلام پھیر دیتا ہے تو باقی نماز رہنے والے
 مقتدیوں کو امام سے اور امام کو ان مقتدیوں سے کچھ تعلق باقی نہیں رہتا چنانچہ سلام پھیرنے کے بعد
 امام جو چاہے سو کرے امام کے فعل مقتدیوں کی باقی ماندہ نماز میں کچھ دخل اور اثر نہیں رکھتے اور
 جب کہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد مقتدیوں کو اپنی باقی ماندہ نماز کی رکعتوں میں الحمد اور سورت
 پڑھنا لازم ہے اور حدیثوں میں وارد ہے کہ جس رکعت میں الحمد نہ پڑھی وہ رکعت نہیں گویہ حدیث
 امام اور منفرد کے حق میں تکمیل نماز کے واسطے ہے لیکن پھر کیا سبب کے امام مسافر کے سلام پھیرنے
 کے بعد دو یا ایک رکعت باقی رہنے والا مقتدی اپنی باقی رکعتوں میں الحمد اور سورۃ نہ پڑھے اور تین یا
 چار رکعت رہنے والا مقتدی یا کوئی رکعت نہ پانے والا قعدہ میں ملنے والا اپنی باقی رکعت میں الحمد

(۱) یہ حکم مقتدیین کے ضابطہ کے مطابق ہے اور متاخرین نے تو زیر بر کی غلطی مفسد معنی کو بھی مفسد صلوٰۃ نہیں قرار دیا۔ ۱۲ محمد شفیع۔

اور سورۃ ضرور پڑھے۔ نہ پڑھنے والے کی نماز صحیح ہونے کی دلیل حدیث صحیح سے ارقام فرمائیے۔
 الجواب۔ چونکہ بعد سلام امام مسافر کے مقیم مقتدی لاحق ہے اور لاحق بمنزلہ مؤتم ہی ہے اس لئے اس کے احکام مؤتم کے سے ہوں گے۔ فی الدر المختار فی احکام اللاحق و حکمہ کمؤتم فلا یاتی بقراءة ولاسهو ولا یتغیر فرضہ بنیۃ اقامتہ و یبدأ بقضاء ما فاتہ عکس المسبوق۔ اور مؤتم کا قرأت نہ کرنا حدیث سے ثابت ہے اور لاحق کا مثل مؤتم ہونا قیاس صحیح سے ثابت ہے۔ یکم جمادی الاولیٰ ۱۳۲۲ھ (امداد ص ۵۱ ج ۱)

کراہت فصل بسورۃ قصیرہ و قرأت خلاف ترتیب بلا الزوم سجدة سہو

سوال (۲۲۹) (۱) اگر سورۃ کافرون پڑھ کر انا اعطینا یا لایلاف وغیرہ پڑھے تو ترتیب قرآنی کے خلاف پڑھنے میں نماز ہوگی یا نہیں اور اگر سجدة سہو کرے تو کراہت جاتی رہے گی کہ نہیں؟ (۲) اول رکعت میں انا اعطینا دوسری رکعت میں اذا جاء پڑھے تو نماز مکروہ ہوگی کہ نہیں اس لئے کہ اس نے چھوٹی سورت..... ایک درمیان میں چھوڑ کر کے پڑھی سجدة سہو کرنے سے نماز کی کراہت جاتی رہے گی کہ نہیں؟ (۳) اول رکعت میں چھوٹی سورت پڑھے دوسری میں بڑی سورت پڑھے تو نماز مکروہ ہوگی کہ نہیں اور سجدة سہو سے نماز ٹھیک ہوگی یعنی کراہت جاتی رہے گی کہ نہیں؟

الجواب۔ (۱) فی الدر المختار فصل القراءة و یکرہ الفصل بسورۃ قصیرۃ وان یقرء منکوساً۔ اس سے معلوم ہوا کہ نماز ہوگئی اور سجدة سہو لازم نہیں خصوص جبکہ بلا قصد ہوا ہو تو کراہت بھی نہیں؟

لما فی (۱) الرد قوله ثم ذکریم أفاد ان التنکیس او الفصل بالقصیرۃ انما یکرہ اذا کان عن قصد فلو سهو فلا کما فی شرح المنیۃ ۵۷۱ ص

(۲) فی الدر المختار و یکرہ الفصل بسورۃ قصیرۃ فی رد المختار اما بسورۃ طویلۃ بحیث یلزم منه إطالة الركعة الثانية اطالة كثيرة فلا یکرہ شرح المنیۃ۔ اس سے معلوم ہوا کہ چھوٹی سورت درمیان میں چھوڑنا جو مکروہ ہے تو اس میں شرط یہ ہے کہ سورت متروکہ اول سورت سے بڑی نہ ہو ورنہ مکروہ نہیں اور چونکہ صورت مسئلہ (۲) میں سورت متروکہ یعنی قل یا ایہا الکافرون سورۃ انا اعطیناک الکوثر سے بڑی ہے اس لئے یہ ترک مکروہ نہیں ہوا البتہ

(۱) یہاں پر صحیح الاغلاط ص ۱۰ سے عبارت میں اضافہ کیا گیا ہے ۱۲

(۲) اس جگہ بھی صحیح الاغلاط ص ۱۰ سے عبارت میں ترمیم کی گئی ہے۔ ۱۲ محمد شفیع عفی عنہ

دوسری رکعت کا طویل ہونا موجب کراہت ہوا۔ کما فی الدر المختار ایضاً واطالة الثانية على الاولى يكره تنزيهاً لیکن سجدہ سہولاً لازم نہیں۔

(۳) مکروہ بمعنی خلاف سنت ہے۔ لہذا مر فی الجواب عن السؤال الثاني لیکن سجدہ سہو واجب نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم۔ ۲/ زی الحجہ ۱۳۲۳ھ (امداد ص ۶۸۰ ج ۱)

تحقیق اعادہ سورت در آخرین بوقت سہو در اولین

سوال (۲۳۰) نماز ظہر میں سہواً ابتدائی رکعات میں ضم سورت سے قاصر رہا لیکن قعدہ اولیٰ میں اس کو تنبیہ ہو گیا اب بقیہ دو رکعتوں میں اس نے عمداً ضم سورۃ نہ کی اور یہ سمجھا کہ اب کیا ضرورت ہے سجدہ سہو کر لوں گا چنانچہ سجدہ سہو کر لیا تو نماز ہوئی یا نہیں اور بعد سہو خالی رکعات میں ضم سورۃ کر لینا بطور اعادہ کے واجب تھا یا کیا؟

الجواب۔ فی الدر المختار ولو ترك سورة اولی العشاء مثلاً ولو عمداً قرأها وجوباً وقيل ندباً مع الفاتحة جهراً فی الآخرين الخ فی رد المختار تحت قوله مثلاً زاده الى قوله وليعم الرباعية السرية فانه يأتي بهاتى الآخرين ايضاً أفاده (ط) وانما خص المصنف العشاء بالذكر لمكان قوله جهراً الخ وتحت قوله وجوباً وقيل ندباً بعد بحث طويل والحاصل ان اختيار صاحب الفتح والبحر والنهر الندب لانه صريح كلام محمد۔ ص ۵۷۸ و ص ۵۵۵ اس سے معلوم ہو اکہ آخرین میں ضم سورۃ مستحب تھا اگر نہ کیا تب بھی درست ہے اور سجدہ سہو دونوں حال میں ہے لتركه تعيين الاوليين للسورة وكان واجباً۔

۱۰/ رمضان ۱۳۳۳ھ (تمتہ ثالثہ ص ۷۴)

پہلی رکعت میں سورۃ سج اسم ربک الخ اور دوسری میں سورۃ غاشیہ پڑھنے کا حکم درآں حالیکہ سورۃ غاشیہ کی آیات زائد ہیں

سوال (۲۳۱) سورۃ سج اسم اور هل اتاک حدیث الغاشیہ ان دونوں سورتوں میں سورۃ غاشیہ کی آیات سورۃ اعلیٰ سے زیادہ ہیں نماز میں ان دونوں کو پڑھنے سے کسی قسم کی کراہت تو نہیں۔

الجواب۔ (۱) لكونه ماثوراً فيستثنى من الكراهية۔ ۲۳/ رجب ۱۳۲۹ھ

(۱) یہ سوال وجواب النور محرم ۱۳۵۰ھ سے لکھا گیا ہے اس میں چند نمبر اور بھی تھے۔ جن کا تبویب میں دوسری جگہ آنا مناسب تھا۔ وہاں درج کر دیئے گئے۔ ۱۲ بندہ محمد شفیع عفی عنہ

فصل فی التجوید

تحقیق ضاد و طاء

سوال (۲۳۲) قرآن مجید میں ضاد پڑھنے پر لوگوں نے مختلف ڈھنگ اختیار کئے ہیں بہت لوگ دوا د پڑھتے ہیں بہت لوگ صاف دال پڑھتے ہیں بہت لوگ طاء یا زاپڑھتے ہیں بہت لوگ عجب خلط کرتے ہیں کہ کہیں تو دوا د پڑھتے ہیں اور کہیں صاف دال پڑھ دیتے ہیں اور ان خلط کرنے والوں کی تعداد میں بہت معلوم ہوتی ہے۔ یہی لوگ ہیں جو اپنے پڑھنے کو حنفیوں کے طریقے کے موافق سمجھتے ہیں باقی پڑھنے والوں کو اپنے زعم میں غیر مقلد جانتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ ضاد کو دوا د یا دال یا طاء یا زایا ط دال پڑھنا سب ہی غلط ہیں مگر جو شخص جس طرح پڑھتا ہے اسی کو موافق قواعد تجوید جانتا ہے اور دوسرے طریقے سے پڑھنے والوں کو غلطی پر بتاتا ہے اور اس کی نماز کو فاسد خیال کرتا ہے عوام کی تو کچھ شکایت نہیں ان بیچاروں کا تو شین قاف تک درست نہیں ہوتا یہ بلا آج کل کے حفاظ اور حضرات علماء میں دیکھتا ہوں۔ اعراب کہیں معروف پڑھتے ہیں کہیں مجہول۔ وقف کرتے ہیں اور سانس نہیں توڑتے اظہار اور اخفاء بالکل نہیں کرتے۔ ترقیق و تفخیم کے نام سے بھی اچھی طرح واقف نہیں۔ حروف قلقلہ و استعلاء وغیرہ کسی سے آگاہ نہیں اس پر یہ حال کہ ایک فریق دوسرے فریق کی نماز کو باطل بتا رہے اور سارا جھگڑا ہر پھر کر صرف ضاد ہی پر آرہے جس طرح ضاد کو ضاد پڑھنا قواعد تجوید کے موافق ہے اسی طرح اور باتیں بھی ہیں مگر یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ اور باتوں میں جھگڑا کیوں نہیں کیا جاتا۔ بعض حضرات علماء یہ فرما دیتے ہیں کہ حروف کو ان کے مخارج سے ادا کرنا چاہئے و بس یہ بات بھی جی کو نہیں لگتی کیونکہ جس طرح حروف کو ان کے مخارج سے ادا کرنا مامور بہ ہے اسی طرح تجوید کی اور باتیں بھی مامور بہ ہیں۔ پھر صرف ایک قاعدہ پر عمل کرنے اور باقی کو ترک کرنے سے نماز کیوں کر صحیح یا کامل ہو جائے گی شاید دونوں کے مامور بہ ہونے میں کچھ فرق ہو جس کو میں نہیں جانتا۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ ضاد کو دوا د پڑھنے پر اجماع منعقد ہو گیا ہے۔ یہ بات میرے جی کو نہیں لگتی کیونکہ بعض ماہرین فن کو سنا ہے وہ تو دوا د نہیں پڑھتے۔ بعض حضرات رتل

القرآن ترتیلاً سے فن تجوید سیکھنے کو واجب فرماتے ہیں۔ اگر یہ بات صحیح ہے تو بڑی مشکل ہے۔ لاکھوں نمازیں برباد ہوئیں۔ اور ہوتی ہیں اور ہوں گی کیونکہ یہ فن سخت مشکل ہے۔ حضرات علماء میں ہزاروں میں کہیں دو چار مجود نکلیں گے مگر جو لوگ واجب فرماتے ہیں یہ نہیں بتاتے کہ کس قدر مقدار واجب ہے بعض زور میں آ کے یہ کہہ دیتے ہیں کہ حروف کے مخارج کا ادا کرنا اتنی مقدار واجب ہے لیکن ان سے اس بات پر اگر کوئی دلیل نقلی طلب کرے تو فضول باتیں بنانے لگتے ہیں اپنی ذاتی رائے کے سوا کچھ جواب نہیں بن آتا۔ امید کرتا ہوں کہ ضاد کے متعلق جو عرض کیا گیا ہے غور سے ملاحظہ فرما کر کافی شافی جواب مرحمت ہوتا کہ قلب کو تسکین ہو اور اس کے مطابق اعتقاد و عمل رکھا جائے۔؟

الجواب۔ (۱) فی فتاویٰ قاضی خان وان ذکر حرفاً مکان حرف وغیر المعنی فان أمکن الفصل بین الحرف من غیر مشقة كالطاء مع الصاد فقرء الطالحات مکان الصالحات تفسد صلوتہ عند الكل وان كان لا یکن الفصل بین الحرفین الا بمشقة كالطاء مع الضاد والصاد مع السین والطاء مع التاء اختلف المشائخ فیہ قال اکثرهم لا تفسد صلوتہ اه وفيها ايضاً ولو قرأ والعاديات طبعاً بالطاء تفسد صلوتہ اه وفيها وكذا لو قرأ غیر المغضوب علیهم بالطاء وبالذال تفسد صلوتہ ولو قرأ الذالین بالذال لا تفسد صلوتہ ولو قرأ الذالین تفسد صلوتہ اه ولو قرء و نخل طلعتها هضم قرء بالطاء وبالذال تفسد صلوتہ اه وفيها ايضاً ولسوف يعطيك ربك فترضى قرء فترضى بالطاء تفسد صلوتہ اه. وفيها كيدهم في تضليل قرء بالطاء قال بعضهم لا تصح اه وفيها ومن يضل الله قرء بالطاء لا تفسد صلوتہ اه وفيها الذي فرض عليك القرآن قرء بالطاء تفسد صلوتہ اه وفيها انذاضلنا بالطاء ظللنا لا تفسد صلوتہ وهو قراءه فمن فرض فيهن الحج قرأ بالطاء فرض وبالذال تفسد صلوتہ اه.

(۱) اس مقام پر یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ضاد کو دوا اور طاء دونوں طرح پڑھنا غلط ہے لیکن طاء پڑھنے میں علاوہ مفسدہ غلطی کے ایک بڑا مفسدہ یہ ہے کہ اس میں شبہ بفرق ضالہ مثل روافض وغیر مقلدین اور ان کے ہوا کا اتباع ہے برخلاف دوا کے اس میں صرف مفسدہ غلطی ہے اس لئے عاجز کیلئے بحکم اذا بتليت بليتین فاختراهُنہما دوا پڑھنے کی اجازت دیدیجائیگی اور طاء پڑھنے سے روکا جائے گا اسی سے اس کا راز بھی معلوم ہو گیا کہ لوگ ضاد کو طاء پڑھنے والے پر کیوں زیادہ ملامت کرتے ہیں اور ایسا کرنے پر کیوں شور و شغب کرتے ہیں۔ ۱۲ واللہ اعلم (صحیح الاغلاط ص ۱۸)

ان روایات میں تدبر کرنے سے چند امور معلوم ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ فساد صلوٰۃ اس وقت ہے جب بلا مشقت دو حرفوں میں تمیز کر سکے اور ضالین کو دال سے پڑھنا مفسد صلوٰۃ اسی بنا پر ہے اور ظاہر ہے کہ جس طرح سے ضالین کو اکثر لوگ پڑھتے ہیں وہ دال نہیں ہے جس سے بلا مشقت امتیاز ممکن ہے البتہ اگر کوئی شخص خالص دال پڑھے گا تو اس کی نماز کو فاسد کہا جاوے گا اور جس طرح سے اکثر پڑھنا اس کا متعارف ہے گو بوجہ مشق نہ کرنے کے وہ صحیح نہیں ہے مگر صحیح حرف کو سننے والا اس امر کو پہچان سکتا ہے کہ یہ طریق متعارف اس کے مشابہ ہے اس طرح کہ تمیز دونوں میں شاق ہے حتیٰ کہ جس شخص کو ضاد کے مخرج صحیح سے مشق کرائی جاتی ہے اور اس کو پڑھ کر سنایا جاتا ہے وہ ادا کرنے کے وقت کبھی کبھی اس متعارف طریق کو ادا کر بیٹھتا ہے اور دونوں میں اس کو تمیز دشوار ہوتی ہے اس لئے اس طریق متعارف کو داخل دال کر کے مفسد صلوٰۃ کہنا بعید ہے۔ دوسرا امر یہ معلوم ہوا کہ ضاد کی جگہ ظاء پڑھنے کو مفسد صلوٰۃ عند الاکثر نہ کہنا علی الاطلاق نہیں ہے بلکہ اس وقت ہے جبکہ بلا عمد ہو ورنہ بھی مفسد صلوٰۃ ہے۔ ورنہ والعادیات ضبحا اور مغضوب علیہم اور هضیم اور فتر ضیٰ اور فرض میں ظاء پڑھنے کو مفسد صلوٰۃ نہ کہا جاتا چنانچہ مدار عدم فساد کا عدم امکان الفصل الا بمشقة کو ٹھیرانا اس کی دلیل ہے کیونکہ عمد او ہی پڑھے گا جو فصل بلا مشقت کر سکتا تھا پس حاصل اس کا یہ ہوگا کہ جس شخص سے بلا مشقت فصل ممکن نہ ہو اور وہ ضاد پڑھنے کا قصد کرتا ہے مگر ظاء نکل گیا اس کی نماز صحیح ہو جاوے گی اور اس کے تعمد کی اجازت کو جزئیات مذکورہ فساد صلوٰۃ کی رد کرتی ہیں فافہم۔ تیسرا امر یہ معلوم ہوا کہ ولا الضالین میں ظاء کا پڑھنا جو مفسد نہیں ہے اس کی بناء یہ نہیں ہے کہ ضاد کی جگہ عمد ظاء کا پڑھنا جائز ہے ورنہ مغضوب علیہم اور ضالین میں کیا فرق تھا کہ مغضوب علیہم میں تو ظاء کو مفسد بتا رہے ہیں اور ضالین میں غیر مفسد بلکہ مبنیٰ اس کا یہ ہے کہ ضالین میں فساد معنی نہیں ہوتا جیسا قاموس سے معلوم ہوتا ہے کہ ظل بالظاء کے معنی لیل اور جنح اللیل اور سواد السحاب کے بھی ہیں پس ظالین کے معنی مثلاً داخل فی الظلمات ہوں گے جو حاصل ہے ضلال بالضاد کا یا یہ افعال ناقصہ ظل یظل سے ہوگا بمعنی الکائنین اور خبر مقدر ہوگی فی ضلال یا فی غضب بقرینہ مغضوب علیہم کے جیسا انڈا ضللنا یا بالظاء کی قرأت میں بھی یہ توجیہ ہوگی جیسا آگے مذکور ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قاضی خان نے والعادیات ضبحاً وغیرہ میں تو ظاء کو مفسد کہا اور جہاں جہاں مادہ ضلال کا آیا ہے جیسے ومن یضلل اللہ اور انڈا ضللنا اس میں غیر مفسد کہا ورنہ اس کی کوئی وجہ نہیں کہ ہر جگہ عدم فساد اسی مادہ کے ساتھ خاص کیا گیا چنانچہ انڈا ضللنا میں خود ضللنا بالظاء کا ایک قرأت ہونا بھی نقل کیا

ہے اس سے صاف معلوم ہوا کہ اس قرآنہ کی رعایت سے ہر جگہ اس مادہ میں تاویل صحیحہ معنی کی گئی ہے اس وجہ سے مفسد نہیں کہا اور ہر چند کہ تضلیل میں جو اسی مادہ سے ہے بعض کا قول لا تصح نقل کیا ہے مگر اس قول کو اپنی طرف منسوب نہ کرنا بعض مجہول کی طرف نسبت کرنا خود قرینہ ہے کہ یہ ان کا مختار نہیں ہے پس بناء مذکور پر ارجح یہاں بھی عدم فساد ہوگا فتدبر و تشکر اور تجوید کی مقدار واجب صرف تصحیح حروف اور رعایت وقوف ہے اس طرح کہ تغیر مراد نہ ہو جاوے باقی مستحسن۔

فی فتاویٰ قاضی خان و ان تغیر المعنی تغیراً فاحشاً نحو ان یقرء لا الہ و یقف ثم یتدی بقولہ الہو الی قولہ قال عامۃ العلماء لا تفسد صلوٰتہ لما قلنا وقال بعضهم تفسد صلوٰتہ اھ قلت الاختلاف فی الفساد یوجب الوجوب۔

اس بناء پر اکثر لوگوں نے اس واجب کو حاصل کر رکھا ہے اور بہت سے تارک بھی ہیں مگر نماز ان کی بھی اکثر علماء کے قول پر ہو جاتی ہے البتہ ایسوں کو امامت سے احتراز واجب ہے۔ فی فتاویٰ قاضی خان۔ فان کان لا ینطق لسانہ فی بعض الحروف الی قولہ لا یؤم غیرہ کذا الرجل اذا کان لا یقف فی مواضع الوقف اھ واللہ اعلم۔

۱۸ ربیع الاول ۱۳۲۱ھ (امداد ص ۱۰۸ ج ۱)

سوال (۲۳۳) ضاد کو کس طرح پڑھنا چاہئے اور اکثر فقہاء کا قول کیا ہے اور اکثر کتب دینیات میں اس ذکر میں کیا لکھتے ہیں؟

الجواب۔ فی الجزریۃ والضاد من حافظہ اذ ولی الأضر اس من أیسر او یمناھا جب مخرج معلوم ہو گیا تو ضاد کے ادا کرنے کا یہی طریقہ ہے کہ اس کے مخرج سے نکالا جاوے۔ اس نکالنے سے بوجہ عدم مہارت خواہ کچھ ہی نکلے عفو ہے اور اگر قصد ادال یا ظاء پڑھے وہ جائز نہیں جیسا کہ بعض نے دال پڑھنے کی عادت کر لی ہے۔ اور بعض نے فقہاء کے کلام میں یہ دیکھ کر کہ ضاد مشابہ ظاء ہے ظاء پڑھنا شروع کر دیا حالانکہ مشابہت کی حقیقت صرف مشارکت فی بعض الصفات ہے اور مشارکت فی بعض الصفات سے اتحاد ذات لازم نہیں آتا۔ رہا قاضی خان کی اس جزئی سے کہ لو قرء ولا الظالین لا تفسد صلوٰتہ ظاء پڑھنے کی اجازت سمجھ لینا اس کو دوسری جزئیات قاضی خان کی رد کرتی ہیں۔ وہی ہذہ ولو قرء والعادیات ظبھا بالظاء تفسد صلاتہ اھ و کذا لو قرء غیر المغطوب علیہم بالظاء او بالذال تفسد صلوٰتہ و أمثال ذلک من الفروع المتعددة۔ واللہ اعلم۔

۱۰ ربیع الثانی ۱۳۲۲ھ (امداد ص ۱۳۶ ج ۱)

سوال (۲۳۴) بخدمت مخدومی مکرمی جناب مولانا دام مجد ہم۔ بعد سلام مسنون التماس ہے کمترین بفضلہ تعالیٰ بخیریت ہے اور آپ کے مزاج کی خیریت مطلوب ہے یہاں ضاد اور طاء کا بہت جھگڑا ہے۔ ایک فریق ضاد پڑھتا ہے اور دوسرا طاء اور اس میں اس قدر غلو ہے کہ ایک دوسرے کے پیچھے نماز نہیں پڑھتا ضاد والے بہت سی فقہ کی روایتوں کے موافق طاء پڑھنے سے نماز فاسد کہتے ہیں۔ طاء والے ضاد کو محض غلط حرف اور تراشیدہ عوام سمجھ کر اس کے پڑھنے والے کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے عرب میں آپ نے بھی دیکھا ہے کہ سب ضاد پڑھتے ہیں اور طاء کو کوئی جانتا بھی نہیں۔ پھر یہ بات بھی نہیں کہ عوام اور ناواقف پڑھتے ہوں بلکہ واقفین فن بھی ضاد ہی پڑھتے ہیں۔ چنانچہ اکثر قراء عرب اور مصر وغیرہ اسی طرح پڑھتے ہیں۔ استاذ قاری عبد اللہ صاحب جو اس فن سے اچھی طرح واقف ہیں ان کی خدمت میں رہنے کا اتفاق ہوا اور کچھ مشغلہ تجوید کا بھی رہا وہ بھی ضاد ہی پڑھتے ہیں کوئی جھگڑا اس معاملہ میں عرب میں نہیں پایا یہاں آ کر یہ جھگڑا دیکھا تو بعض قرأت اور صرف وغیرہ کی کتابیں دیکھنے کا اتفاق ہوا جس سے ایک خلجان طبیعت میں ہے اس لئے کہ اکثر کتب فقہیہ اور قرأت سے معلوم ہوا کہ ضاد کی صورت ظ اور ز وغیرہ سے مشابہ ہے اور جس طرح پر کہ ہم لوگ اور عرب وغیرہ پڑھتے ہیں اس کا کوئی ثبوت ٹھیک طور پر معلوم نہیں ہوتا اس لئے کہ اکثر کتب فقہیہ قاضی خاں وغیرہ میں لکھا ہے کہ جن دو حرفوں میں تمیز مشکل ہو جیسا کہ ضاد اور ظ ان میں سے اگر ایک کو دوسرے کی جگہ پڑھے تو نماز درست ہوتی ہے۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ض صورت میں ظ کے مشابہ ہے اور اس کا صحیح تلفظ طاد ہے۔ پھر انہیں کتب فقہ میں یہ بھی لکھا ہے کہ بہت جگہ ض کی جگہ ظ یا ظ کی جگہ ض پڑھے گا تو نماز درست نہ ہوگی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں بالکل مغائر ہیں۔ یہ بظاہر تعارض کی صورت معلوم ہوتی ہے مگر اس کا جواب تو یہ سمجھ میں آتا ہے کہ عدم جواز صلوٰۃ اس جگہ ہے جہاں پر معنوں میں تغیر فاحش ہوتا ہو اور جہاں پر تغیر نہ ہوتا ہو وہاں نماز درست ہے پھر قرأت کی کتابوں کو دیکھا جاتا ہے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ ض اور ظ میں بہت سی صفتیں مشترک ہیں حرف ض میں استطالت ہے ظ میں نہیں باقی مطبقہ اور مضمتہ اور مستعلیہ رخوہ مجھورہ ہونے میں دونوں مشترک ہیں بخلاف دال کے جس کے مشابہ ض پڑھا جاتا ہے کہ ض اور د میں اکثر صفتیں مخالف ہیں اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ض اور ظ قریب الخرج اور متحد الصوت ہیں اگرچہ قریب الخرج ہونے سے اتحاد صوت لازم نہیں آتا مگر ائمہ قرأت کی تصریحات سے متحد الصوت ہونا معلوم ہوتا ہے۔ مثلاً رعایا میں جو امام ابو محمد رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے مذکور ہے۔ الضاد حرف یشبہ

لفظه فی السمع بلفظ الظاء الخ۔ پھر ضاد کا جو مخرج لکھا ہے کہ حافہ لسان اضر اس کو لگا کر نکالا جاوے اس سے بھی ظا نکلتا ہے ض اگر نکالا جاتا ہے تو اطراف لسان ثنایا علیا کو لگ جاتی ہے جو لام کا مخرج ہے ٹھیک طور پر مخرج سے نکالا جاتا ہے تو ظا نکلتا ہے پھر ض کی صفات میں سے ایک ایک رخوت بھی ہے حالانکہ ضاد نکالا جاتا ہے تو رخوت یعنی جریان صوت اس میں پیدا نہیں ہوتا جیسا کہ اور حروف رخوہ مثلاً س ز ظ وغیرہ میں بلکہ ض کے ادا کرنے میں صوت بند ہو جاتی ہے اور بطور شدیدہ کے ادا ہوتا ہے بخلاف اس کے جس وقت ظا ادا کیا جاتا ہے یعنی ہمزہ مفتوح اس کے اول میں لگا کر جو مخرج کے دریافت کرنے کا طریقہ ہے صوت نکالی جاتی ہے تو اس میں رخوت یعنی جریان صوت برابر ہوتا ہے اس سے بھی معلوم ہوا کہ ضاد صوت میں مشابہ ظ کے ہے پھر رعایہ میں لکھا ہے۔

فلیحفظ بترقیق الذال فی اللفظ فان دخلها تفخیم فیؤدی الی الإطباق فیصیر عندها ظاء او ضاد لأنها اخت الظاء فی المخرج وقریبة من الظاء۔

اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ض اور ذ اور ظا صورت میں مشابہ ہیں تفسیر کبیر میں لکھا ہے الا انه حصل فی الضاد انبساط لأجل رخاوتها وبهذه السبب یقرب مخرجہ من مخرج الظاء شاہ صاحب تفسیر عزیزی میں فرماتے ہیں۔ بدانکہ فرق میان مخرج ضاد و ظا بسیار مشکل است شرح قصیدہ نونیہ میں ہے۔ لان الظاء تشارك الضاد فی الأوصاف المذكورة غیر الاستطالة فلذلك اشتد شبهة به وعسر التمييز واحتاج القاری فی ذالک الی الرياضة لاتصال بین مخرجیہما۔ پھر تمہید میں لکھا ہے لولا الاستطالة واختلاف المخرجین لكانت ظاء۔ دوسری جگہ کہتے ہیں۔ فمثال الذی یجعل الضاد ظاء کالذی یبدل الضاد سینا۔ ایسے ہی امام محمد مرعشی کے رسالہ اور جہد المقل اور رعایہ میں صاف تصریح ہے کہ الضاد والظاء والذال والزاء المعجمات الکل متشاربة فی الجھر والرخاوة متشابهة فی السمع شعلہ شرح شاطبی میں لکھا ہے ان هذه الثلاث ای الضاد والظاء والذال متشابهة فی السمع والضاد لا تفرق عن الظاء إلا باختلاف المخرج وزيادة الاستطالة فی الضاد ولو لاهما لكانت احدهما عین الأخری۔

ان سب سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ ض کی آواز ظ کے مشابہ ہے جس طرح پر ہم پڑھتے ہیں جس کو دال مطبقہ کہنا چاہئے اس کا کسی کتاب میں ذکر نہیں ہے طوالت کے خوف سے بہت سے دلائل چھوڑ دیئے ورنہ بہت صاف طور پر سب کتابوں سے واضح ہوتا ہے کہ ض کی

صوت ظ کے مشابہ ہے۔ شاہ صاحب تفسیر عزیزی میں تحریر فرماتے ہیں۔ بدانکہ فرق مخرج ضاد و طاء بسیار مشکل است یہ اشکال اسی وقت ہوتا ہے جبکہ ض کو مشابہ طاء پڑھا جاوے اور جس طرح پرا سکا پڑھنا متعارف ہے اس طرح پرا اگر پڑھا جاوے تو فرق کرنا کچھ بھی مشکل نہیں۔ شیخ جمال کی علیہ الرحمۃ اپنے فتوے میں لکھتے ہیں کہ ضاد کو طاء پڑھنا لغت اکثر اہل عرب کا ہے امام رازی تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں۔

فثبت بما ذکرنا ان المشابهة بين الضاد والطاء شديدة وان التميز عسير واثبت هذا فنقول لو كان هذا الفرق معتبراً لوقع السؤال عنه في زمان رسول الله ﷺ او في ازمة الصحابة لا سيما عند دخول العجم في الاسلام فلما لم ينقل وقوع السؤال عن هذه المسئلة علمنا ان التميز بين هذين الحرفين ليس في محل التكليف انتهى مختصراً۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ظ اور ض میں فرق کرنے کی کچھ ضرورت ہی نہیں۔ امام غزالی احیاء العلوم میں فرماتے ہیں

وفرقه اخرى تغلب عليهم الوسوسة في إخراج حروف الفاتحة وسائر الأذكار من مخارجها فلا يزال يحتاط في التشديد والفرق بين الضاد والطاء و تصحيح مخارج الحروف في جميع صلواته لا يهمله غيره ولا يتفكر فيما سواه ذاهلاً عن معنى القرآن الخ۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات کوئی جدید نہیں بلکہ علماء ہمیشہ سے ضاد کو مشابہ طاء کے پڑھتے ہیں اور ان میں فرق کرنے کو فضول سمجھتے ہیں یہ ضاد مروّج کوئی جدید ایجاد ہے پچھلی کتابوں میں اس کا کہیں پتہ نہیں آخر یہ کہاں سے آیا اور پھر تمام امت اس غلطی میں کیسے مبتلا ہوئی۔ عامیانہ جواب تو یہ ہو سکتا ہے کہ تمام عرب اور مکہ اور مدینہ والے سب اس طرح پڑھتے ہیں مگر ایک محقق آدمی اس قدر تصریحات کتب جدیدہ و قدیمہ کے سامنے اس امر کو کیسے تسلیم کر سکتا ہے خصوصاً اس وقت کہ عربوں کی زبان نہایت خراب ہو گئی ہے اور بجائے ق کے گ اور اسی طرح بہت سے غلط الفاظ بولتے ہیں اگرچہ قرآن شریف میں عرب لوگ غلطی نہیں کرتے مگر ترکوں کو خور سنا ہے کہ قرآن شریف میں بھی ك کی جگہ چ بولتے ہیں اگر ضاد مروّج صحیح ہو تو پھر اس کے کیا معنی صاحب نشر لکھتے ہیں۔

ليس في الحروف ما يعسر على اللسان مثله فان السنة الناس فيه مختلفة وقل من يحسنه فمنهم من يخرج طاء و منهم من يمزجه بالذال الخ یہ دشواری اسی

وقت ہو سکتی ہے جس وقت کہ ض کو مشابہ ظاء پڑھا جاوے ورنہ ضاد پڑھنے میں کچھ بھی دشواری نہیں۔ صاحب جہد المقل کہتے ہیں۔ منهم من يجعلها ظاء الخ هذا ليس بعجيب لثبوت التشابه وعسر التمييز بينهما فانه يشارك الظاء في صفاتها كلها ويزيد عليها بالاستطالة فلولا اختلاف المخرجين والا استطالة في الضاد لكانت ظاء۔ ملا علی قاری شرح جزریہ کے اس شعر کے تحت میں والضاد باستطالة ومخرج ميز عن الظاء وکلها تجئى تحریر فرماتے ہیں لما كان تمييزه عن الظاء مشكلة بالنسبة الى غيره امر الناظم بتمييز تطقا ۱۲۔

شرح کیمیائے سعادت میں امام غزالی علیہ الرحمۃ تحریر فرماتے ہیں کہ فرق درمیان ضاد و ظاء بجا آورد و اگر نتواند روا باشد۔ غرض ان تصریحات سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ ض اور ظ میں صرف استطالت کا فرق ہے اور مخرج کا ورنہ دونوں متحد الصوت ہیں اور دوسرے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ظ اور ض میں ایسا فرق ہے جیسا کہ س اور ص میں اور ت اور ط میں پھر کیا وجہ ہے جو بلوائے عام کے طور پر کوئی بھی اس طرح نہیں پڑھتا بلکہ دمطبقہ پڑھتے ہیں جس کا کہیں پتہ نہیں معلوم ہوتا غیر مقلدین اس طرح پر پڑھتے ہیں اور یہ دلائل ان ہی لوگوں کے ہیں اور بظاہر قوی معلوم ہوتے ہیں میں یہ نہیں عرض کر سکتا کہ واقع میں یہ دلائل قوی ہیں یا ضعیف ہیں میں اپنی محدود واقفیت کی بناء پر عرض کرتا ہوں آپ کو فقط اسی غرض سے لکھتا ہوں کہ آپ اس فن سے بھی واقف ہیں اور کتب فقہ سے خوب واقف ہیں۔ چونکہ ان لوگوں کے یہ دلائل ہیں اور بظاہر قوی معلوم ہوتے ہیں اور ض جس طرح پر کہ ہم اور آپ پڑھتے ہیں اس کا کہیں پتہ نہیں معلوم ہوتا۔ یہ حوالے اکثر کتب قرآنہ کے تھے اب فقہ کی کتابوں کی طرف خیال فرماویں۔ صاحب درمختار لکھتے ہیں۔

ولو زاد كلمة او نقص كلمة او حرفا او قدمه او بدله باخر الى ان قال اماما يشق تمييزه كالضاد والطاء فاكثر هم لم يفسدها۔ فتاویٰ عالمگیریہ اور فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ فان ذكر حرفا مكان حرف و غير المعنى فان كان الفصل بين الحرفين بلا مشقة كالطاء مع الصاد فقرأ الطالحات مكان الصالحات تفسد صلوته عند الكل وان كان لا يمكن الفصل الا بمشقة كالضاد مع الظاء والصاد مع السين والطاء مع التاء اختلف المشائخ فيه قال أكثرهم لا تفسد۔ علی ہذا اکثر کتب فقہ سے یہی بات سمجھ میں آتی ہے کہ جن دو حرفوں میں فرق کرنا آسان ہے ان کے آپس میں بدل جانے سے اگر معنی بگڑ جاویں گے تو سب کے نزدیک نماز فاسد ہو جاوے گی اور جن میں فرق کرنا مشکل ہے اس کے آپس میں بدل جانے سے نماز نہیں ٹوٹی۔ اس

بناءً پر اگر ضاد کی جگہ دال پڑھی جاوے جیسا کہ اکثر لوگ پڑھتے ہیں نماز فاسد ہو جانی چاہئے پھر علمائے حریمین شریفین کے بعض فتوے بھی اسی مضمون کے دیکھے گئے۔ چنانچہ شیخ احمد دحلان مرحوم شیخ العلماء مکہ معظمہ تحریر فرماتے ہیں ولو أبدل الضاد بغير ظاء لم تصح قراءة ته قطعاً اسی فتوے میں شیخ جمال حنفی تحریر فرماتے ہیں کہ محمد بن سلمة قال لا تفسد لانه قل من يفرق بينهما۔ مفتی عنایت احمد صاحب نے البیان الجزیل فی الترتیل میں لکھا ہے کہ ایک بلائے عام اس زمانہ میں یہ ہو گئی ہے کہ ضاد کو بصورت دال پڑھتے ہیں مشتبہ الصوت دال کا اس کو کر دیا ہے کہ دال پر نہیں وہ پڑھتا ہے سو یہ بات جملہ کتب قراءۃ اور تفسیر کے خلاف ہے سب کتابوں میں ض کا مشتبہ الصوت ہونا ظاء سے ثابت ہے نہ دال سے مفتی صدر الدین صاحب مرحوم کا ایک فتویٰ ہے اس میں تحریر فرماتے ہیں از مدتے در میان مسلمانان این شهر و مضافات آن نزاعی در ضاد معجمہ افتادہ است بعضے ضاد معجمہ را مشابہ دال مفخمہ مے خوانند بعضے مشابہ ظاء معجمہ بلکہ اکثر عوام ہند ضاد معجمہ را در قرآن بہ نیجے ادا می کنند کہ مشابہ حرف بلکہ عین دال میشود و فرق از دال این قدر مے کنند کہ ضاد را بصوت دال مفخمہ و آواز پر می برارند و این خود خطاء و غلطی فاحش است بچند وجوہ۔ اس کے بعد چند وجوہ اس کی غلطی کے لکھ کر فرماتے ہیں پس ازیں صاف و ہویدا اگر دید کہ ضاد معجمہ همان ست کہ با ظاء معجمہ مشابہت دارد نہ آنکہ مخرج آن قریب مخرج دال ست چنانچہ عوام مردم ہندوستان بلکہ بعضے از خواص ہم مے خوانند چہ دال با ضاد مخالف و بتائن تمام وارد و در صفات و فرق در میان این برو سہل است مشکل و دشوار نیست بخلاف ظاء معجمہ الح۔ اس کا مطلب بھی وہی ہے کہ ض کو مشابہ ظاء کے پڑھنا چاہئے۔ ایک دوسرا فتویٰ اور ہے جس پر نواب قطب الدین خاں صاحب اور مفتی صدر الدین صاحب کے دستخط ہیں۔ اس میں بھی یہی لکھا ہے۔ چنانچہ مفتی صاحب کے الفاظ یہ ہیں۔

وساکنان این دیار در دال و ضاد فرق نمی کنند و جاہل اندو بے تمیز۔ پھر ایک فتویٰ غدر سے پہلے کا ہے جس پر مولوی نوازش علی صاحب اور میر محبوب علی صاحب اور خواجہ ضیاء الدین صاحب اور مولوی عبدالرب صاحب اور مولوی محمد یعقوب صاحب کی مہریں ہیں اس میں بھی یہی ہے کہ ض بہت مشابہ ظ سے اور دال کے نہیں۔ ایک فتویٰ مولوی عبدالحی صاحب کا بھی میں نے دیکھا ہے جس میں لکھا ہے کہ ض کو مشابہ دال پڑھنے سے نماز میں خلل ہوتا ہے اور اس کو مشابہ ظاء پڑھنا صحیح ہے میں نے بہت وقت آپ کا ضائع کیا آپ معاف فرمائیں چونکہ یہاں پر اس کا بہت زیادہ چرچا ہے اور صرف اسی کی وجہ سے عداوت، دشمنی اور پارٹی قائم ہو گئی اور ہر ایک نے دوسرے کے کچھے نماز ترک کر دی اسی وجہ سے محض اپنے اطمینان کے واسطے آپ کو تحریر کیا گیا۔

آپ کو تکلیف تو بے شک ہوگی مگر بہت لوگوں کا نفع ہوگا آپ بہت مفصل اور مدلل جواب اس کا تحریر فرمادیں۔ اگر کوئی رسالہ اس کا مرتب ہو جائے تو غالباً بہت لوگوں کو فائدہ ہوگا کچھ زیادہ جلدی نہیں بآسانی جب آپ تحریر فرمائیں مگر بہت محقق اور مدلل بات ہونی چاہئے جس کو مخالف بھی تسلیم کرے میں تو بے شک جو کچھ آپ تحریر فرمائیں گے اس کو تسلیم کروں گا مجھے اب تک اپنے مفید مطلب صرف اس قدر معلوم ہوا ہے کہ شافیہ جار بردی میں ایسے ضاد کو جو مشابہ طاء یا بین بین پڑھا جاوے مستحسن اور غیر صحیح لکھا ہے یہ بات بے شک ایسی تھی کہ دل کو لگتی مگر اس قدر تصریحات اور دلائل قاطعہ کے سامنے یہ بات کیسے پیش کی جاسکتی ہے پھر وہ لوگ کہتے ہیں کہ مستحسن اس وقت ہو سکتا ہے جس وقت اس کے مخرج اور صفات کا پورے طور پر لحاظ نہ کیا جاوے اگر اسکے مخرج اور صفات سے ادا کیا جاوے تو مستحسن نہیں ہوگا اور علی سبیل التسلیم ض مستحسن بھی ضاد ہے بخلاف اس کے مشابہ دال پڑھا جاوے اس لئے کہ وہ ضاد ہی نہیں بہرہج ض مستحسن دال اور مشابہ دال سے بہتر ہوگا اگر آپ کے نزدیک بھی مشابہ دال پڑھنا غلط ہے تو جواز صلوٰۃ اس سے بلوائے عام کے بنا پر ہوگا یا کیسے اگر بلوائے عام اس میں ہے تو عوام کے سوا جو لوگ اسکو صحیح پڑھ سکتے ہیں وہ اس کو کس طرح پڑھیں۔ حرمین اور عرب کا اتباع کر کے ضاد پڑھیں یا دلائل قویہ کو دیکھ کر ظاد پڑھیں اگرچہ اس دفتر بے معنی کے پڑھنے میں آپ کا بہت سا وقت خرچ ہوگا مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو اسی کام کے واسطے بنایا ہے کہ آپ خلق اللہ کو ہدایت کریں اس ض اور ظ کی دلدل میں بہت مخلوق پھنسی ہوئی ہے آپ ضرور سہارا لگادیں اور مظلوموں کی مدد کریں بہت سی باتیں میں نے بخوف طوالت چھوڑ دیں جو خود آپ کو ادنیٰ توجہ سے معلوم ہو جائیں گی میں نے اس خلجان رفع کرنے کے واسطے اپنے دل سے بہت مشورہ لیا مگر آپ کے سوا دوسری طرف طبیعت رجوع نہیں ہوئی اس لئے حتیٰ الوسع آپ میرے خلجان کے رفع کرنے میں دریغ نہ فرمادیں گے۔ فقط والسلام۔؟

الجواب۔ ضاد کے باب میں عوام کو چھوڑ کر خواص و اہل علم کی حالت تتبع کرنے سے بکھر استقرائی چھ صورتیں پائی جاتی ہیں۔ اول ض وظ میں مخرج ہی میں تمیز نہ ہو یعنی ضاد کو صاف مخرج طاء سے نکالا جاوے۔ دوم مخرج میں تمیز ہو لیکن صوت میں بالکل تمیز نہ ہو یعنی نکالا تو جاوے اپنے مخرج صحیح سے لیکن دونوں کی صوت میں تشابہ تام ہو جس کو اتحاد صوت کہا جاتا ہے۔ سوم مخرج و صوت دونوں میں تمیز ہو مگر اقرب الی الطاء ہو یعنی نکالا بھی جاوے مخرج صحیح سے اور دونوں کی صوت میں تشابہ تام نہ ہو بلکہ من وجہ دون وجہ ہو لیکن غالب مشابہت صوت طاء کی ہو اور یہ تینوں صورتیں تشبیہ بالطاء کی ہیں۔ چہارم ضاد و دال میں مخرج ہی میں تمیز نہ ہو گو تفخیم کا فرق کر لیا جاوے یعنی ضاد کو صاف مخرج دال سے نکالا جاوے پنجم مخرج میں تمیز نہ ہو لیکن صوت میں

تمیز ہو یعنی نکالا تو جاوے اپنے مخرج صحیح سے لیکن دونوں کی صوت میں تشابہ تام ہو۔ ششم مخرج و صوت دونوں میں تمیز ہو مگر اقرب الی الدال ہو یعنی نکالا بھی جاوے مخرج صحیح سے اور دونوں کی صوت میں تشابہ تام بھی نہ ہو بلکہ من وجہ دون وجہ ہو لیکن غالب مشابہت صوت دال کی ہو اور یہ تینوں صورتیں تشبیہ بالدال کی ہیں۔ اب اختلاف کرنے والوں میں سے اکثر نے تو صورت اول و چہارم کو لیکر اختلاف کر رکھا ہے اور ان دونوں صورتوں کا باطل ہونا ایسا بدیہی ہے کہ محتاج بیان نہیں کیونکہ ظاہر ہے کہ ایک حرف کا دوسرے حرف کے مخرج سے نکلنا عادتہ محال ہے اور بعض نے اختلاف میں صورت دوم اور پنجم کو لے رکھا ہے اور یہ لوگ اہل اختلاف میں محقق شمار کئے جاتے ہیں اور تامل کرنے سے یہ دونوں صورتیں بھی صحیح نہیں معلوم ہوتیں کیونکہ ان پر کوئی دلیل قائم نہیں ہوئی۔ اور مطلق تشابہ تام میں منحصر نہیں بلکہ اس کے خلاف پر دلیل قائم ہے چنانچہ خود سوال ہی میں جہد المقل سے نقل کیا ہے۔ لثبوت التشابه وعسر التمييز بينهما وعسر تمييز خود بتلار ہا ہے کہ تمیز تو ہے مگر عسیر ہے ورنہ عسر تمیز نہ رہے گا بلکہ عدم التمييز ہو جاوے گا۔ ہف۔ اور جب طاء سے تمیز ہے باوجودیکہ دونوں صفات کثیرہ و قرب مخرج میں متشارك ہیں تو دال سے بدرجہ اولیٰ متمیز ہوگا کیونکہ عسر تمیز کو جہد المقل میں معلل اس علت کے ساتھ کیا ہے۔ فانہ یشارک الطاء فی صفاتھا کلھا اور ارتفاع علت علت ہے ارتفاع معلول کی پس عدم مشارکت دال کی صفات میں دلیل ہوگی عدم عسر تمیز کی پس تشابہ تام منہی ہو گیا و ہذا ہو المطلوب اب صورت سوم و ششم باقی رہ گئی جن میں تردد ہو سکتا ہے لیکن سوم حق معلوم ہوتا ہے کہ صوت میں تمیز ہے مگر بہ نسبت دال وغیرہ کے اشبہ بالطاء ہے تمیز کے لئے جہد المقل کا عسر تمیز کا حکم کرنا اور اشبہیۃ کے لئے اس کو متشارك الصفات کہنا دلیل کافی ہے جیسا ابھی دونوں کی تقریر گزر چکی ہے جب ان سب صورتوں میں سے صورت سوم کا حق ہونا متعین ہو گیا تو اب سوال میں جس قدر شبہات لکھے ہیں ان میں سے کوئی اس صورت کو مضر نہیں چنانچہ قاضی خان میں عسر تمیز کو لکھا ہے سو اس میں خود تمیز کا اثبات ہے اور عسر کا سبب اشبہیۃ ہے آگے کتب قرأۃ سے اشتراک فی الصفات ثابت کیا ہے اس سے بھی اشبہیۃ ثابت ہوتی ہے نہ کہ اتحاد۔ آگے رعایہ کی عبارت لکھی ہے یشبہ لفظہ فی السمع الخ۔ سو اس کا تحقق مطلق اشبہیۃ سے بھی ہو سکتا ہے تشابہ تام و اتحاد لازم نہیں آگے مخرج سے نکالنے پر دعویٰ طاء نکلنے کا کیا ہے یہ مسلم نہیں البتہ اشبہ بالطاء نکلتا ہے آگے رخوت سے استدلال ہے یہ بصوت دال نکالنے کو مضر ہے نہ مطلق تمیز عن الطاء کو آگے رعایہ کی عبارت نقل کی ہے فلیحفظ الخ۔ اس سے بھی مطلق تشابہ ثابت ہوتا ہے نہ اتحاد فی الصوت اور اگر شاید اس تردید سے شبہ ہو فیصیر عندہا طاء اور ضاد۔ سو اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر تفخیم دال میں مخرج کی پوری

حفاظت کی تب تو طاء بن جاوے گی اور اور اگر مخرج بھی محفوظ نہ رہا بجائے طرف لسان کے حافہ لسان ہو گیا تو ضاد بن گیا چنانچہ اس تردید کے بعد اس کا یہ کہنا۔ لانہا أخت الظاء فی المخرج الخ۔ مؤید اس کا ہے۔ آگے تفسیر کبیر کی عبارت ہے الا انه حصل الخ اس میں بھی اتحاد پر کوئی دلالت نہیں اور مشابہت کا انکار نہیں۔ آگے شاہ صاحب کا قول ہے۔ سو عسر تمیز خود مسلم ہے مگر اتحاد کو غیر مستلزم آگے شرح قصیدہ نونیہ کی عبارت ہے اس میں بھی عسر تمیز و اشتداد شبہ مذکور ہے جو مضر نہیں۔ آگے تمہید کی عبارت ہے اس میں صرف استطالت و اختلاف مخرجین فارق ہونا بیان کیا ہے سو یہی مبنی ہے تمیز بینہما کا اس سے تمیز فی الصوت کی نفی کہاں ہوئی اسی طرح دوسری عبارت میں مشابہت کا اثبات ہے تمیز کی نفی نہیں۔ آگے مرعشی کا مضمون ہے اس میں بھی مطلق مشابہت کا حکم ہے۔ آگے جہد المقل اور رعایہ سے جو نقل کیا ہے اس میں بھی مطلق تشابہ فی السمع مستلزم نفی تمیز کو نہیں۔ آگے شرح شاطبی کی عبارت ہے اس میں مطلق تشابہ فی السمع افتراق فی المخرج والاستطالت کا اثبات ہے اس سے بھی اتحاد صوت لازم نہیں آتا اور اگر نفی واستثناء دال علی الحصر سے شبہ ہو کہ اس میں افتراق فی الصوت کی بھی نفی ہو گئی ورنہ حصر نہ رہے گا۔ سو جبکہ یہ مسلمات میں سے ہے کہ الشئ اذا ثبت ثبت بلوازمہ۔ سو جو شخص افتراق فی المخرج کو ملزوم افتراق فی الصوت کا مانے گا وہ کہہ دے گا کہ اس حصر میں مجموعہ ملزوم و لازم کے غیر کی نفی ہے نہ کہ لازم کی شاہ صاحب کا قول سوال میں مکرر ہو گیا ہے اس کا جواب اوپر گزر چکا۔ آگے شیخ جمال و امام رازی و امام غزالی رحمہم اللہ تعالیٰ کے اقوال سے اس پر استدلال کیا ہے کہ ضاد و طاء میں فرق کرنے کی ضرورت ہی نہیں۔ اول تو یہ تصریحات کتب فن کے خلاف ہیں چنانچہ خود سوال ہی میں جزریہ کا شعر والضاد الخ منقول ہے جس میں تمیز کا امر کیا ہے۔ ودر منہاج التجوید از رعایہ آورده۔

ولا بد للقاری من التحفظ بلفظ الضاد حیث وقعت الی ان قال ومتی فرط ذلك اتی بلفظ الظاء او لذل الہ وازنشر گفته فلیحذر من قلبه الی الظاء وازاحیاء العلوم در ربع اول آورده و یجتهد فی الفرق بین الضاد و الظاء واز شرح مقدمہ جزری ان الضاد اعسرا لحروف علی اللسان مثله و السنة الناس فلیحسن برعایتها ای تكون مشابہة بالظاء و الذال و الزاء اھ ملا علی قاری در شرح مقدمہ جزری گفته لیس فی الحروف ما عسر علی اللسان مثله و السنة الناس فیہ مختلفة فممنہم من یخرجه ظاء و ممنہم من یخرجه دالاً مہملہ او معجمة و ممنہم من یخرجه طاء مہملہ و ممنہم من یشبہہ دالاً و ممنہم من یشبہہ بالظاء المعجمة لکن لما کان تمیزہ من الظاء مشکلاً بالنسبة الی غیرہ امر الناظم بتمیزہ لفظاً اھ۔ ان تصریحات کے مقابلہ میں

ان حضرات کا قول کہ خود متابعین اہل فن سے ہیں ایسے فن سے نہیں ہیں حجت نہ ہوگا۔

(۱) علاوہ ازیں امام غزالیؒ کا مقصود یہ نہیں کہ ضاد اور ظاء میں تمیز نہ کیا جاوے اور اس کی ضرورت نہیں بلکہ ان کا مقصود ان لوگوں پر انکار ہے جنہوں نے تصحیح حروف ہی کو مقصود نماز بنا لیا ہے اور تدبر و تفکر فی المعانی وغیرہ کو جو کہ مغز صلوٰۃ ہیں بالکل چھوڑ دیا ہے اور دلیل اس کی علاوہ ان کے دیگر عبارتوں کے خود یہی عبارت ہے کیونکہ انہوں نے جس طرح فرق بین الضاد والطاء کو قابل اعتراض بتایا ہے یونہی تصحیح مخارج حروف کو محل اعتراض ٹھہرایا ہے پس اگر اعتراض اول کا مقصود یہ ہوگا کہ ضاد اور ظاء میں فرق ضروری نہیں تو اعتراض ثانی کا مقصود یہ ہونا چاہئے کہ جیم اور خاء دال اور سین میں بھی امتیاز ضروری نہیں ولا یقول به احد فثبت ما ذکرنا۔

دوسرے آگے سوال میں خود غزالیؒ کا قول نقل کیا ہے فرق در میان ضاد و ظاء بجا آوردہ قول سابق کے معارض ہے تیسرے محمول ہو سکتا ہے معذور پر چنانچہ رازی نے اول لکھا ہے۔ ان المشابہة شديدة وان التمييز عسير۔ پھر اذا ثبت کہہ کر اس کو متفرع کیا ہے اور کیمیائے سعادت میں عبارت بالا کے بعد کہا ہے۔ واگر نتواند روا باشد۔ آگے نشر اور جہد المقل وغیرہما کی عبارت ہے ان سے یہی عسر تمیز معلوم ہوتا ہے نہ کہ عدم تمیز بلکہ جزریہ میں تو امر بالتمیز کی تصریح ہے آگے دال پڑھنے کی وجہ پوچھی ہے سو ہم خود اس صورت کو صحیح نہیں کہتے ہیں اس لئے ہم کو مضر نہیں آگے غیر مقلدین کے پڑھنے کی نسبت لکھا ہے اگر مقصود ان کے پڑھنے کی تصحیح ہے تب تو جہاں تک دیکھا سنا ہے یہ لوگ اول صورت پڑھتے ہیں یعنی ظاء خالص کے مخرج سے پڑھتے ہیں جس کا غلط ہونا اوپر گزر چکا ہے اور نیز اس کا غلط ہونا قاضی خان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں غیر المغضوب میں ظاء پڑھنے کو مفسد صلوٰۃ لکھا ہے اور نیز رسالہ محو الفساد ص ۴۴ میں امام ابو عمرو دوانی سے نقل کیا ہے۔

وقد کان بعض الفقهاء من أصحابنا لا یقرء الصلوٰۃ خلف من لم یمیز الضاد من الظاء و ذلک کذلک لا نقلاب المعنی وفساد المراد۔ بلکہ اکثر بجائے مخرج ظاء کے مخرج زاء سے پڑھتے ہیں بلکہ خود ظاء کو بھی مخرج زاء سے پڑھتے ہیں جس کا غلط ہونا اور زیادہ ظاہر ہے اور اگر مقصود ترجیح دینا ہے سو صورت چہارم پر ترجیح مسلم (۲) ہے اور پنجم و ششم پر غیر مسلم کیونکہ ان دونوں میں مخرج تو صحیح ہے اور ظاء خالصہ میں تو مخرج ہی باقی نہیں رہا۔

(۱) یہاں پر، ذکرنا تک تصحیح الاغلاط ص ۲۰ سے اضافہ کیا گیا ہے۔

(۲) یہ تسلیم بالنظر الی الذات ہے ورنہ اگر عارض خارجی یعنی تشبہ بالروافض وغیرہ پر بھی نظر کی جاوے گی تو پھر صورت چہارم ہی رائج ہے کما بینا من قبل ۱۲ تصحیح الاغلاط ص ۲۱۔

اور ظاہر ہے کہ حقیقت حرف میں مخرج کو بہت زیادہ دخل ہے۔ آگے درمختار و عالمگیری و قاضی خان کی عبارتیں ہیں ان میں دو حکم ہیں اول عسر التمز سو یہ مسلم ہے مگر نفی التمز کو مستلزم نہیں دوسرا حکم فرق درمیان حروف عسر التمز و حروف یسر التمز کے صحت و عدم صحت صلوٰۃ میں سوا اول تو بعض جزئیات اس کے معارض میں چنانچہ مغضوب علیہم میں ظاء کا مفسد صلوٰۃ ہونا قاضی خان سے گزر چکا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حروف عسر التمز میں بھی تبدیلی مفسد ہے اور نیز قاضی خان میں ہے ولو قرء یعوذون برجال یعوذون بالذال لا تفسد صلوٰۃ اور تھوڑی دور بعد ہی ولو قرء وما هو علی الغیب بذنبن بالذال لا تفسد صلوٰۃ جب ض اور ذال بضمین میں عدم فساد میں مساوی ہوئے اور دال اور ذال یعوذون میں عدم فساد میں مساوی ہوئے اور مساوی کا مساوی مساوی ہے پس دال اور ضاد مساوی ہو گئے پس یہاں حروف یسر التمز میں بھی تبدیلی مفسد نہ ہوئی اور قطع نظر قیاس مساوات سے بلا واسطہ بھی یعوذون میں دال اور ذال کی تبدیلی کو مفسد نہ کہنا مستلزم ہے اس حکم کو کہ حرف یسر التمز کی تبدیلی بھی مفسد نہیں ہوتی کیونکہ دال اور ذال میں تمیز بہت آسان ہے پس یہ جزئیات اس قاعدہ کے سراسر خلاف ہوں گی۔ دوسرے بعض فقہاء نے حروف یسر التمز میں بلوی عامہ کی وجہ سے فتویٰ جواز کا دیا ہے چنانچہ شامی نے زلۃ القاری میں تصریح کی ہے پس تبدیل ض بالذال میں بھی حکم فساد کا متیقن نہیں ہو سکتا اس کے بعد شیخ احمد دحلان کا قول ہی لم تصح الخ یہ بناء علی بعض الاقوال ہے جس کا التزام لازم نہیں۔ آگے محمد بن سلمہ کا قول ہے اس کا مضر نہ ہونا ظاہر ہے۔ آگے علمائے دہلی و لکھنؤ کے اقوال ہیں سو صورت سوم کو کچھ مضر نہیں جس کی صحت کا التزام کیا گیا ہے۔ رہا قصہ استہجان کا اس پر یہ شبہ تو نہایت ضعیف ہے کہ تصریحات کے سامنے پیش کرنے کے قابل نہیں اگر اس کی دلالت مقصود پر تسلیم کر لی جاوے تو اس شبہ کا جواب بہت صاف ظاہر ہے کہ یہ احکام ماخوذ ہیں ائمہ عربیت سے اور قراء ان احکام میں خود ان ائمہ کے تابع ہیں اور شافعیہ و جابر بردی وغیرہما میں اقوال ائمہ عربیت کے جمع کئے گئے ہیں اس لئے اس کو سب پر ترجیح ہوگی اور دوسروں کے اقوال کو اس کی طرف راجع کریں گے۔ اسی طرح یہ عذر کہ جب مخرج و صفات کا لحاظ نہ ہو تب مستہجن ہے یہ بھی نہایت بار د ہے کیونکہ اس وقت تو یہ ماہیت ض ہی سے خارج ہو جاوے گا نہ کہ ض مستہجن رہی کیونکہ منجملہ مسلمات ہے۔ ثبوت الشیئی للشیئی فرع ثبوت المثبت لہ اور جب مثبت لہ یعنی ض ہی باقی نہ رہا تو اس کے لئے استہجان کیسے ثابت ہوگا اور آخر کار عذر مبنی ہے عذر اول پر چنانچہ تصریحاً کہا گیا ہے کہ ض مستہجنہ بھی ض ہے الخ سو مبنی کا انہدام ابھی ہو چکا ہے اور اگر تقریر کو اس

طرح بدلا جاوے جس طرح بعضوں نے کہا ہے کہ ظاء کو اس لئے ترجیح ہے کہ وہ کوئی حرف تو ہے اور دال مفخم تو کوئی حرف ہی نہیں ہے یہ البتہ کسی قدر معقول امر ہے لیکن اس کا معارضہ اس طرح ہو سکتا ہے کہ دال مفخمہ گو کوئی حرف نہیں مگر دوسرے حروف ظاء وغیرہ سے ممتاز تو ہوا اور اس لازم میں ض کا شریک ہے اور ظاء وغیرہ میں تو امتیاز بھی نہیں اور امتیاز خود فی نفسہ مطلوب ہے اس لئے اس کو ظاء پر ترجیح ہوگی تو اس معارضہ کا جواب مرجع اول کے ذمہ رہے گا اور اس سے یہ نہ سمجھا جاوے کہ ہم اس کی ترجیح کے قائل ہیں صرف دلیل کا حال دکھانا مقصود ہے ورنہ ہمارا مسلک تو صورت سوم ہے جیسا اوپر بیان ہوا پس دلیل استہجان پر ان شبہات میں سے کوئی شبہ واقع نہ ہو سکا البتہ خود مجھ کو یہ شبہ ہے کہ شاید بین بین باعتبار مخرج کے ہو یعنی اگر حافہ لسان واضر اس سے استطالت کے ساتھ ادا ہو تو ض فصیح ہے اور اگر طرف لسان و ثنایا سے ادا ہو تو ظاد ہے اور اگر حافہ واضر اس سے بلا استطالت ادا ہو تو ضاد مستحسن ہے کیونکہ اس صورت میں یہ مخرج بین مخرج الضاد و الفصیحۃ و بین مخرج الظاء ہوگا تو یہ بین بین مخرج میں ہو انہ صوت میں اس لئے مدعاء پر دال نہیں اس شبہ کا جواب میں نے بہت سوچا مگر نہ کوئی کتاب پاس ہے نہ کوئی ماہر فن قریب ہے اور میں خود ماہر نہیں اس لئے اس شبہ کو ماہرین کے حوالہ کرتا ہوں۔ بہر حال اب تک جس قدر نظر و فکر نے کام دیا اس سے صورت ثالثہ کو ترجیح معلوم ہوتی ہے اور عوام کو دال کے مخرج سے پڑھنا اور غیر مقلدین وغیرہم کا ظاء کے مخرج سے پڑھنا محض غلط ثابت ہوتا ہے۔ رہا جواز و فساد و صلوة کا سوہر چند کہ اس میں روایات فقہیہ سخت متخالف و متعارض ہیں مگر ظاہراً ان سب کی نماز ہو جاتی ہے کیونکہ قصد سب کا ض ہی ادا کرنے کا ہے صرف غلطی طریق ادا کے سمجھنے میں ہے متاخرین فقہاء کے قول سے اسی طرح کی وسعت معلوم ہوتی ہے خلاصہ یہ کہ اپنی قدرت کے موافق مشق تو کرے تیسری صورت کی باقی نماز غیر مشاق کی تو ہر طرح ہو جاتی ہے اور مشاق کی زبان سے بھی اگر بلا قصد غلط نکل گیا اس کی بھی نماز ہو جاتی ہے البتہ اگر مشاق ہو کر اس قصد سے پڑھے کہ میں ظاء پڑھتا ہوں یا دال پڑھتا ہوں اس کی نماز بلاشبہ فاسد ہے۔

فی الشامیۃ عن الخزانۃ الأکمل قال القاضی ابو عاصم ان تعمد ذلك تفسد وأن جرى علی لسانه اولا يعرف التمییز لا تفسد وهو المختار حلیۃ وفي البزازیۃ وهو أعدل الا قاویل وهو المختار اهـ . والله اعلم وعلمه أتم واحکم۔

الفتویٰ المتعلقة بالضاد فیہ کلام فی مواضع

سوال (۲۳۵) الاول قوله فی الجواب عن السؤال الاول ضاد معجمه را با امتیاز مخرج خود مائل بصوت طاء معجمه تلفظ باید کرد قلت اگر مراد این است که امتیاز در میان این هر دو محض باعتبار مخرج است و در صوت اصلاً تماز نیست فلا دلیل علیه والحکم بالتشابه فی کتب القراءة لا یتلزم الحکم بالتشابه التام بل یمکن تحققه فی ضمن التشابه الغير التام واگر مراد این است که در صوت هم امتیازی باید کرد پس عبارت برائے این مقصود کافی نیست (۱) بالخصوص باعتبار بعضی عوام که شیفته طاء خالصه خواندن هستند ایشان این عبارت را بر موافق هوای خود محمول خواهند داشت الثانی قوله فی الجواب عن السؤال الثانی باعث عدم تعسر امتیاز در میان هر دو یعنی ضاد و دال بالاتفاق مفسد صلوة خواهد شد الخ۔

اقول فی ردالمحتار مانصه وفی التاتارخانیة عن الحاوی حکى عن الصفار انه کان یقول الخطاء اذا دخل فی الحروف لا یفسد لان فیہ بلوی عامة الناس لانهم لا یقمیون الحروف الا بمشقة اه و فیہا اذالم یکن بین الحرفین اتحاد المخرج ولا قربه الا ان فیہ بلوی العامة کالذال مکان الضاد او الزای المحض مکان الذال والطاء مکان الضاد لا تفسد عند بعض المشائخ اه قلت فینبغی علی هذا عدم الفساد فی ابدال الثاء سینا والقاف همزة کما هو لغة عوام زماننا فانهم لا یمیزون بینهما ویصعب علیهم جدا کالذال مع الزاء ولا سیما علی قول القاضی ابی عاصم وقول الصفار۔

پس در حکایت اتفاق کلام است و شک نیست کہ بعضی عوام چنانچہ در ابدال ضاد معجمه بطاء خالصه مبتلا هستند بچنین بعضی بلکه اکثر در ابدالش ببدال گرفتار اند لیس عموم بلوی در هر دو جا مشترک است و حسب روایت ردالمحتار هر دو در عدم فساد مساوی اند و از آنچہ از قاضی خان و غیره فساد در ابدال ببدال نقل کرده شده است خود قاضی خان در مغضوب علیهم والعادیات ضیحاً ابدال ضاد بطاء را مفسد گفته فکان إلا بدالان متساویین الثالث قوله فی الجواب عن السؤال الثالث بلا قصد و اختیار عین طاء بر زبان جاری شود یا فرق نمی شناسد الخ

(۱) فی نفسه عبارت کافی است زیرا کہ مفتی مائل بصوت طاء گفته نہ کہ بصوت طاء نعم بمظنة غلط فہی عوام است کہ این چنین بار یکبار نمی فہمند یا براہ تعصب از آن غض بصری نمایند بنا بریں تنصیص این ضروری می بود کہ بصوت طاء تلفظ نمی باید کرد و ۱۲ تصحیح الاغلاط۔

الخ۔ اقول ایس صحیح است لیکن اکتفاء بر ذکر شق واحد عوام را بایں وجه مضراست کہ اہل ظاء قصداً و اختیاراً ظاء میخوانند ایشان از قید عدم قصد و اختیار قطع نظر کردہ بر ظاء خالصہ خواندن تمسک خواہند کرد آری اگر شق ثانی ہم تصریحاً مذکور بودے کہ در حالت قصد چنانکہ عوام زمان می کنند جائز نیست پس احتمال ایں اضرار نماندی باز فرق تشناختن مشترک است میان دال و ظاء از ضاد پس صحت صلوٰۃ حکم مشترک می باید بود و ممکن است کہ منشاء ایں ہمہ کلام عدم مہارت احقر در تجوید باشد لیکن برای دستخط نہ کردن عذری کافی ست۔ قال اللہ تعالیٰ ولا تقف مالیس لک بہ علم و قال صلی اللہ علیہ وسلم لا تشہد حتی تری مثل الشمس۔ فقط واللہ اعلم و علمہ اتم۔

۷/رجب ۱۳۲۲ھ (امداد ص ۱۲۹ ج ۱)

سوال (۲۳۶) چہ می فرمایند علمائے دین و شرع متین دریں مسئلہ بروز عید الفطر نماز بوجہ نزاع لفظ ض بمشابه دوض بمشابه ظ در دو مقام علیحدہ علیحدہ نماز شدہ یعنی دو جماعت اول ض بمشابه و علیحدہ جماعت دوم ض بمشابه ظ علیحدہ مابین فریقین نقیض است کہ نماز شما درست نشدہ یکے بادیگری متنازع اند۔ آجیبوا و بینوا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب۔ فی قاضی خان وان کان لا یمکن الفصل بین الحرفین الا بمشقة كالظاء مع الضاد الخ وفيه لو قرء غیر المغطوب بالظاء او بالذال تفسد صلوٰتہ ولو قرء الظالین بالظاء او بالذال لا تفسد صلوٰتہ ولو قرء الدالین بالذال تفسد صلوٰتہ۔

از روایت اولی معلوم شد کہ ضاد اشبه است بظاء از دال۔ و از روایت ثانیہ مفہوم گشت کہ قصداً ظاء خواندن و بچناں دال خواندن جائز نیست۔ پس واجب است کہ قصد تصحیحش کردہ شود و با وجود قصد صحیح خواندن غلطی عفوست لعموم البلوی۔ پس مفسدہ نزاع ازین مفسدہ افتح و اشنع است چنین امور را موجب تفریق بین المسلمین نمودن وبال عظیم است۔ (۱) اما امام را با ید کہ از خواندن ظاء احترام نماید کہ در آں علاوہ غلطی کہ مشترک است میان دال خواندن ہر دو تشبہ باہل اہواء مثل روافض خذلہم اللہ و غیر مقلدین و اتباع ہوائے ایشان و ترویج بدعت ایشان ست واللہ تعالیٰ اعلم و علمہ اتم و احکم۔

۹/شوال ۱۳۲۳ھ (امداد ص ۱۳۰ ج ۱)

سوال (۲۳۷) کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ جو شخص حرف ض معجمہ کو اس کے مخرج

(۱) یہاں پر عبارت میں تصحیح الاغلاط ص ۲۱ سے ترمیم کی گئی ہے ۱۲ منہ۔

سے ادا کرنے پر قادر نہ ہو وہ شخص حرف مذکور کو بصوت ظاہری منقوٹہ کہ دونوں حرف مفہم اور مشتبہ الصوت ہیں جیسا کہ کتب قرآۃ و تفسیر وفقہ مثل جزری و فتح العزیز و اتقان و فتاویٰ قاضی خان و فتح القدیر وغیرہ میں مصرح ہے اور صفات میں بھی مانند رخوہ و استعلاء و اطباق وغیر آں متحد کما بحث عنہ فی موضعہ پڑھے یا بصورت دال مہملہ کو جو مرقق و غیر مشتبہ الصوت و بعض صفات متضادہ ضاد معجمہ مثل شدت و انخفاض و انفتاح کے ساتھ متصف ادا کرے جیسا کہ فی زمانہ اکثر اشخاص پڑھتے ہیں۔ بینوا تو جروا۔؟

الجواب۔ یہ تو ظاہر ہے کہ تغایر مخارج تغایر حروف خارجہ پر دلالت کرتا ہے اور تغایر مخارج ضاد و دال و ذال و طاء مجمع علیہ اور مصرح بہ ہے کما لا ینحفی۔ پس یہ دلیل ہے اس پر کہ ذات ضاد اور ہے اور ذات طاء و دال اور۔ جب تغائر ذاتی ثابت ہو گیا تو اب ضاد کو طاء یا دال پڑھنا ایسا ہے جیسا با کوتا، ٹا کو جیم حا کو خا، و ہذا باطل بالاجماع فکذا ذلک۔ اور اتحاد صفات سے اتحاد موصوف لازم نہیں جیسا جیم اور دال کو صفات جہر و شدت و انفتاح و انخفاض و اصمات و قلقلہ میں متحد ہیں باوجود اتحاد اوصاف مذکورہ کے پھر ان دونوں میں زمین آسمان کا تفاوت ہے علی ہذا القیاس اور علاوہ ازیں یہ کہ جیسا ضاد و طاء میں تشابہ تام ہے اور صرف تغایر فی المخرج و استطالت فارق ہے۔ اسی طرح ضاد و دال میں تقارب بلغ ہے کہ محض (۱) تغایر فی المخرج و اطباق فاصل ہے۔ کما صرح بہ فی المفتاح الرحمانی فی علم القراءۃ لولا الاطباق فیہا لکان الصاد سینا و الطاء تاء و الظاء ذالاً و الضاد ذالاً انتہی۔ اس سے ثابت ہوا کہ ظا کو ذال کے ساتھ اور ضاد کو دال کے ساتھ قرب تام ہے کہ فقط اطباق میسر ہے بلکہ باعتبار مخرج کے ضاد کو دال کے ساتھ زیادہ قرب ہے بہ نسبت طاء کے جیسا شافیہ میں ہے۔

والضاد المعجمة اول حافة اللسان وما يليها من الأضراس واللام مادون طرف اللسان الى منتهاه وما فوقه والراء منهما ما يليها والنون منهما ما يليها والطاء والذال المهملتين والتاء المثناة طرف اللسان وأصول الثنايا العليا والصاد والزاء والسين طرف اللسان والثنايا السفلى والطاء والذال والتاء طرف اللسان و طرف الثنايا العليا الى ان قال كل مخرج قدم ذكره فهو أقرب الى الصدر مما بعده وكذا كل حرف سبق ذكره فهو أقرب اليه مما بعده انتہی۔

پس جس وقت ضاد کے بعد دال کا ذکر کیا اور دونوں کے درمیان چار حرف یعنی لام راء

(۱) حصر ضافی ہے پس اس سے نفی استطالت کی نہ سمجھی جاوے۔ ۱۲ منہ۔

نُونِ طَاءِ مذکور ہیں۔ اور طَاءِ کا سب کے بعد ذکر کیا اور درمیان اس کے اور ضاد کے تو حرف یعنی لام، راء، نون، طاء، دال۔ تا۔ ضاد۔ زاء۔ سین مذکور ہیں معلوم ہوا کہ ضاد و دال (۱) میں زیادہ قرب ہے بہ نسبت ضاد و طاء کے پس متحقق ہوا کہ جیسا ضاد کو طاء کے ساتھ تشابہ ہے ویسا ہی یا زیادہ دال کے ساتھ ہے اور جیسا دال کے ساتھ تغایر ذاتی ہے ویسا ہی طاء کے ساتھ پس ضاد کو طاء و دال دونوں کے ساتھ اقل درجہ برابر نسبت ہوئی اور دونوں جواز و عدم جواز میں متساوی (۲) الاقدام ہیں اگر ضاد کو طاء پڑھنا جائز تو دال بھی پڑھنا جائز اور اگر دال پڑھنا جائز نہیں تو طاء پڑھنا بھی جائز نہیں اور اول یعنی ضاد کو بصوت دال و طاء پڑھنا بالاجماع باطل ہے پس ثانی متعین ہو گیا کہ کسی کی صوت میں پڑھنا جائز نہیں و نیز تبصریح ائمہ قرأت یہ ضاد محض مشابہت (۳) طاء سے حروف مستجنہ میں سے ہو جاتا ہے۔

فی الشافیه والضاد الضعیفۃ فمستہجنۃ انتہی وفی النظامیۃ شرح الشافیۃ والضاد الضعیفۃ ای التی تکنون بین الضاد والطاء و قال فی الکفایۃ شرح الشافیۃ والضاد والضعیفۃ بین الضاد والطاء انتہی۔ اور حروف مستجنہ کا قرآن شریف میں پڑھنا جائز نہیں۔ لکما فی رسالۃ تبعید الضاد عن صوت الطاء کانت تلک الضاد ضعیفۃ مستہجنۃ محرمة فی القراءۃ والتلاوۃ انتہی۔ پس ہر گاہ بوجہ استہجان کے مشابہ طاء کے پڑھنا جائز نہیں تو بعینہ طاء پڑھنا کیونکر جائز ہوگا بلکہ اگر عمداً پڑھے گا تو اس کی نماز کی صحت و فساد میں اختلاف ہے اور مفتی بہ فساد صلوٰۃ ہے۔ قال فی الخانیۃ والخلاصۃ الأصل فیما اذکر حر فامکان حرف و غیر المعنی ان امکن الفصل بینہما بلا مشقۃ تفسد والا یمکن الا بمشقۃ كالطاء مع الضاد المعجمتین والضاد مع السین المهملتین والطاء مع التاء قال اکثرہم لا تفسد وفی خزائنا الا کمل قال القاضی ابو عاصم ان تعمد ذلک تفسد وان جرى علی لسانہ اولا یعرف التمییز لا تفسد وهو المختار حلیۃ و فی البزازیۃ وهو اعدل الا قاویل وهو المختار انتہی۔

پس تحقیق مذکور سے واضح ہو گیا کہ ضاد کو دال یا طاء پڑھنا ناجائز و تحریف صریح ہے۔ وقد ورد فیہ ما ورد قال اللہ تعالیٰ یحرفون الکلم عن مواضعہ الآیۃ۔ بلکہ حتی الوسع اس

(۱) یعنی باعتبار اداء تعدا کے ۱۲ منہ۔

(۲) یعنی باعتبار اقربیت مخرج کے نہ کہ صفات و صوت کے ۱۲ منہ۔

(۳) یعنی مشابہت مع تبدیل مخرج سے ورنہ مخرج سے ادا ہونے سے مشابہت صوت لازم ہے ۱۲ منہ۔

کے مخرج سے نکالنے کا قصد کرے خواہ نکلے صحیح یا نہ نکلے صحیح نکلے یا غلط طاء نکلے یا دال مہملہ یا غیر ان دونوں کا شرعاً وہ معذور اور مصیب ہوگا لقولہ تعالیٰ لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا الْآیۃ۔ بلکہ باوجود تکلف اور مشقت کے اگر ادا نہ ہوگا تب بھی دواجر ملیں گے اجر مشقت واجر قراءت عن عائشہ رضی اللہ عنہا قالت قال رسول اللہ ﷺ الماھر بالقرآن مع السفرة الکرام البررة والذی یقرأ القرآن و یتتبع فیہ وهو علیہ شاق له اجران متفق علیہ۔ لیکن اس کے سیکھنے میں کوشش کرنا ہمیشہ واجب ہے۔ لقولہ تعالیٰ وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِیْلًا۔ در تفسیر حسینی تحت ایں آیت آورده و از مرتضیٰ علی رضی اللہ عنہ نقل کرده اند کہ مراد بترتیل حفظ وقوف ست و ادائے حروف انتہی۔ اور رتل وجوب کے لئے ہے۔ اس کی تعمیل میں سعی کرنا واجب ہے اور اگر جہد و طلب میں کوتاہی کرے گا گنہ گار ہوگا۔

لما مر من الأمر المذكور ولما فی الدر المختار فی بحث عدم جواز اقتداء غیر الا لثغ بالألثع هكذا وحرر الحلبي وابن الشحنة انه بعد بذل جهده دائما حتما كالامی وفي الشامی قوله دائما ای فی اناء اللیل وأطراف النهار فما دام فی التصحیح والتعلم ولم یقدر علیہ فصلا ته جائزة وان ترك جهده فصلا ته فاسدة كما فی المحيط وغیره قوله حتما ای بدلا حتما فهو مفروض علیہ انتہی۔ یہ حکم تھا لثغ کا جو قادر نہ ہو تکلم سین وراء پر اور یہی حکم ہے اس شخص کا جو کسی خاص حرف مثل ضاد وغیرہ کے تلفظ پر قادر نہ ہو۔ لما فی الدر المختار وكذا من لا یقدر علی التلفظ بحرف من الحروف الـ وفي الكلام سعة لا یتحملہ المقام۔ واللہ الہادی الی الصواب وهو المنعم۔ فقط۔

۲۶ رجب روز یکشنبہ ۱۳۰۳ھ (امداد ص ۱۴۲ ج ۱)

سوال (۲۳۸) تجوید کی رو سے حرف ضاد کا مخرج حافقی اللسان اور دونوں ڈاڑھوں میں سے ہے اگر ضاد اصل مخرج سے نکالا جاتا ہے تو ضاد بصوت طاء ادا کیا جاتا ہے اور مخرج مروجہ سے یعنی اگلے دانتوں کے مسوڑھے سے یعنی دال کے مخرج سے حسب معمول نکالا جاتا ہے تو ضاد بصوت دال مفخمہ ادا ہوتا ہے کتب فقہاء سلف سے تو ضاد بصورت طاء ثابت ہوتا ہے اور رواج بصوت دال ہے چونکہ اس کا مخرج درحقیقت دشوار ہے اور تجوید کی رو سے ضاد اور طاء معجمہ صفات میں یکساں ہیں صرف طول اور قصر کا فرق ہے اور دال سے بہت تفاوت ہے۔ لہذا اب التجاء یہ ہے کہ ہم ناواقفوں کو کیا کرنا چاہئے ضاد بصوت طاء جائز ہوگا یا ضاد بصوت دال مفخمہ جائز ہوگا۔ چونکہ اس وقت خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہمارے علماء موجود ہیں پھر ہم کو

پریشانی اٹھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ جہاں تک کتابوں سے تحقیق کیا ہے وہاں تک ضاد بصوت طاء معلوم ہوا ہے۔ اب آنجناب اس کی تحقیق سے مطلع فرما کر معزز فرمادیں۔

الجواب۔ اس میں جو دو عادتیں ہو گئی ہیں ایک مخرج دال سے نکالنا دوسرے مخرج طاء سے نکالنا دونوں غلط ہیں مخرج صحیح سے نکالنا چاہئے اس سے صوت مشابہ ظ کی پیدا ہوگی نہ عین ظ کی مشاق کے ادا کرنے میں ذال اور ض اور طاء میں فرق متمیز ہوتا ہے۔ فقط۔ واللہ اعلم۔

۲۵ جمادی الاخریٰ ۱۳۲۹ھ (تمتہ اولیٰ ص ۴۴)

سوال (۲۳۹) حرف ضاد معجمہ زید مشابہ دال یا طاء کے پڑھتا ہے اور اگر سیکھے تو صحیح سیکھ سکتا ہے مگر سیکھتا نہیں جیسے غیر مقلد طاء پڑھتے ہیں اور پنجابی دیہاتی دال موٹا کر کے پڑھتے ہیں اور اگر سیکھیں تو صحیح سیکھ سکتے ہیں۔ جو ضاد کو ادا کر سکتا ہے وہ یوں نہیں کہتا ہے کہ ان کی نماز نہیں ہوتی اور نہ ان کے پیچھے پڑھنی درست ہے۔؟

الجواب۔ اس حرف کو جو غلط بظن صواب و بقصد صواب پڑھیں جیسا ابتلائے عام ہے چونکہ عموم بلوئی موجبات تیسیر و تخفیف سے ہے اس لئے میرے نزدیک سب کی نماز درست ہو جاتی ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ صحیح سیکھنے کی کوشش نہ کرنے سے گناہ ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

۶ ذی الحجہ ۱۳۲۹ھ (تمتہ اولیٰ ص ۴۴)

سوال (۲۴۰) ایک سوال آیا تھا جس کا حاصل یہ تھا کہ دالین پڑھنا یا ظالین ہر ایک کو ایک ایک فرقہ مفسد صلوٰۃ کہتا ہے۔ یہاں سے یہ جواب دیا گیا۔؟

الجواب۔ ضاد کی جگہ دال پڑھنا بھی غلط۔ طاء پڑھنا بھی غلط۔ قصد غلط پڑھنا گناہ ہے گو بوجہ عموم بلوئی کے نماز دونوں کی فاسد نہیں ہوتی کسی ماہر تجوید سے مشق کر کے صحیح پڑھنے کی کوشش کرے اس پر بھی اگر غلط نکل جاوے تو معذوری ہے۔ ۱۰ صفر ۱۳۳۹ھ (تمتہ خامسہ ص ۱۷۵)

سوال (۲۴۱) بسم اللہ الرحمن الرحیم الحمد للہ الذی خلق صوت کل حرف من الحروف متخالفاً و متغایراً وان کان اشتراك بعضها مع البعض فی الصفات ظاہراً۔ والصلوة والسلام علی من لا ینطق عن الہوی ان ہو الا وحی یوحی و علی صحبہ الذین من تابعہم فقد اہتدی و من خالفہم فضل و غوی۔ اما بعد فاقول۔

اولاً۔ آنکہ باوجود اختلاف مخارج حروف مع اشتراک بعضی از صفات اتحاد صوت

یا تشابہ آں بیک دیگر لازم می آید یا نہ چنانچہ مخرج دال و جیم کہ مختلف است و بچند صفات مثلاً در جہر و شدۃ و انفتاح و انخفاض و اصمات و جرس و قلقلہ مشترک اند۔ و بچنین کاف و تائی فوقانیہ مع تخالف مخارج در صفت ہمس و شدت و انفتاح و انخفاض و اصمات و جرس و سکونت مشترک الصفات۔ پس آ یا صوت دال و جیم و ہذا صوت کاف و تائی فوقانیہ متحد و یکساں است یا مختلف و دیگر گوں۔

ثانیاً۔ آنکہ آنچہ اہل تجوید و ارباب قرأت فیما بین مخرج ضاد و طاء تخالف و تفارق بیان فرمودہ اند صحیح و درست است یا نہ۔

ثالثاً۔ آنکہ حروف مفردہ تہجی کہ کلام عرب از انہا ترکیب یافتہ است بحسب انحصار قراء عرب در بست و نہ حروف منحصر اند یا نہ۔

رابعاً۔ آنکہ اگر حرفی از انحصار قراء عرب زائد است چہ نام دارد و مخرجش کدام است۔

خامساً۔ آنکہ با وجود تخالف مخارج و تغائر اصوات حروف اگر کسے عمداً در نماز یک حرف را بصوت دیگر حرف ادا می کند مثلاً ولا الضالین بظاء معجمہ میخواند پس آیا نمازش صحیح و درست است یا نہ و اگر نمازش صحیح است پس آنچہ مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی در سالہ الدلیل المحکم در صفحہ ۲۱ ارقام فرمودہ است کہ (جناب من جیسے کہ بے کی جگہ تے اور دال کہ جگہ ذال اور حا کے بدلے خا اور شین کے عوض سین اور عین کے مقام غین اور لام کے مکان میم نہ کوئی پڑھتا ہے اور نہ کوئی جائز سمجھتا ہے۔ ایسے ہی ضاد کو چھوڑ کر طاء پڑھنا بھی خلاف عقل و نقل ہے یہ بات عقل و نقل کی رو سے منجملہ تحریف ہے جس کی برائی خود کلام اللہ میں موجود ہے پھر معلوم نہیں آج کل کے عالم کس وجہ سے ایسی نامعقول بات تسلیم کر لیتے ہیں مگر شاید عوام فتوؤں کی مہروں کو دیکھ کر بچل جاتے ہیں اور یہ کون جانے کہ کتابوں کا سمجھنا ہر کسی کو نہیں آتا انتہی چہ معنی دارد و قاری طاء بجائے ضاد عمداً مرتکب کبیرہ است یا نہ۔ و ایں چنین تعلیم او کہ بشاگردان خود میدہد از روئے شریعت غراء باعث ثواب است یا عقاب۔ بینواتو جروا۔؟

الجواب۔ الکلی الاجمالی۔ اما عن الاول۔ اتحاد باطل است اجماعاً و تشابہ نہ لازم است نہ ممتنع بلکہ تابع دلیل است و دلیل تشابہ در ضاد یا طاء از ماہرین فن منقول است نہ در ضاد یا دال۔

وعن الثانی۔ در صحت آں چہ شبہ است۔

وعن الثالث والرابع۔ بدرجہ احتمال ہم باطل است لیکن غرض ایں سوال بذہن نیامدہ تا ہم ایں محذور در خواندن ضاد بصورت دال مفخم الزم است نہ در خواندنش بصورت طاء

اگرچہ محذور دیگر مثلاً تحریف لازم باشد کما سیاتی۔

وعن الخامس۔ صحت و فساد صلوٰۃ تابع صحت و فساد معنی است لیکن معصیت در ہر صورت مشترک و ایں حکم مخصوص نیست تبغیر ضاد بظاء معجمہ بلکہ عام است۔ تبغیر ضاد بدال را ہم و کلام مولاناؒ محمول است بر معصیت چنانچہ آں راں تحریف نامیدند و تعرض بہ فساد صلوٰۃ نہ فرمودند و ہر تحریف ناشئی از شبہ مستلزم فساد صلوٰۃ نیست چنانچہ اگر کسے بجائے ذلک الکتب لاریب فیہ بسبب شبہ هذا الکتب لاریب خواند نماز فاسد نشود و ایں تبغیر ضاد ناشئی ست از شبہ باقی تشخیص کبیرہ یا صغیرہ بودن و وظیفہ مجتہد ست و ظاہر ست کہ تعلیم معصیت نیز معصیت است لیکن ہچنین بلا دلیل معصیت را بر کسے چسپانیدن و فاعل تشابہ را فاعل اتحاد قرار دادن ہم معصیت است بہر حال ضاد حرف مستقل است نہ عین ظاء است نہ عین دال گو مشابہ الصوت است بظاء لیکن مفہوم مشابہت خود مستلزم است امتیاز را زیر کہ مشابہ بودن چیزے بذات خود معنی ندارد۔ مشابہت در متغائرین می باشد۔ پس امتیاز صوت را علماً یا عملاً رفع کردن غلو بین است۔ اما ایں امتیاز صوت از کتب مدرک نمی شود تعلق بسماع از ماہر دارد۔ من از قراء پانی پت کہ در ایں فن از دیگر اں امتیاز خاص دارند ایں حرف شنیدہ ام در ادائے شاں صریح امتیاز محسوس میشود ہم از ظاء و ہم از دال ہذا و جواب خامس تتمہ ہم دارد و آں اینکہ حکم بفساد صلوٰۃ برفوتوی متاخرین عام نیست بلکہ مخصوص است بہ قادر بر ادائے صحیح اما غیر قادر پس نمازش و ہچنین اما متشصحیح خواں را و غلط خواں را در ہر دو صورت صحیح است خواہ بصوت دال خواند خواہ بصوت ظاء کہ آں لغت او گشتہ باز در صورت غلط ادا نمودن آیا ترجیح دال مفخم راست کہ اگرچہ غلط است لاکن ممتاز است بخلاف ظاء کہ ممتاز ہم نیست یا ظاء معجمہ راست کہ اگرچہ ممتاز نیست لیکن حرف قرآن ست بخلاف دال ایں کلام دیگر ست در ہر دو جانب جماعت است از اہل علم و لکل وجہۃ ہو مولیہا۔

۱۳ جمادی الثانی ۱۳۵۳ھ (النور ۹ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۳)

منع از غلو در قراءۃ سبعہ بوقت احتمال فتنہ عوام

سوال (۲۴۲) بعض مقامات میں سبعہ قراءۃ کا چرچا حد سے تجاوز کر چلا ہے بعض حفاظ لڑکوں اور جاہلوں کو مختلف روایتیں یاد کرا کے پڑھاتے اور پڑھواتے ہیں اور اس کو صریحاً بغرض ریا پڑھتے پڑھاتے ہیں اور تراویح میں بھی ایسا ہوتا ہے جس سے سوانمود کے کوئی نفع نہیں۔ کیا اس طرح پڑھنے پڑھانے میں اس زمانہ پر آشوب میں یہ خوف نہیں ہے کہ

جہال و مخالفین اسلام ان اختلافات کو منکر مشوش ہوں گے اور خوف فتنہ نہیں ہے۔ چنانچہ بعض حفاظ نے تو یہ کہا ہے کہ ایک رکعت میں روایت حفص پڑھی دوسری رکعت میں روایت قالون کسی نے ٹوکا تو کہہ دیا کہ تم نہیں جانتے ایسی صورتیں اچھی نہیں معلوم ہوتیں کیا یہ فعل قابل روکنے کے نہیں ہے۔ براہ نوازش اگر قابل ممانعت ہے تو اس کا جواب ذرا تفصیل سے الامداد میں طبع ہو جاوے تو بہتر ہے میرا یہ خیال ہرگز نہیں کہ اس کی تعلیم بند ہو بلکہ زور دیا جاوے کہ تجوید کا نام قراءت ہے اور عوام کو اسی کی ضرورت ہے اگر کوئی لکھا پڑھا آدمی حرف بھی اس کا اچھا ہو تو اس کو سبع پڑھائی جاوے۔ سفہاء اور تنگ خیال لوگوں کو فقط تجوید پڑھائی جاوے اور قرأت جاننے والوں کو چاہئے کہ ہر کس و ناکس کو سوائے روایت حفص اور تجوید کے کچھ نہ پڑھایا کریں۔؟

الجواب۔ قال اللہ تعالیٰ۔ ولا تسبوا الذین یدعون من دون اللہ فیسبوا اللہ عدوا بغیر علم۔ فی تفسیر بیان القرآن۔ اس سے قاعدہ شرعیہ ثابت ہوا کہ مباح بلکہ مستحب بھی جب حرام کا سبب بن جائے وہ حرام ہو جاتا ہے الخ۔ (وہذا المبحث کله صالح لان یلاحظ فیہ ۱۲) وروی البخاری عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال حدثوا الناس بما یعرفون اتحبون ان یکذب اللہ ورسولہ۔ فی حقیقۃ الطریقۃ بعضیہا کبایک عوام کے سامنے بے تکلف و قائل بیان کر بیٹھتے ہیں بعض عوام ان کی تکذیب کرتے ہیں اور بعض قواعد مشہورہ شرعیہ کے منکر ہو جاتے ہیں سو ہر حال میں اور اللہ و رسول کی تکذیب کا تحقق ہوا۔ والثانی اشد من الاول۔ اس حدیث میں اس عادت کی ممانعت ہے۔ وروی مسلم عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ قال مانت بمحدث قوما لا یبلغہ عقولہم الاکان لبعضہم فتنۃ۔ فی حقیقۃ الطریقۃ۔ اس حدیث سے بھی وہی مضمون ثابت ہوتا ہے جو اس کے قبل کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے۔ (ص ۸۲) و فی ردالمختار تحت مسئلۃ کراہۃ تعین السورۃ فی الصلوۃ من الدرالمختار مانصہ حاصل کلام ہذین الشیخین بیان وجہ الکراہۃ فی المداومۃ وهو انہ ان رأی ذلک حتما یکرہ من حیث تغیر المشروع والا یکرہ من حیث ایہام الجاہل ج ۱ ص ۵۶۸

آیت اور حدیث اور فقہ سب سے یہ قاعدہ ثابت ہوا کہ جس عمل سے عوام و جہلاء میں مفسدہ و فتنہ اعتقاد یہ یا عملیہ قالیہ یا حالیہ پیدا ہو اس کا ترک خواص پر واجب ہے باقی فتنہ کا حدوث یا عدم حدوث یہ مشاہدہ سے معلوم ہو سکتا ہے سوال میں بعض حالات میں جو فتنہ سبعہ پر مرتب ہوتا ہوا مذکور ہے وہ مشاہدہ ہے پس فتویٰ شرعی ہوگا کہ خاص ان احوال میں سبعہ کا استعمال ممنوع ہوگا اور

اگر اس کے ساتھ قاری کی نیت بھی اظہار علم و دعوائے کمال و ریاء و تصنع و تفاخر ہو تو یہ فتنہ اس کے لئے مزید برآں ہے لہذا اس باب میں جو مشورہ سوال میں مذکور ہے۔ واجب الاتباع ہے۔

۱۴ ذی الحجہ ۱۳۳۵ھ (تمتہ خامسہ ص ۴۱)

جواب شبہ بر عبارت بیان القرآن در بارہ نقل کردن
قرآۃ ابن مسعود و علی الوارث ذی الرحم الخ بلاسند

سوال (۲۴۳) بیان القرآن کے منہیہ میں ابن مسعود کی قرآۃ و علی الوارث ذی الرحم بلاسند ذکر کیا ہے۔

الجواب۔ میں نے تفسیر مظہری سے لیا ہے۔ جس کو نقل کر کے مفسر لکھتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ نے اپنی اصل قاعدہ پر عمل کیا کہ ابن مسعودؓ کی قرأت سے کتاب کی تخصیص اور اس پر کچھ زیادتی جائز ہے اور ہدایہ میں بھی اس قرأت کو نقل کیا ہے۔ پس اگر شبہ احقر کی کتاب پر ہے تو اس کا جواب اس قدر کافی ہے کہ اس کا ماخذ فلاں فلاں کتاب ہے۔ اور اگر شبہ ان کتابوں پر ہے تو اس کی تصریح ہونا چاہئے تاکہ دوسرا جواب دیا جائے۔ ۹ جمادی الاخریٰ ۱۳۳۵ھ (ترجیح خامس ص ۱۴۹)

تحقیق اثبات واستقاط الف تشنیہ در ذاقا وقال الحمد وغیرہ

سوال (۲۴۴) (الف) (۱)۔ الف تشنیہ کا جیسے الف ذاقا الشجرة وقال الحمد لله الذی کا اور واؤ جمع کا جیسے وقالوا الحمد لله وافعلوا الخیر کے درج کلام میں ساقط ہوتا ہے یا نہیں اور اس کو پڑھنا چاہئے یا نہیں۔

الجواب۔ اس باب میں کوئی معتبر سند میری نظر سے نہیں گزری البتہ حضرت مولانا قاری عبد الرحمن صاحب نے اپنے بعض رسائل میں موقع التباس میں الف تشنیہ کے کسی قدر اظہار کو لکھا ہے۔ مگر واؤ جمع میں نہیں لکھا مگر چونکہ اس پر کوئی دلیل قائم نہیں کی لہذا میرا معمول نہیں اور التباس تو بعض جگہ واؤ جمع میں بھی ہے جیسے قل ادعوا الله اوادعوا الرحمن حالانکہ وہاں کوئی قائل نہیں۔ اور رفع التباس کیلئے قرینہ ساقیہ کافی ہے واللہ اعلم۔

۲۵ رجب المرجب ۱۳۳۲ھ (امداد ص ۱۱۲ ج ۱)

(۱) سہو کاتب سے دو سوال نمبر ۲۴۲ و ۲۴۳ مع ان کے جواب کے کتابت سے رہ گئے تھے تصحیح کے وقت کتابت کرا کے ان کو داخل کیا گیا مگر سلسلہ نمبرات کا الف نمبر ۲۴۲ و ب نمبر ۲۴۵ کر کے لکھ دیا ہے طبع ثانی میں درست کر دیا جائے گا۔ ۱۲

سوال (۲۴۵) (ب) پارہ انیس (۱۹) میں جو رکوع ہے ولقد آتینا داؤد و سلیمان علماً وقالوا الحمد لله الذی عرض یہ ہے کہ لفظ قالوا الحمد میں الف کھینچا جاویگا یا نہیں قالال ہے یا قالل ہے اگر قالل ہے تو صیغہ تشنیہ کا نہ رہے گا اور اگر قالال ہے تو اجتماع ساکنین ہو گیا یہاں حافظوں سے معلوم کیا تو اختلاف ہے کوئی قالال کہتا ہے اور اکثر قالل کہتے ہیں تو حضور اس کی تصحیح فرمادیں۔؟

الجواب۔ میں الف نہیں پڑھتا ہوں اور نہ آج تک الف پڑھنے کی کوئی دلیل ملی اور یہ شبہ عجیب ہے کہ تشنیہ نہ رہے گا کیا تشنیہ کا الف کسی عارض سے لفظاً ساقط نہیں ہو سکتا ورنہ لازم آتا ہے کہ سورۃ بنی اسرائیل کے آخر میں قل ادعوا اللہ میں بھی واؤ ظاہر کر کے پڑھا کریں ورنہ جمع نہ رہیگا حالانکہ وہاں و پڑھنے کا کوئی بھی قائل نہیں اگر کسی کو شبہ التباس کا ہو تو خصوصیت مقام اس کا دافع ہے ورنہ قل ادعوا اللہ میں بھی التباس بمفرد کا اعتبار کرنا چاہئے اگر سماع عن القراء سے استدلال کیا جاوے تو اس کے خلاف بھی مسموع عن القراء ہے۔

۲۴ رجمادی الاخریٰ ۱۳۲۲ھ (امداد ص ۱۳۸ ج ۱)

تحقیق اخفاء

سوال (۲۴۴) کیا یہ صحیح ہے کہ اخفاء میں نون ساکن یا تنوین کو اس طرح ادا کرے کہ کچھ نون ساکن یا تنوین نکلے اور کچھ وہ حرف نکلے جو نون ساکن یا تنوین کے بعد ہے۔ مثلاً رنگوں اور رنگت وغیرہ۔

الجواب۔ صحیح ہے کیونکہ حقیقت اخفاء کی بین الاظہار والادغام ہے اور اظہار میں نون خالص ہوتا ہے اور ادغام میں بالکل نہیں رہتا گو غنہ ہو سو یہ بین بین ہوگا۔ فقط

۲۵ رجمادی الاخریٰ ۱۳۲۲ھ (امداد ص ۱۱۲ ج ۱)

تحقیق ادغام طاء دراذ ظلموا

سوال (۲۴۵) وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا فِي كَيْدِ ادِّغَامِ ذَالِ طَاءٍ سَعَوْا بِهٖ - بعض قرآن میں طاء پر تشدید ہے۔؟

الجواب۔ إِذْ ظَلَمُوا میں بالاتفاق ادغام ہے کما فی غیث النفع المدغم إذ ظلموا للجمع۔ اور چونکہ پہلا حرف ساکن ہے یہ اصطلاح میں ادغام صغیر کہلاتا ہے۔ یہ بھی غیث النفع کے مقدمہ میں ہے اور عبارت سابقہ کے بعد جو لکھا ہے جو رمز ہے ادغام کبیر کا یعنی

جہاں حرف اول متحرک ہو یہ مابعد کے مواقع کے لئے ہے۔ یہ تعریف اور اصطلاح بھی مقدمہ میں ہے۔ (النور ص ۸ محرم ۱۳۵۸ھ)

رفع شبہ بر بعض اوقات

سوال (۲۴۶) اذ یعدون فی السبت اذ ظرف ہے القریہ کا یعنی واسئلہم عن القریۃ التی كانت حاضرة البحر میں جو قریہ ہے اس میں مضاف مخدوف ہے اذ یعدون ظرف ہے اس مضاف کا تو اذ کو قریہ سے فصل کرنا جائز ہوا یعنی بحر کو اذ سے ملا کر پڑھنا چاہئے۔ پھر بحر پر وقف کیا علماء نے بے تحقیق لکھ دیا ہے یا کوئی وجہ ہے تو بیان کریں۔ یہ تو سورۃ اعراف میں ہو اسی طرح سورۃ مومنون میں اعناب پر وقف لازم کہتے ہیں حالانکہ یہ وقف بھی قبیح ہے کیونکہ جنات مفعول ہے انشانہ کا یقیناً اور وشجرۃ تخرج معطوف ہے جنات پر معطوف اور معطوف علیہ میں فصل کرنا خصوصاً جب مفردات ہوں جملے نہ ہوں ناجائز ہے تو انشانہ سے لآ کلین تک وقف کرنا ناجائز ہوا تو اعناب پر بھی وقف ناجائز ہوا۔ ناجائز کو لازم کہنا معاذ اللہ سخت گناہ بلکہ اگر دیدہ و دانستہ کہے تو کافر ہو جاوے۔ مثلاً لمس اجنبیہ ناجائز ہے اور اگر کوئی اس کو واجب کہے تو کافر ہو جائے گا باتفاق مسلمین۔؟

الجواب۔ اول چند مقدمات سمجھ لینے چاہئیں۔

مقدمہ اول۔ رؤس آیات کے علاوہ کہ وہ مثل قراءت سبعہ کے توقیفی ہیں اور ان میں جو اختلاف ہے وہ بناء علی اختلاف الروایات ہے اور باقی جتنے اوقاف ہیں سب امور اجتہادیہ و ذوقیہ ہیں اور ذوق لسانی سے ہر لغت میں یہ فصل و وصل مواقع مختلفہ میں استعمال کیا جاتا ہے۔ اور ان میں اختلاف بناء علی اختلاف التفسیر والتاویل والاعراب ہے مثل اختلاف مسائل قیاسیہ حنفیہ و شافعیہ کے۔ اسی بناء پر اوقاف کے باب میں ائمہ قرأت کی اصطلاح جدا جدا ہیں۔ چنانچہ بعض کے نزدیک یہ انواع ہیں۔ تام۔ اتم۔ کافی۔ کفی۔ حسن۔ آحسن۔ صالح۔ قبیح۔ فبیح۔ اور امام سجاوندی کی یہ اصطلاحیں ہیں۔ مطلق۔ جائز۔ مجوز۔ مخصص۔ اور اس مطلق کی ایک قسم لازم ہے اور بعض کی یہ اصطلاحیں ہیں۔ تام شبہہ۔ تام۔ ناقص۔ شبہہ۔ ناقص۔ حسن۔ شبہہ۔ بحسن۔ قبیح۔ شبہہ۔ یقبیح۔ چنانچہ یہ سب اصطلاحیں منار الہدیٰ میں موجود ہیں جن کے عنوانات و معنونات و مواضع تعیین سب مختلف ہیں۔

مقدمہ دوم۔ وقف لازم میں لزوم بمعنی وجوب یا فرضیت نہیں ہے بلکہ بمعنی استحسان مؤکد ہے اور مدار اس لزوم کا ایہام پر ہے اگر وصل موہم ارادہ غیر مراد ہو وہاں وقف لازم سمجھا جاتا ہے۔

مقدمہ سوم۔ اسی طرح وقف قبیح میں قبیح بمعنی لزوم کفر یا معصیت نہیں بلکہ بمعنی عدم استحسان ہے اور مدار اس قبیح کا بھی ایہام پر ہے جہاں فصل موہم ارادہ غیر مراد ہوتا ہے وہاں وقف قبیح سمجھا جاتا ہے چنانچہ ہر دو مقدمہ کی دلیل منار الہدیٰ میں ہے۔

إذا علمت هذا عرفت بطلان قول من قال لا يحل لمن يؤمن بالله واليوم الآخر ان يقف على سبعة عشر موعظاً ضعافاً وقف عليها وابتدأ ما بعدها فانه يكفر ولم يفصل والمعتمد ما قاله العلامة النكراوى انه لا كراهة ان جمع بين القول والمقول لانه تمام قول اليهود والنصارى والواقف على ذلك كله غير معتقد لمعناه انما هو حكاية قول قائلها حكاها الله عنهم ووعيد الحق الله بالكفار والمدار فى ذلك كله على القصد وعدمه ومانسب لابن الجزرى من تكفير من وقف على تلك الوقوف ولم يفصل ففى ذلك نظر نعم ان صح عنه ذلك حمل على ما اذا وقف عليها معتقداً معناه فانه يكفر سواء وقف ام لا الى اخر ما قال و اطال و فيه ايضا القبيح وهو ما اشتد تعلقه بما قبله لفظاً ومعنى ويكون بعضه أقبح من بعض نحو ان الله لا يستحي فويل للمصلين فانه يوهم غير ما اراده الله تعالى فانه يوهم و صفا لا يليق بالبارى سبحانه تعالى ويوهم ان الوعيد بالويل للفريقين وهو لطائفة مذكورين بعده الى آخر ما قال و اطال وفى الجزرية وليس فى القرآن من وقف واجب ولا حرام غير ماله سبب وقال الملا على قارى فى شرح البيت و حاصل معنى البيت بكماله إنه ليس فى القرآن وقف واجب يا ثم القارى بتركه ولا وقف حرام يا ثم بوقفه لانهما لا يدلان على معنى فيختل بذهابهما الا ان يكون لذلك سبب يستدعى تحريمه وموجب يقتضى تحريمه وكان يقصد على ما من اله وانى كفرت ونحوهما كما سبق من غير ضرورة اذ لا يقصد ذلك مسلم واقف على معناه واذا لم يقصد لا يحرم عليه لا الوصل ولا الوقف فى مبناه - اور بناء على المقدمة الاولى ممكن ہے کہ اس ایہام میں آراء قراء مختلف ہوں۔

مقدمہ چہارم۔ امور اجتہاد یہ میں اختلاف کرنے سے تضلیل یا تفسیق نہیں ہو سکتی ورنہ تمام مجتہدین پر عافیت تنگ ہو جاوے گی۔

مقدمہ پنجم۔ فی منار الہدی یظلمون کافٍ شرّاً جائز و فیہ ایضاً واعناب جائز و مثله کثیرة و منها تاکلون کاف علی ان قوله و شجرة منصوب بفعل مضمر تقدیرہ و انشانا شجرة و ابتنا شجرة و لیس بوقف ان عطفت شجرة علی جنات و حینئذ لا یوقف علی واعناب و لا علی کثیرة و لا علی تاکلون۔

مقدمہ ششم۔ (۱) اذ یعدون فی السبت میں یہ بھی احتمال ہے کہ اذ ظرف ہو عامل مقدر کا اور یہ کلام مستأنف ہو یعنی جبکہ یہ کہا گیا و اسئلہم عن القرية التي كانت حاضرة البحر۔ ما کان حالہم تو اس پر قدرۃ یہ سوال پیدا ہوا کہ متی اس کا جواب دیا گیا اذ یعدون فی السبت۔ ای كانت تلك الحال اذ یعدون فی السبت اور یہی احتمال سجاوندی کے ذہن میں رائج ہے۔

مقدمہ ہفتم۔ لکم فیہا فواکہ میں بھی استثناف کا احتمال قوی ہے کیونکہ جب بطور انعام کے یہ کہا گیا فأنشأنا لکم بہ جنّٰتٍ میں نخیل و اعناب تو یہاں سوال پیدا ہوا ای نعمة کان لنا فی انشائها اس کا جواب دیا گیا لکم فیہا فواکہ کثیرة و منها تاکلون۔ سجاوندی نے اسی احتمال کو اختیار کیا ہے۔

مقدمہ ہشتم۔ چونکہ علم وقوف نہایت دقیق علم ہے جس میں بہت سے علوم کی ضرورت ہے اس لئے بدوں جمع ان آلات و علوم کے محض تھوڑی سی مناسبت درسی علوم کے سبب اس میں کلام جائز نہیں جیسا جمیع اجتہادیات کا حال ہے بعد تمہید ان مقدمات کے جواب سمجھنا چاہئے کہ سوال کے دونوں موقعوں میں جو وقف لازم ہے وہ سجاوندی کے قول پر ہے جس کی وجہ ہے کہ وصل میں ایہام اذ کے و اسئل کے متعلقات میں سے ہونے کا اور وہ سجاوندی کے ذہن

(۱) اصل کتاب مطبوعہ مجتہدائی دہلی میں اس جگہ دس مقدمات تحریر ہیں لیکن اسی کے ساتھ ضمیمہ بنام تصحیح الاغلاط میں اس مقام سے مقدمہ ہشتم نہم کو حذف کرنے کی ہدایت کی گئی ہے اور باقی مقدمات میں اور پھر اصل جواب میں جا بجا ترمیم و اصلاح فرمائی گئی ہے۔ احقر نے تصحیح الاغلاط کی ہدایات کے موافق دونوں مقدموں کو حذف کر کے آٹھ باقی رکھے اور دوسرے مقامات پر بھی قابل ترمیم عبارات میں حضرت کی تحریر کردہ ترمیم درج کر دی صرف تین مقامات ایسے تھے کہ ان میں ضرورت ترمیم کا تو حضرت نے اظہار فرمایا مگر بعد ترمیم جو عبارت رکھی جائے وہ تحریر نہیں فرمائی اس لئے ان مقامات کو بعینہ قائم رکھ کر حضرت کی تحریر کو ان مقامات پر بطور حاشیہ لکھ دیا ہے۔ ۱۲ محمد شفیع دیوبندی عفا اللہ عنہ۔

میں یہ خلاف مراد قرآنی ہے کیونکہ ان کے نزدیک یہ جملہ مستأنف ہے جیسا کہ مقدمہ ششم میں ظاہر کیا گیا اس لئے انہوں نے بحر پر وقف کیا اور ایہام اعناب کے موصوف اور جملہ لکم فیہا فواکہ کثیرۃ کی صفت ہونے کا الخ یہ ایہام وقف سے مرتفع نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وقف کسی طرح اس پر دلالت نہیں کرتا کہ یہ اعناب کی صفت نہیں ہے بلکہ نخیل واعناب مجموعہ کی یا جنات کی صفت ہے لہذا استدلال یوں کر ناچاہئے کہ سجاوندی کے نزدیک یہ کلام مستأنف ہے جیسا کہ مقدمہ ہفتم میں ظاہر کیا گیا ہے اور وصل میں شبہ تھا جنات یا نخیل واعناب کی صفت ہونے کا جو کہ ان کے نزدیک خلاف مراد قرآنی تھا اس لئے انہوں نے وقف کیا۔ رہا شبہ وقف کے قبیح ہونے کا سو وہ بیان بالا سے مندفع ہو گیا کیونکہ اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ عدم وقف میں سجاوندی کے نزدیک ایہام خلاف مراد ہے اسلئے وقف ضروری ہو انہ کے قبیح اور اگر محض فصل کو موجب قبیح کہا جاوے سوا اول تو یہ تفسیر قبیح کی کسی نے کی نہیں اور اگر اس جدید اصطلاح کو تسلیم بھی کر لیا جاوے تو وقف (۱) کرنے ہی پر کیا موقوف ہے خود موضع ثانی میں فاصل ہوتا اتنے بڑے کلام کا لکم فیہا فواکہ کثیرۃ ومنہا تا کلون لزوم قبیح کے لئے کافی ہونا چاہئے (بحکم مقدمہ ہشتم) بلکہ ایسا قبیح (۲) تو قرآن مجید میں صد ہا جگہ لازم آئے گا مثلاً آیۃ مذکورہ وقیلہ میں کہ بنا برقرأت نصب کے جو کہ قرأت متواترہ ہے حسب اختیار اخفش جو نحو میں امام جلیل ہے قیلہ کا عطف سرہم و نجواہم پر تجویز کیا گیا ہے کہ جس میں عامل و معمول میں سات آیات تو قبیحہ (جماعیہ فاصل ہیں اور حسب قول زجاج ساعۃ پر عطف تجویز کیا گیا ہے کہ جس میں روایات کا فصل ہے (بحکم مقدمہ نہم) پس اگر فصل مطلقاً موجب قبیح ہو تو ان ائمہء اجلہ نے اتنی قبائح کا لزوم قرآن میں کیسے گوارا کیا۔ علاوہ (۳) اس کے جو بناء شبہات کی ہے کہ اذ یعدون میں اذ طرف ہے اس مضاف کا الخ یا شجرۃ

(۱) یہ اعتراض سائل پر وارد نہیں ہوتا کیونکہ وہ لکم فیہا کو جنات وغیرہ کی صفت کہتا ہے یہ فصل بالا جنبی نہیں ہے لہذا اس اعتراض کو ساقط ہونا چاہئے ۱۲ منہ۔ تصحیح الاغلاط میں اس جگہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اعتراض کو ساقط لکھا ہے مگر عبارت کتاب کی تغیر کی صورت نہیں لکھی اسلئے احقر نے عبارت کو بعینہ قائم رکھ کر تصحیح کی عبارت کو حاشیہ بنا دیا اسی طرح اس صفحہ کے دوسرے حواشی کا حال ہے ۱۲ محمد شفیع عفی عنہ۔

(۲) یہ اعتراض بھی سائل پر وارد نہیں ہوتا کیونکہ جملہ معترضہ کا فصل فصل نہیں سمجھا جاتا برخلاف لازم کے اس کی توضیح اس سے ہو سکتی ہے قتلت الیہود لعنہم اللہ تعالیٰ و اذاقہم عذاب الحریق۔ الانبیاء بالاتفاق جائز ہے اور قتلت الیہود الانبیاء میں یہود پر وقف لازم صحیح نہیں لہذا اس اعتراض کو ساقط ہونا چاہئے۔ ۱۲ تصحیح الاغلاط ص ۱۹ ج ۱

(۳) یہ صحیح ہے مگر اس میں اتنا اضافہ اور ہونا چاہئے کہ سجاوندی نے اسی ترکیب کو اختیار کیا ہے اور اسی بنا پر وقف لازم کیا ہے جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے ۱۲ منہ۔ تصحیح الاغلاط ص ۳۰ ج ۱

مفعول ہے انشانا کا الخ اس میں خود کلام ہو سکتا ہے اس لئے یہ توجیہ بھی ممکن ہے کہ عامل اذکا مخدوف ہو مثلاً کانت حاضرة یا وقعت القصہ یا مثل اس کے جیسا کہ قرآن میں اس کے نظائر بکثرت موجود ہیں۔ پس بہر حال لزوم فتح کا کوئی مبنی نہیں پایا جاتا ہے اور بعد اللتیا واللتی اگر خواہ مخواہ کوئی فتح کا قائل ہی ہو اور کسی کو اس میں شرح صدر ہی ہو تو اس کی یہ تحقیق اپنے نفس پر حجت ہو سکتی ہے۔ قائلین باللزوم پر جن کا مستند دلیل صحیح ہے حجت نہیں (بحکم مقدمہ اول) پھر لمس اجنبیہ پر جو حرام قطعی اجماعی ہے قیاس کرنا امر اختلافی اجتہادی کا اول تو غفلت ہے معنی لازم و فتح سے پھر بوجہ فارق قطعیت و اجتہادیت کے کس طرح صحیح ہوگا (بحکم مقدمہ چہارم) چنانچہ صاحب منار نے کانت حاضرة البحر پر وقف ہی قرار نہیں دیا اور اعناب پر وقف جائز مانا (بحکم مقدمہ پنجم) لیکن اس قسم کا اختلاف جیسا صاحب منار نے امام سجاوندی کے ساتھ کیا ہے ہم جیسوں کو نہ اس قدر علم ہے اور نہ وہ ذکاؤ نہ وہ سلامت نظر جائز نہیں (بحکم مقدمہ وہم)۔ فقط واللہ اعلم۔

یکم شعبان ۱۳۲۱ھ (امداد ص ۱۱۳ ج ۱)

تحقیق وجوب علم تجوید و قراءت

سوال (۲۴۷) مدرسہ قرأت کی خدمت میں کیا کیا فضیلتیں رکھی ہیں اور یہ علم آیا واجب ہے یا مستحب؟

الجواب۔ قال الله تعالى و تعاونوا على البر والتقوى۔ اس سے ہر امر خیر کی اعانت کا امر اور فضل ثابت ہے البتہ احیاناً خیر میں شر منضم ہو جاتا ہے اس کی اصلاح واجب ہے اور اس علم کے تین شعبے ہیں تصحیح حروف بقدر امکان و رعایت وقوف بایں معنی کہ جہاں وقف کرنے سے معنی میں فساد و اختلال ہو وہاں وقف نہ کرے اور اضطرار میں عفو ہے لیکن ایک دو کلمہ کا اعادہ کر لینا احوط ہے یہ دونوں امر تو واجب ہیں علی العین۔ اور جس کو سعی کرنے پر بھی حصول سے یاس ہو جاوے وہ معذور ہے اور ایک شعبہ اختلاف قرأت ہے یہ مجموع امت پر واجب علی الکفایہ ہے۔ اگر بعض جاننے والے موجود ہوں یا بعض ایک قرأت کے حافظ ہوں بعض دوسری قرأت کے تو یہ واجب سب کے ذمہ سے ادا ہو جاتا ہے۔ ایک شعبہ ادغام و تفخیم و اظہار و اخفاء وغیرہا کی رعایت ہے یہ مستحب ہے۔ يظهر هذا كله من المراجعة الى كتب الفقه والقراءة۔ فقط واللہ اعلم

۱۲ ذی قعدہ ۱۳۲۵ھ (امداد ص ۱۲۰ ج ۱)

ثبوت اوقاف کلام مجید

سوال (۲۴۸) یہ جو رموز اوقاف قرآن شریف میں موجود ہیں اور معمول بہا قراء کے ہیں ان کا کہیں سے ثبوت مثل آیت وسنت واجماع و قیاس ہے یا نہیں اور جو شخص ان پر قصداً عمل نہ کرے اس کے حق میں کیا حکم ہے۔؟

الجواب۔ (۱) آیات و اوقات کلام مجید کے کتاب وسنت واجماع و قیاس سے ثابت ہیں۔ اما الكتاب فقال الله تعالى ورتل القرآن ترتیلاً فرمایا حضرت مرتضیٰ علی کرم اللہ وجہہ نے کہ معنی ترتیل کے یہ ہیں کہ تجوید حروف کی اور پہچاننا وقفوں کا از مختصر التجوید مصنفہ قاری قادر بخش مرحوم فی الصراح ترتیل ہموار خواندن و آرمیدہ و پیدا خواندن۔ وقال الله تعالى۔ ولقد آتيناك سبعاً سبع آیات۔ (۲)۔

وہی الفاتحة بیضاوی ۱۲ اما السنة فعن أم سلمة رضي الله عنها قالت كان رسول الله ﷺ يقطع قراءة يقرأ۔ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ^ط ثم يقف الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ۔ ثم يقف ترمذی ج ۲ ص ۱۳ وعن أبي هريرة رضي الله عنه عن النبي ﷺ ان سورة من القرآن ثلاثون آية شفعت لرجل حتى غفر له وهي تبارك الذي بيده الملك ترمذی جلد ۲ ص ۱۲۶ وفي الحديث (۳) من ضمن أن يقف على عشر مواضع في القرآن ضمنت له بالجنة كذا في الدرّة۔

از نہایات البیان مصنفہ قاری سید محمدی دہلوی مرحوم۔ اور اجماع اس لئے کہ آج تک سلف وخلف میں سے کسی نے اس میں خلاف نہیں کیا بلکہ ہمیشہ اس فن میں تصنیفات فرماتے رہے کما یعلم من مطالعة رسائل القراءة اور قیاس یہ کہ کلام میں مواضع ومواقع وصل وفصل ہوا کرتے ہیں تو منجملہ رعایات حسن کلام کے اس کی بھی رعایت ہے مگر اتنا فرق ہے کہ اہل زبان کو اس میں کچھ تکلف اور مشقت نہیں ہوتی اور غیر زبان والے کو دشواری پڑتی ہے۔ اس لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حاجت اس کی تعلیم وتعلم کی نہ تھی جب قرآن شریف تمام ملکوں میں پھیلا اور ان کی زبان عربی نہ تھی اس لئے خلط ملط کرنے لگے اور بے موقع اور غلط پڑھنے لگے ان کے لئے علماء

(۱) اس بحث میں احقر کی ایک تحریر مبسوط ہے جو رسالہ اثبات وقف لازم کے اخیر میں چھپی ہے ۱۲ منہ۔

(۲) آیت بھی وقف بالمعنی الاعم میں داخل ہے ۱۲ منہ۔

(۳) یہ حدیث کتب حدیث میں نظر سے نہیں گزری ۱۲ منہ۔

سلف نے اعراب قرآن و رموز اوقاف تجویز فرمائے اور ضبط کئے تاکہ ان کو سہولت ہو پس ثبوت اس کا ادلہ اربعہ شرعیہ سے ہے اور حتی الوسع اس کی رعایت ضروری ہے کہ بعض جا خلاف کرنے سے معنی بگڑ جاتے ہیں چنانچہ سورۃ برآۃ میں آئے واللہ لا یہدی القوم الظالمین پر ٹھیرنا لازم ہے اور اگر یہاں نہ ٹھہریں اور الذین امنوا وھاجروا کے ساتھ ملاویں تو بالکل معنی فاسد ہو جاویں گے کما لا یخفی و کفی قدوة بما قال النبی ﷺ۔ مارأہ المسلمون حسنا فھو عند اللہ حسن۔ اور جو قصداً اسکے خلاف کرے وہ مخالف جماعت ہے۔ واللہ اعلم۔

محرم ۱۳۰۱ھ (امداد ص ۱۴۱ ج ۱)

سوال (۲۴۹) صرف یہ ہے کہ قرآن مجید میں جہاں یہ (لا) علامت ہو اس جگہ وقف کرنا یا نہ کرنا حضرت رسالتما ب ﷺ وقف فرماتے تھے یہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے ثابت ہے لیکن علماء و حفاظ گجرات وقف سے یہاں منع کرتے ہیں لہذا حضور سے دریافت کیا گیا۔

الجواب۔ نہ کرنا اولیٰ ہے مگر جہاں منقول ہو وہاں کرنا اولیٰ ہے۔

۹/زی قعدہ ۱۳۳۶ھ (تمتہ خامسہ ص ۷۱)

موضع وقف میں وقف نہ کرنا

سوال (۲۵۰) وقف قرأت قرآن مجید موضع اوقاف میں بحر داسکان حروف موقوف علیہا بلا قطع انفاس گزر جانا جیسے کہ عادت اکثر حفاظ کی ہے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب۔ شرعاً جائز ہے یعنی گناہ نہیں لیکن عربیت و فن قرأت کے خلاف ہے۔ فقط

۹/محرم ۱۳۲۶ھ (تمتہ اولیٰ ص ۴۲)

حرف مشدّد پر وقف کرنے کا طریقہ

سوال (۲۵۱) حروف مشدّد پر وقف سکون کے ساتھ کیا جائے یا باشارہ تشدید اور اس حکم میں را ونون اور باقی حروف میں کچھ فرق ہے یا نہیں؟

الجواب۔ قدرے تشدید کا اثر ظاہر ہونا چاہئے خواہ کوئی حرف ہو۔ فقط

۹/محرم ۱۳۲۶ھ (تمتہ اولیٰ ص ۴۲)

سورۃ النعام کی دو آیتوں کے وقف پر شبہ کا جواب (۱)

سوال (۲۵۲) اوقاف سجاوندی میں اکثر خلجان ہوتا ہے پہلے بھی عرض کیا ہے اس وقت دو جگہ خلجان ہے اگر خیال مبارک میں کوئی توجیہ آوے یا کسی کتاب میں نظر پڑے تو اعلام فرماویں۔ واقسموا باللہ جہد ایمانہم لئن جائتہم ایۃ لیؤمنن بہا قل انما الایات عنداللہ وما یشعر کم انہا اذا جاءت لا یؤمنون۔ جملہ وما یشعر کم تا لا یؤمنون برقرۃ ان مفتوحہ ماقبل سے منقطع ہے داخل مقولہ قول نہیں معلوم ہوتا اور در صورت عدم وقف شبہ ہو سکتا ہے کہ داخل مقولہ ہو لہذا بظاہر عند اللہ پر وقف لازم ہو مگر کسی قرآن یا کتاب میں وقف نہیں لکھا۔ حضرت نے اپنی تفسیر شریف میں اس آیت کے متعلق جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ بھی تحریر فرماویں تو بہت ہی اچھا ہو۔ (۲) الا انہم من افکھم لیقولون ولداللہ وانہم لکاذبون چونکہ بظاہر جملہ وانہم لکاذبون ماقبل سے بالکل منقطع ہے اور داخل قول نہیں لہذا وقف لازم ہے حالانکہ سجاوندی میں ”لا“ لکھا ہے تعجب ہے ہاں اگر قول کے نیچے داخل کریں اور خلاف سیاق ضمیر وانہم مرسلین کی طرف پھیریں تو مضائقہ نہیں مگر نہایت بعید معلوم ہوتا ہے اور منار الہدیٰ میں اس جگہ جائز لکھا ہے۔

الاجوبۃ۔ اول مکررہ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا کہ ابن عامر اور حمزہ نے قراء سبعہ میں سے انہا بفتح اُن اور لا تو منون بصیغہ خطاب پڑھا ہے تو اس صورت میں جملہ وما یشعر کم داخل مقولہ ہو سکتا ہے ویكون المعنی ما یشعر کم ای لا تعلمون بل یعلم اللہ تعالیٰ انہا اذا جاءت لا تؤمنون۔ پس ممکن ہے سجاوندی کی یہی قرأت ہو اور بقیہ قرأت پر بھی ایک توجیہ یہ ہو سکتی ہے کہ قل کا مقول لہ کفار نہ ہوں بلکہ کفار کی قسم سکر جن مسلمانوں کو ان کے ایمان کی طمع اور اس طمع سے تمنا ظہور آیات کی پیدا ہو گئی تھی اُن کو دونوں جملوں سے یعنی انما الایات سے بھی اور وما یشعر کم سے بھی فہمائش کی گئی ہو اور کفار کو بوجہ ان کے معاند ہونے کے قابل خطاب نہ قرار دیا گیا۔ واللہ اعلم۔

دوم اس وقت اور بھی چند مواقع یاد آئے کہ جہاں کفار کا قول نقل کر کے اس کو رد کیا ہے اور دونوں کے درمیان وقف لازم نہیں ہے سو اس میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اگر اصل سے عدول کسی نکتہ

(۱) اصل کتاب میں یہ عنوان لکھا ہوا ہے الاسئلۃ الموصولۃ من بعض الاخلاء الاجلۃ۔ مد فیو ضہم ۱۲

۔ المراد سی سیدنا الخلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام ۱۲ منہ

خاصہ کی وجہ سے ہو تو مضائقہ نہیں اور یہاں اصل وقف ہی تھا مگر نکتہ کی وجہ سے عدول کیا گیا اور وہ نکتہ وہی ہو جو شاید جناب نے ایک بار فرمایا تھا کہ تعجیل تنزیہ حق و تعجیل ابطال باطل مقصود ہے۔ واللہ اعلم۔ علاوہ اس کے یہ اوقاف اجتہادی ہیں والا اجتہاد تکتمل الخطاء والصواب۔ اور یہ (۱) بھی کہا جاسکتا ہے کہ وقف لازم وہاں ہوگا جہاں وقف نہ کرنا موہم خلاف مقصود ہو اور یہاں قرینہ عقلیہ اس ایہام کا قاطع ہے۔ کیونکہ عقل اس پر دلالت کرتی ہے کہ ایک ہی شخص ایک امر کا دعویٰ کرے اور خود ہی ساتھ ساتھ تصریحاً والتزاماً اس کا ابطال کرے یہ عادی ممتنع ہے۔ پس یہاں وانہم لکاذبون میں ضمیر تو یقیناً ان ہی قائلین کی طرف ہے۔ پس بنا مذکور پر یہ ممتنع ہے کہ وہ لوگ ولد اللہ بھی کہیں اور اپنے کو اس میں کاذب بھی کہیں۔ علیٰ ہذا آیہ وقالوا اتخذ اللہ ولداً سبخنہ میں بناء مذکور پر یہ ممتنع ہے کہ وہ لوگ اتخذ اللہ ولداً بھی کہیں اور تنزیہ بھی کریں۔ پس چونکہ ایہام خلاف مقصود کا نہ تھا۔ لہذا ان مواقع پر وقف لازم نہ ہوا۔ واللہ اعلم۔

۴ شوال ۱۳۲۶ھ (تمتہ اولیٰ ص ۴۲)

جواب شبہ بر عبارت رسالہ الامداد در بارہ ضرورت سبۃ قرأت

سوال (۲۵۳) رسالہ الامداد ماہ ربیع الثانی ۱۳۳۶ھ کے صفحہ ۱۷ کے مضمون کو جو آنحضور نے ایک سوال کے جواب میں تحریر فرمایا ہے پیش کر کے ایک صاحب بہت معترض ہوئے کہ لو تم کہتے ہو کہ فن سبۃ قرأت کا سیکھنا فرض کفایہ ہے اور سب لوگوں کو کم و بیش ضرور سیکھنا چاہئے تاکہ اس علم دین کے فقدان و انعدام کا گناہ سب پر نہ ہو میں نے ان کو جواب دیا ہے مگر ان کے نزدیک جواب اس درجہ کا نہیں ہے کہ قابل اطمینان سمجھا جاوے احقر کو بھی اس مضمون کے دیکھنے سے ایک درجے میں یہ شبہ ہوتا ہے کہ جب یہ علم دین ہے خاص کر قرآن پاک کا علم ہے جب عوام کی تشویش کے خیال سے اس کو ترک کیا جائے گا تو پھر یہ کیونکر قائم و رائج ہو سکتا ہے یہاں مجمع کثیر اہل علم کا ہے مگر وجہ ناواقفی ہی استعجاب تو درکنار اکثر استہزاء و انکار ہی کیا جاتا ہے تو پھر کیونکر اس کی بقاء و اجراء کا طریقہ اختیار کیا جائے مثلاً بعض مقام پر تشہد میں اشارہ سباً بہ کو بہت برا سمجھتے ہیں تو ان کی اصلاح کی جاتی ہے اور اور اس کو مسنون ہی ظاہر کیا جاتا ہے۔ رہا اس جواب کے سوال میں جو خرابیاں ظاہر کی گئی ہیں بیشک وہ ضرور واجب الاصلاح ہیں نہ یہ کہ اس کی

(۱) اور نیز غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وقف لازم میں ایہام کفر سے بچنے کا اعتبار کیا گیا ہے۔ سو اگر کفار کوئی بات ایمان کی کہیں تو یہ کفر نہیں اس لئے ایسے مقام پر وقف لازم کا التزام نہیں کیا گیا ۱۲ منہ

تعلیم و تعلم کا سلسلہ ہی محذور قرار دیا جائے۔ قریب قریب ان معترض کے اعتراضوں کا یہی ماحصل ہے احقر اپنے کمال اطمینان قلبی کے لئے یہ عریضہ ارسال کر رہا ہے۔؟

الجواب۔ سائل کے کلام میں صریح مشورہ ہے اور جواب میں اس کی تقریر بھی کی گئی ہے کہ اگر کوئی لکھا پڑھا آدمی حرف بھی اس کا اچھا ہو تو اس کو سب سے پڑھائی جاوے سفہاء اور تنگ خیال لوگوں کو فقط تجوید پڑھائی جاوے الخ اور یہی حال اکثر فروض کفایہ کا ہے مثلاً تبحر فی العلوم الشرعیہ کہ فرض کفایہ ہے لیکن اس کے ساتھ یہ حدیث بھی ہے کہ واضع العلم فی غیر اہلہ کم قلد الخنازیر لواء لوو الجواہر او کما قال۔ اور مشاہدہ بھی ہے کہ بعض لوگ جو بد طینت ہیں اور تحصیل علوم کر کے مقتداء بن گئے ان سے کیا کیا مفاسد پیدا ہو گئے ہیں اور ان مفاسد کا انسداد بجز اس کے کیا ہے کہ نا اہلوں کو اس رتبہ پر نہ پہنچایا جاوے یا منصب قضاء کہ احادیث میں اس پر کس قدر وعیدیں آئی ہیں باوجودیکہ فرض کفایہ ہے۔ وفی حدیث ابی داؤد مرفوعاً العرافۃ حق (ای واجب ولو علی الکفایۃ) ولكن العرفاء فی النار (اذا کانوا غیر اہل لہا) اور جو لوگ اس فن کے آج کل مخالف ہیں وہ تو نفس فن ہی کو فضول بتلاتے ہیں ہر ایک کے لئے حتیٰ کہ اہل فہم کے لئے بھی اور ہر شعبہ کو حتیٰ کہ تجوید کو بھی فشتان بینہما غرض منکرین مدعی دو کلیہ کے ہیں اور اس جواب میں التزام کیا گیا ہے دو جزئیہ کا اور ظاہر ہے کہ جزئیہ مستلزم کلیہ کو نہیں ہوتا اور سب سے کی فرضیت عامہ کا دعویٰ کیسے کیا جاسکتا ہے جبکہ خود ایک قرأت سے بھی اتمام قرآن کا فرض عین نہیں اور یہ ظاہر ہے۔ سوال ۳۶ (تمہ خامہ ص ۶۷)

قرآن میں لفظ ابراہیم میں (یا) نہ لکھنے کی وجہ

سوال (۲۵۴) قرآن شریف فرقان حمید میں سورۃ بقرہ میں جتنی جگہ لفظ ابراہیم آیا ہے اس میں (ی) نہیں لکھا ہوا ہے صرف کھڑا زیر (ابراہیم) دیا ہوا ہے اور علاوہ سورۃ بقرہ کے جس قدر تمام قرآن میں لفظ ابراہیم آیا ہے اس میں (ی) لکھا ہوا ہے عجب مخمضے میں ہوں آیا معنی میں کچھ تفاوت ہے یا قرأت کا باعث ہے۔ امید کہ اس خادم الناس کو جواب سے سرفراز فرما کر ان کے بھید سے آگاہ فرمائے۔؟

الجواب۔ مخمضہ کی کوئی بات نہیں بعض مواقع میں ہشام کی قرأت ابراہام ہے سو بعض جگہ اس کی رعایت سے (ی) نہیں لکھی کہ دونوں قرأت کی رعایت ہو جاوے۔ رہا یہ کہ سب مواقع میں یہ رعایت کیوں نہیں سو نکتہ کا اطراد ضروری نہیں۔ فقط ۱۹ رمضان ۱۳۲۲ (تمہ اولیٰ ص ۴۴)

سوال (۲۵۵) بندہ کو اکثر کلام مجید کی تلاوت کرتے خیال ہوا اور ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا اسم مبارک تمام کلام مجید میں ۱۷۷ جگہ پر آیا ہے منجملہ ۱۷۷ کے ۷ مقام پر زیر کے ساتھ مرقوم ہے اور ۱۷۰ جگہ یا کے ساتھ ابتداء میں خیال ہوا کہ کاتب نے اسی طرح لکھا۔ دس پانچ کلام مجید اور بھی دیکھے سب میں اسی طرح پایا۔ اب حیران ہوں کہ ضرور اس کی وجہ خاص ہوگی۔؟

الجواب۔ رسم خط سلف سے یوں ہی چلی آتی ہے جہاں (یا) نہیں ہے بعض کی قرأت ابراہام ہے عجب نہیں کہ اس کی رعایت سے ابراہیم لکھا ہوتا کہ دونوں طرح پڑھ سکیں ابراہیم اور ابراہم۔ واللہ اعلم۔ ۱۱ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۱ھ (تمہ ثانیہ ص ۲۷)

سورۃ نور میں رجال لا تلہیہم کے رجال پر وقف کی تحقیق

سوال (۲۵۶) سورۃ نور رکوع پنجم یسبح لہ فیہا بالغدو والاصال تا ذکر اللہ۔ ایک شخص نے لکھا ہے کہ رجال کے بعد سجاوندی نے وقف ط لکھا ہے۔ اور اکثر قرآن شریف مطبوعہ میں (لا) بنا ہے یہ غلط ہے ابو بکر وغیرہ جو لوگ یسبح بصیغہ مجہول پڑھتے ہیں ان کے نزدیک الاصال پر ط ہونا چاہئے اور رجال پر لا اور جو معروف پڑھتے ہیں ان کے نزدیک رجال پر ط ہونا چاہئے اور الاصال پر لا حفص کی قراءت میں رجال پر لا لکھنا غلط اور سہو کاتب ہے میں کہتا ہوں کہ اکثر قرآن شریف میں رجال پر لا لکھا ہے اور بعض میں کچھ نہیں جو قریب المعنی ہے لا کے اور تبادر معنی بھی مشعر ہے کہ رجال پر حفظ کے لئے بھی وقف قبیح ہو جس کی علامت لا ہے اس لئے کہ جملہ لا تلہیہم صفت ہے لہذا رجال پر وقف کرنے سے فصل بین الموصوف والصفات ہوگا جو قبیح ہے اور آیت بھی نہیں ہے بس رجال پر ط بنانا مناسب ہے یا لا بہر حال تمام قرآن شریف مطبوعہ کا اتفاق موافق قیاس کے معتبر ہوگا اور رسالہ سجاوندی میں رجال پر وقف مطلق سہو کاتب یا اختلاف نسخہ وغیرہ کا محمول ہوگا یا رسالہ سجاوندی معتبر ہوگا۔؟

الجواب۔ میرے نزدیک دونوں توجیہ صحیح ہو سکتی ہیں مشہور مصاحف کی تقدیر پر تو ظاہر ہے اور سجاوندی کی تقدیر پر اس طرح کہ رجال کو موصوف نہ کہا جاوے بلکہ بمعنی بعض کے لیکر کلام کو ختم کر دیا جائے۔ آگے جملہ استینافیہ بطور سوال کے کہا جاوے کہ وہ رجال کیسے ہیں ایسے ہیں۔
فارفع الاشکال۔ ۱۲ رذی الحجہ ۱۳۲۹ھ یوم دوشنبہ (تمہ اولیٰ ص ۴۵)

سورۃ یسین شریف میں مرقداً پر وقف لازم صحیح ہے یا سکتہ

سوال (۲۵۷) سورۃ یسین میں من مرقداً پر اکثر قرآن شریف میں وقف لازم وغیرہ لکھا ہے اور حفصؓ سے سکتہ منقول ہے تو سکتہ لکھنا صحیح ہے یا وقف لازم بصورت اختلاف رسالہء سجاوندی اور منار الہدیٰ کون زیادہ قابل اعتبار ہے۔؟

الجواب۔ میرے نزدیک دونوں میں تعارض نہیں کیونکہ وقف لازم کا حاصل یہ ہے کہ وہاں فصل ہونا چاہئے بوجہ اسکے کہ وصل سے ایہام فساد معنی ہوتا ہے اور یہ غرض سکتہ سے بھی حاصل ہو جاتی ہے پس وقف باعتبار قطع نفس کے ضروری نہ ہوگا اس طور پر تعارض نہ رہا۔
۱۳/ ذی الحجہ ۱۳۲۹ھ (تمتہء اولیٰ ص ۴۵)

فکانت سرابا میں ادغام کی تحقیق

سوال (۲۵۸) فکانت سرابا۔ اس آیت شریفہ کی قرأت کس طرح پر ہے یعنی فکانت کی ت ساکن رہتی ہے یا نہیں یا سین مشدد ہوتی ہے اور ت موقوف ہو جاتی ہے۔؟
الجواب۔ ابو عمرو و حمزہ و کسائی کے نزدیک ت کانت کی ت سرابا میں مدغم کر کے پڑھی جاتی ہے اور باقی ائمہ کے نزدیک جن میں امام عاصم بھی ہیں جن کی قرأت ہندوستان میں پڑھی جاتی ہے بلا ادغام پڑھی جاتی ہے۔ کذا فی المکررہ۔ ۲۴ ربیع الاول ۱۳۳۰ھ (تمتہء اولیٰ ص ۴۶)

جواب شبہ بر عبارت تنشیط الطبع و وجوہ المثنائی
در بارہ مد در حرف لین کہ ماقبل او مفتوح باشد

سوال (۲۵۹) رسالہ تنشیط الطبع و وجوہ المثنائی کے متعلق ایک طالب علم کی یہ تحریر آئی کہ تنشیط الطبع اور وجوہ المثنائی میں مجھے کچھ شبہ ہے وہ یہ کہ تنشیط الطبع ص ۷ یائی مقدم اور لین موخر کے بیان میں یہ لکھا ہے کہ یائی میں فتح ہو تو لین میں طول ہوگا حالانکہ غیث النفع ص ۵۱ پر وعسی ان تکر ہوا شئیا کے تحت میں یوں لکھا ہے (یأتی علی الفتح فی عسی التوسط والطویل فی شئی ویأتیان ایضاً علی التقلیل) اور وجوہ المثنائی ص ۶۸ باب الهمزین من کلمة میں یہ لکھا ہے ہمزہ اول مفتوح ہو اور ثانی مکسور ہو تو قالون و بصری کیلئے ادخال الف ہوگا حالانکہ شاطبیؒ نے ہشام کے لئے بھی خلف کے ساتھ لکھا ہے جیسے کہ

ومدك قبل الفتح والكسرحجة بهالذ و قبل الكسر خلف له ولا

فرمایا ہے شرح ابن القاصح ص ۶۱۔ فقط

الجواب۔ یہ دیا گیا کتاب مقدم ہے یا ویاسر سری مطالعہ پر دونوں مقام کی اصلاح مسلم ہے اگر کوئی صاحب ان رسالوں کو پھر چھاپیں وہاں حاشیہ پر متنبہ کر دیں اور مطلب غیث النفع کا تو ظاہر ہے اور شاطبیہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر ہمزہ ثانیہ مفتوحہ یا مکسورہ ہو تو بصری و قالون و ہشام جن کے ناموں کی طرف حا و با و لام سے اشارہ کیا گیا ہے اسکے اور ہمزہ اولیٰ کے درمیان میں بقدر ایک الف کے مد کرتی ہیں مگر ہشام سے خاص ہمزہ ثانیہ مکسورہ کی صورت میں ترک مد بھی مروی ہے۔ ۲/ رجب یوم جمعہ ۳۳۳ھ (ترجیع رابع ص ۷۷)

تحقیق شبہ نقص حسنات بر بعض قرأت

سوال (۲۶۰) فلاں مولوی صاحب نے اپنی کتاب میں بھی لکھا ہے اور وعظ میں بھی فرمایا ہے کہ ابو عبد اللہ محمد ابن شجاع نجی سے منقول ہے کہ فرماتے ہیں کہ میری عادت الحمد شریف پڑھنے میں مالک یوم الدین والی قرأت پڑھنے کی تھی ایک دن میں نے ایک بڑے عربی داں ادیب فاضل عالم سے سنا کہ وہ ملک یوم الدین بے الف والی قرأت پڑھتے تھے اور یہ فرماتے تھے کہ یہ بے الف والی قرأت نہایت فصیح بلیغ قرأت ہے اس دن سے میں بھی ملک یوم الدین پڑھنے لگا وہ قرأت جس میں ایک الف زیادہ تھا موقوف کردی ایک رات خواب میں دیکھا کہ ہاتھ غیب مجھے پکارتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ اے بندے تو نے ایک حرف قرآن شریف کا کیوں چھوڑا دس نیکیاں تیری کم ہو گئیں کیا تو نے فرمان عالی شان جناب سید المرسلین ﷺ کا نہیں سنا ہے کہ قرآن مجید پڑھنے والے کو ہر حرف کے بدلے دس دس نیکیاں ملتی ہیں اس سے معلوم ہوا کہ وہ قرأت جس میں ملک یوم الدین ہے نہیں پڑھنی چاہئے کیوں اپنی دس نیکیاں کم کرے۔ یہ کہاں تک صحیح ہے۔ اگر واقعی کم ہوں تو اس کو پڑھنا چاہئے یا نہیں۔ دوسری گزارش یہ ہے کہ قل هو اللہ احد کو اللہ الصمد سے ملا کر اگر پڑھے یا نستعین کو اهدنا الصراط سے پڑھے یعنی وصل کر کے پڑھے تو نیکیاں کم ہوں گی بوجہ ہمزہ گرنے کے دونوں جگہ سے یا نہیں؟

الجواب۔ قرأتیں ساتوں متواتر اور منقول عن النبی ﷺ ہیں منقول کے اتباع میں کسی قسم کا نقصان نہیں ہوتا حدیث میں احرف قرآنیہ کے باب میں ہے کلھا شاف شاف رہا شبہ

نقص ثواب بنقص بناء علی الحدیث سو نقص فی الکلم سے نقص فی الکلیف لازم نہیں آتا کیا معلوم نہیں کہ ایک دونی باوجود دو اکنی سے ناقص فی العدد ہونے کے کیف و کمیت میں برابر ہیں۔ رہا خواب سواول تو وہ حجت نہیں۔ دوسرے ان کو تنبیہ اس لئے کی گئی کہ ایک قرأت کو مفضول سمجھ کر انہوں نے چھوڑا تھا سوایک اعتبار سے اس کا فاضل ہونا بتلا دیا۔ رہا وصل میں ہمزہ وصل کا کم ہو جانا سواول تو اس کا وہی جواب ہے جو ابھی لکھا گیا۔ دوسرے ممکن ہے کہ وہ حکماً ملفوظ ہونے کے سبب مکتوب الاجر ہو۔ واللہ اعلم۔ اشرف علی ۴ ر شوال ۱۳۵۵ھ تہتمہ خامسہ ص ۳۴

رسالہ ضیاء الشمس فی اداء الهمس

از قاری محمد یامین صاحب مدرس تجوید مدرسہ امداد العلوم تھانہ بھون

کیفیت اداء ہمس درتاوکاف

سوال (۲۶۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و قراء قرآن مبین اس مسئلہ میں کہ حرف کاف و تا جو حروف مہوسہ سے ہیں ان کی صفت ہمس کے کیا معنی ہیں اور کس طرح ادا کی جاتی ہے۔ ایک صاحب فرماتے ہیں کہ کاف و تا کی صفت ہمس کسی کو ادا کرنی نہیں آتی اور وہ خود اس طرح ادا کرتے ہیں کہ کاف و تا ساکن و متحرک میں ہاء ہوز کی آواز سنائی دیتی ہے آیا یہ آواز صحیح ہے یا نہیں نیز وہ صاحب اپنی کیفیت اداء کی تائید میں کتاب جہد المقل کی عبارت ذیل پیش کرتے ہیں۔

واما الشدید المہموس فہی حرفان الکاف والتاء المثناة الفوقیة فلشد تہما یحتبس صوتہما بالکلیة بل نفسہما ایضاً حین احتباس صوتہما لان احتباس الصوت بالکلیة لایکون الا باحتباس النفس بالکلیة لان حقیقة الصوت ہی النفس ثم ینفتح مخرجاہما و یجری فیہما نفس کثیر مع صوت ضعیف لیحصل الهمس ۵۔ آیا اس عبارت سے ان صاحب کی اداء کی تائید ہوتی ہے یا نہیں اگر ہوتی ہے تو یہ قول قابل عمل ہے یا نہیں۔ بینوا تو جروا۔؟

الجواب۔ ہمس مقابل ہے جہر کا۔ جہر لغت میں آواز قوی و بلند کو کہتے ہیں اور ہمس آواز ضعیف و خفی کو کہتے ہیں اور اصطلاح قراء میں یہ دس حروف جن کا مجموعہ فحشہ شخص سکت ہے حروف ہمس اور مہوسہ کہلاتے ہیں کیونکہ ان حروف کے ادا کرتے وقت آواز انکے مخرج میں ایسے ضعف کے ساتھ ٹھہرتی ہے کہ سانس جاری رہتا ہے اور آواز ضعیف و خفی ہوتی ہے اسی سے جہر کی تعریف اور حروف بھی مقابلہ معلوم ہو گئے۔

كما قال العلامة على القارى الهمس فى اللغة الخفاء وسميت حروفه مهموسة بجريان النفس معها لضعفها ولضعف الاعتماد عليها عند خروجها وضدها المجهورية اه منح الفكرية على متن الجزرية مطبوعه مصر ص ۲۰۔

اور حروف مہوسہ میں سے دو حروف کاف و تا، شدیدہ ہیں اور باقی رخوہ ہیں شدت کے معنی لغت قوت و سختی کے ہیں اور اصطلاحاً یہ آٹھ حروف جن کا مجموعہ اجد ک قطبت ہے حروف شدت اور شدیدہ کہلاتے ہیں کیونکہ ان کی اداء کے وقت آواز ان کے مخرج پر ایسی قوت کے ساتھ ٹھہرتی ہے کہ بند ہو جاتی ہے اور آواز میں قوت و سختی پیدا ہوتی ہے اور چونکہ شدت مقابل ہے رخوت کے لہذا شدت کے معنی لغوی و عرفی سے مقابلۂ رخوۃ کے معنی بھی معلوم ہو گئے اور علاوہ حروف شدیدہ مذکورہ اور پانچ حروف متوسط لن عمر کے باقی سولہ حروف رخوہ کہلاتے ہیں پس تمہید مذکور سے معلوم ہوا کہ کاف و تا، مہوسہ بھی ہیں اور شدیدہ بھی ہیں لیکن بناء بر تعریف مذکور ہمس و شدت کے اجتماع میں بظاہر اشکال وارد ہوتا ہے وہ یہ کہ ہمس کی تعریف میں ضعف اعتماد و صوت و جریان نفس مذکور ہے اور شدت کی تعریف میں قوت اعتماد و صوت اور احتباس صوت ماخوذ ہے حالانکہ یہ امور ایک دوسرے کے مخالف و ضد ہیں لیکن درحقیقت کچھ اشکال نہیں اس لئے کہ ہمس و جہر، شدت و رخوت کی تعریف میں جو قوت و ضعف اعتماد و صوت اور جریان و احتباس نفس و صوت کہا جاتا ہے یہ امور اضافی و اعتباری ہیں یعنی ہر ایک صفت میں اس کے مقابل صفت کی نسبت سے قوت و ضعف و جریان و احتباس پایا جاتا ہے پس کاف و تا، میں من حیث الہمس جو ضعف اعتماد و صوت اور جریان نفس ہے وہ باعتبار حروف مجبورہ کے ہے اور من حیث الشدت جو قوت اعتماد و صوت اور احتباس صوت ہے وہ حروف رخوہ کی نسبت سے ہے فارفع الاشکال۔ نیز ہر ایک صفت کے حروف میں باہم بھی قوت و ضعف و جریان و احتباس نفس و صوت کا تفاوت پایا جاتا ہے بوجہ دیگر صفات قویہ یا ضعیفہ کی آمیزش کے۔ پس کاف و تا، بہ نسبت صا و ضعیف ہیں کیونکہ صا و میں تین تین صفت قوی اطباق و استعلاء و صغیر موجود ہیں اور بہ نسبت تا، و حا و خا و سین و شین و فا و ہا قوی ہیں اور بہ نسبت دیگر حروف شدیدہ ضعیف و خفی الصوت ہیں مگر صفت شدت کی وجہ سے ان میں جریان نفس کمتر ہے بہ نسبت دیگر حروف مہوسہ کے لانه فی الشدة یوجد احتباس الصوت و احتباس الصوت یتلزم احتباس النفس كما فی جهد المقل۔ پس تقریر مذکور سے ثابت ہو گیا کہ کاف و تا، میں ہمس حقیقی یعنی ضعف و خفاء صوت تو بہر حیثیت پایا جاتا ہے مگر جریان نفس بخوبی نہیں ہوتا اور چونکہ بہ نسبت دیگر حروف مہوسہ ان میں جریان نفس

بہت کم ہوتا ہے اسی وجہ سے بعض علماء نے ان کے مہوسہ ہونے میں خلاف کیا ہے اور ان کو مجہورہ کہا ہے کیونکہ ایسے جریان نفس قلیل سے تو حروف مجہور بھی خالی نہیں چنانچہ ملا علی قاریؒ نے اس خلاف کو مخ الفکر یہ شرح جزریہ میں شافیہ ابن حاجب سے نقل کیا ہے نیز دیگر محققین فن تجوید و قرأت کے اقوال سے بھی یہ امر ظاہر ہوتا ہے کہ کاف و تاء میں جریان نفس بخوبی نہیں ہوتا۔ یا کم ہوتا ہے دیگر حروف مہوسہ سے چنانچہ حضرت مولانا قاری عبدالرحمن صاحب پانی پتی تحریر فرماتے ہیں ”لیکن جریان نفس در کاف و تاء خوب معلوم نمی شود گو ضعف صوت ہست“ لہذا بعض علماء در مہوسہ بودن اینہا خلاف کردہ اند آہ۔ تحفہ نذریہ مطبوعہ بلائی پریس ساڈھورہ ص ۱۹ حضرت قاری محمد علی خاں صاحب جلال آبادی تحریر فرماتے ہیں ”اما جریان نفس در کاف و تاء کمتر است و در بواقی اکمل آہ حجتہ القاری مطبوعہ محمود المطابع کانپور ص ۱۶“ نیز یہ بھی واضح ہو کہ قوت اعتماد یا ضعف اعتماد اور جہر الصوت یا خفی الصوت ہونا تو حروف میں ہر حال میں پایا جائے گا خواہ متحرک ہوں یا ساکن کیونکہ یہ امور صفات حروف کی تعریف میں منجملہ ذاتیات کے ہیں لیکن جریان یا احتباس نفس یا جریان یا احتباس صوت یہ امور منجملہ عرضیات کے ہیں کہ حالات سکون میں ان کا ظہور ہوتا ہے اور جب حروف متحرک ہوں تو جریان و احتباس نفس و صوت غایت درجہ خفا میں ہوتا ہے کما قال صاحب الرعاية ان جرى النفس في الهمس و حبس النفس في الجهر في الساكن زاید من المتحرك وفي الوقف أزيد من الساكن اه هكذا قال الجار بردی و ذکر الجار بردی ان جریان الصوت وعدم جریہ عند إسكان الحرف أبین منہما عند تحریکہ الخ پس کاف و تاء اگر متحرک ہوں گے تو چونکہ حرف کی ادائیگی انفتاح مخرج کے ساتھ ہوتی ہے لہذا انفتاح کی وجہ سے فی الجملہ صوت کا جریان ضرور ہوگا جب جریان صوت ہوگا تو اس کے ساتھ جریان نفس بھی ضرور ہوگا بموجب قاعدہ مسلمہ جریان الصوت يستلزم جریان النفس کذا فی الجہد مگر یہ جریان نفس اول تو بوجہ تحریک حرف کے دوسرے بوجہ صفت شدت قوی کے غایت درجہ خفا میں ہوتا ہے کہ خود قاری کو بھی اس کا پتہ نہیں لگتا بلکہ معدوم کہنا چاہئے جیسا کہ بقول بعض حروف قلقلہ سے بحالت حرکت بھی صفت قلقلہ منفک نہیں ہوتی اور نون و میم متحرک بھی صفت غنہ سے خالی نہیں مگر بوجہ عدم ظہور و غیر محسوس ہونے کے قلقلہ و غنہ کا عدم ہوتے ہیں اسی طرح کاف و تاء متحرک میں بھی گو جریان نفس ہوتا ہے مگر بوجہ عدم ظہور و غیر محسوس ہونے کے لایعبا بہ ہے یہ تفصیل تو کاف و تاء متحرک کے متعلق تھی اور اگر کاف و تاء، ساکن ہوں تو چونکہ حرف ساکن کی ادائیگی استقرار صوت و التصاق مخرج کے ساتھ

ہوتی ہے بالخصوص حروف شدیدہ میں کہ ان میں تصادم جسمین بالقوہ ہوتا ہے لہذا شدت اتصال جس میں کی وجہ سے جب صوت مختبس ہوگی تو نفس بھی ضرور مختبس ہوگا (کما ذکرہ صاحب الجہد) پس جب صوت و نفس دونوں بند ہو گئے تو جب تک مخرج کو جنبش نہ ہو تب تک کوئی حرف سنائی نہیں دے سکتا اسی لئے حرف شدیدہ میں سے حروف قطب جد میں بوجہ صفت جہر قوی کے بحالت سکون صفت قلقلہ یعنی مخرج میں جنبش قوت کے ساتھ رکھی گئی تاکہ آواز میں قوت جہر پیدا ہو اس قدر کہ سامع قریب بھی محسوس کر سکے لان ادنی الجہر إسماع الغیر (مگر ہمزہ کو اکثر نے قلقلہ سے خارج کیا ہے و توجیہہ مذکور فی المطولات) اور دو حرف کاف و تاء ساکن میں بوجہ صفت ہمس ضعیف کے جنبش نہایت ضعف و نرمی کے ساتھ رکھی گئی تاکہ آواز میں ضعف و خفاء قائم رہے اس قدر کہ خود قاری اس کو محسوس کر سکے لان ادنی المخافۃ إسماع نفسہ مگر اس جنبش ضعیف سے کہ (صفت ہمس کے اداء کی غرض سے کی جاتی ہے) جو نفس جاری ہوتا ہے اس کے ساتھ کسی قسم کی صوت جاری نہ ہونا چاہئے کیونکہ ہمس کی تعریف میں جریان نفس ماخوذ ہے نہ کہ جریان صوت اور نفس اور صوت میں یہی فرق ہے کہ ہوا خارج از داخل انسان اگر مسموع ہو تو صوت ہے اور اگر غیر مسموع ہو تو نفس ہے۔

کما قال صاحب الجہد المقل اعلم ان النفس الذی هو الهواء الخارج من داخل الانسان ان کان مسموعاً فهو صوت والا فلا انتھی ص ۲۷ وقال مؤلف حقيقة التجوید فی رسالته المذكورة فالتنفس یوجد فی کل صوت و لا یوجد صوت فی کل تنفس بل بعضہ مع إرادة و اذا خرج الحرف من فم الانسان بغیر إرادته فلا یطلق علیہ الحرف و لا یراد منه المعنی فالصوت علی قسمین جہری و خفی و الجہری ما یسمعه الغیر و الخفی ما یسمعه النفس کما قال الفقہاء و ادنی الجہر ما یسمعه الغیر و ادنی المخافۃ ما یسمعه النفس فی القراءة و الطلاق و العتاق و البیع و الاستثناء و التسمیۃ علی الذبح و وجوب السجدة بتلاوة اية السجدة و غیرها والمراد من الادنی حد الجہر و الخفی اھ۔ ص ۱۲

پس خلاصہ تقریر مذکور کا یہ ہوا کہ اول تو کاف و تاء میں مطلقاً خواہ متحرک ہوں خواہ ساکن جریان نفس بخوبی نہیں ہوتا اور دیگر حروف مہوسہ سے بہت کم ہوتا ہے اور بالخصوص متحرک میں ساکن سے بھی کم ہوتا ہے جیسا کہ دلائل و شواہد اقوال محققین سے ثابت کیا گیا۔ دوسرے صفت ہمس کے اداء کی غرض سے کاف و تاء متحرک میں انفتاح مخرج کے ساتھ اور ساکن میں

جنبش ضعیف و خفی کے ساتھ جو کچھ نفس کا جریان ہوتا بھی ہے اس کے صوت کا جاری ہونا ضروری بھی نہیں کیونکہ نفس عام ہے اور صوت خاص اور عام کے تحقق کے ساتھ خاص کا تحقق لازم نہیں۔

نیز صوت کا جاری کرنا درست بھی نہیں نہ عقلاً نہ نقلاً اس وجہ سے کہ اگر صوت جاری کی جاوے گی تو کاف و تاشدیدہ نہ رہیں گے بلکہ رخوہ ہو جائیں گے کیونکہ جریان صوت رخوہ میں ہوتا ہے نہ کہ شدیدہ میں اور یہ بات ادنیٰ تا مل سے ظاہر ہوتی ہے کہ جو شدت باری اور جاری کے با اور جیم میں ہے وہ بھاری اور جھاری کے با اور جیم میں نہیں ہو سکتی۔ اسی قیاس میں جو شدت کا نا اور تانا کے کاف و تا میں ہے وہ کھانا اور تھانا کے کاف و تا میں نہیں پائی جاتی تو ایک صفت ہمس جو مختلف فیہ ہے اس کے ادا کرنے کی وجہ سے صفت شدت جو کہ متفق علیہ ہے مفقود ہو جاوے گی اور یہ جائز نہیں۔ اور نقلاً اس وجہ سے کہ امام جزریؒ سے کتاب النشر فی القراءات العشر میں اور ملا علی قاری سے مخ الفکر یہ علی متن الجزریہ میں اس کا عدم جواز و غلط ہونا ثابت ہوتا ہے چنانچہ کتاب النشر فی القراءات العشر میں ہے۔

والتاء يتحفظ بما فيها من الشدة والهمس لئلا يصير رخوة كما ينطق بعض الناس والكاف فليعن بما فيها من الشدة والهمس لئلا يذهب الى الكاف الصماء الثابتة في بعض لغات العجم فان ذلك غير جائز في لغات العرب وليحذر من إجراء الصوت معها كما يفعله بعض الأعاجم۔

اس سے صاف طور پر ثابت ہو گیا کہ اجراء صوت اداء اعاجم ہے جو کہ ممنوع و قابل احتراز ہے نیز ملا علی قاری مخ الفکر یہ علی متن الجزریہ ص ۲۰ میں فرماتے ہیں۔

ثم إن النفس الخارج الذي هو صفت حرف ان تكيف كله بكيفية الصوت حتى يحصل صوت قوى كان الحرف مجهوراً وان بقي بعضه بلا صوت يجرى مع الحرف كان الحرف مهموساً وايضاً وان انحصر الصوت في مخرجه انحصاراً تاماً فلا يجرى جرياناً سهلاً يسمى شديداً او ما اذا جرى جرياناً تاماً ولا ينحصر اصلاً يسمى رخوة۔

اس عبارت سے بھی ثابت ہو گیا کہ مہموس من حیث ہو مہموس میں نفس بلا صوت یعنی غیر مسموع کا جریان ہوتا ہے اور فلا یجرى جرياناً سهلاً سے شدیدہ میں جریان صوت ضعیف کی بھی نفی ہو گئی پس چونکہ جہد المقل کی عبارت مذکورہ فی السؤال کا مفہوم بظاہر معارض ہے کتاب النشر فی القراءات العشر اور مخ الفکر یہ کی عبارات مذکورہ کے لہذا امام جزریؒ اور ملا علی قاری کے مقابل

صاحب جہد المقل کے قول کا اعتبار نہ کیا جاوے گا۔ علاوہ ازیں جہد المقل کی عبارت میں کاف و تا متحرک مراد ہے ساکن یا مطلقاً متحرک تو مراد ہو ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ اول تو خود جہد المقل کی عبارت ص ۶۰ میں حاصلہ انہما ناقصان عند تحریک الحرف اس کے معارض ہے۔ دوسرے یہ کہ حرکت خود الافتاح مخرج سے پیدا ہوتی ہے پھر ثم ینفتح کے کوئی معنی نہیں بنتے۔ اور اسی سے مطلق کی بھی نفی ہوگئی کیونکہ متحرک کو بھی شامل ہے پس لامحالہ مراد جہد المقل کی عبارت مذکورہ کاف و تا ساکن ہے پس اگر جہد المقل کی عبارت کے موافق تلفظ کیا جاوے تو کاف و تا ساکن کے بعد صوت جاری رکھنا چاہئے۔ کیونکہ حرف ثم تعقیب و تراخی کے لئے ہے اب اگر یہ صوت کسی حرف کی ہے تو زیادتی فی القرآن لازم آئے گی۔ اور اگر صوت مسموع غیر حرفی ہے تو اس کا عدم جواز اداء اعاجم ہونا نشرو مخ سے ثابت ہو گیا۔ پس حکم یہ ہے کہ اگر صوت حرفی پیدا ہو تو لحن جلی ہوگا۔ اور اگر غیر حرفی ہو تو لحن خفی ہوگا۔ اور اگر جری صوت کا وہم و شبہ ہو تو یہ ادا مطابق اداء محققین کے ہے اور یہی ہونا چاہئے۔ اور غالباً مراد جہد المقل کی یہی ہے۔ لہذا اکثر جگہ ان کے کلام کی تاویل کرنا پڑے گی۔ اور پایہ کہا جاوے کہ ان پر عجمیت غالب تھی۔ اور اس مقام پر اور نیز دیگر مقامات پر جہاں کہیں جریان نفس کثیر و صوت ضعیف کہا ہے یہ توجیہ ہو سکتی ہے کہ مراد جہد المقل کی جریان نفس کثیر سے کثیر بہ نسبت حروف مجہورہ کے ہے۔ گو دیگر حروف مہموسہ کے اعتبار سے قلیل ہو اور مراد صوت ضعیف سے صوت خفی غیر مسموع ہے۔ لان أدنی المخافة هو إسماع نفسه تو اس توجیہ پر جہد المقل کی عبارت سے یہ صوت مخصوص یعنی کاف و تا مخلوط بہاء ہوز بھی ثابت نہ ہوئی، پس کاف و تا کے جریان نفس میں اس قدر مبالغہ کرنا جس سے ہا، ہوز کی یا کسی اور حرف کی آواز پیدا ہو (جیسا کہ بعض سین مہملہ کی اور بعض تاء مثلثہ کی آواز نکالتے ہیں) اور حروف عربی مخلوط التلفظ حروف عجمی ہو جاویں کا نا کو کھانا اور ابتر کو ابتر پڑہنا نقلت کو نقلتھ اور ذکوک کو ذکر کھ پڑہنا۔ اس طرح کی صفت ہمیں ادا کرنا بالکل غلط و بے اصل ہے نہ کسی ماہر و محقق قاری سے سنا۔ نہ محققین کی کتب معتبرہ میں اس کا ذکر ہے۔ البتہ بعض اعاجم مثل اہل خراسان و ترکستان و ایران یا بعض اعراب عرب مثل اہل نجد و یمن وغیرہ سے اس قسم کی ادا سنی ہے۔ اور کتب ائمہ فن مثل شیخ جزری و ملا علی قاری سے اس قسم کی اداء کی تعلیط ثابت ہوتی ہے کما ذکر۔ اس قسم کی اداء مخترع و بے اصل سے تو ان بعض علماء کے قول پر عمل کرنا بہتر ہے جو کہ کاف و تا کو مجہورہ کہتے ہیں۔ نیز دیگر محققین قراء کے اقوال سے بھی اس قسم کی ادا کا غلط ہونا ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت مولانا قاری عبدالرحمن صاحب پانی پتی تحفہ نذریہ میں تحریر فرماتے

ہیں ”و پیدا ماد کہ در مقامہ صفات حروف چناں فساد بر پا کردہ کہ اگر بطور قواعد مختصرہ او کلام اللہ خواندہ شود ضرور است کہ کلام اللہ محرف گردد چہ می گوید دروقف مہوسہ بعد سکون تاء و کاف آواز دیگر پیدا شد چوں معنی ایں قول از تلامذہ او پرسیدند گفتند کہ در لفظ خُلِقْتُ خُلِقْتُس باید گفت یعنی بعد سکون تاء آواز سین ساکن باید بر آورد کہ اجتماع ساکنین شود بدون آں صفت ہمس حاصل نمی شود بچنین در کاف ساکن دروقف بعد سکون کاف یک سین ساکن بآواز خفیف باید گفت و بچنین در حروف قلقلہ و دیگر صفات فساد با اختراع کردہ تعلیم مردم ساختہ سبحان اللہ در عبارات کتب قرأت چہ غلط نمیی کرد و کدام علم شریف را بہ بچہل مرکب خود فاسد ساختہ انتہی بقدر الحاجت ص ۸ ”تحفہ نذریہ بلالی پرلیس ساڈھورہ۔ نیز رسالہ مذکورہ میں دوسرے مقام پر صفحہ ۳۲ میں فرماتے ہیں کاف را احتیاط کند تا کاف فارسی کہ آں را کاف صماء گویند نگر دو خصوصاً وقتے کہ مکرر باشد مانند بشر ککم و ما قبل مہموسہ آید مانند تستکثروا بسیار احتیاط کند کہ صوت در اں جاری نہ شود چنانچہ لغت بعضی عجیانت آہ حضرت قاری محمد علی صاحب جلال آبادی حجتہ القاری مطبوعہ محمود المطالع کان پور ص ۳۵ میں فرماتے ہیں کاف با کاف فارسی نیامیز دوہائے ہوز ہم درو پیدا نشود خاصہ وقتے کہ پیش از حرف مہوسہ در آید نحو تستکثروا بچنین اگر مکرر باشد نحو بشر ککم آہ وقال العلامة الجزری فی مقدمتہ ۔

وراع شدة بكاف و بقاء کشر ککم و تتوفی فتننا

فقط واللہ تعالیٰ اعلم و علمہ اتم و احکم۔

کتبہ العبد المسکین محمد یامین عفی عنہ رب العالمین معلم التجوید فی مدرسۃ امداد العلوم تھانہ بھون اوائل صفر ۱۳۳۸ھ

جواب نہایت صحیح و مدلل اور متقدمین و متاخرین کی کتب و اداء کے مطابق ہے۔

عبدالرحمن المکی ثم الالہ بادی عفی عنہ

حضرت مولانا و مرشدنا تھانوی افاض اللہ تعالیٰ برکاتہم نے احقر کو یہ فتویٰ دکھلایا۔ احقر حرف بحرف اس جواب سے متفق ہے۔ احقر سے اکثر لوگوں نے اس قسم کے سوالات کئے تھے جن کے مختلف طور سے جوابات دئے گئے۔ جو بفضلہ تعالیٰ اس جواب میں مع شے زائد سب مضامین موجود ہیں احقر بوجہ عدم فرصتی و بے سامانی اس حد تک نہیں کر سکا۔ اس تکمیل سے نہایت مسرت ہے۔

کمترین خلاق عبد الوحید الہ آبادی عفا اللہ عنہ۔ خادم درجہ قرأت مدرسہ عالیہ دیوبند ضلع
سہارن پور۔

میں مدت سے ایسی تحقیق کا شائق تھا اس رسالہ کو دیکھ کر جوش مسرت میں یہ شعر بیساختہ
قلب میں آیا ۔

لہ الحمد ہر آں چیز کہ خاطر میخواست آخر آمد ز پس پردہ تقدیر پدید

جزی اللہ تعالیٰ مؤلفہا خیر الجزاء

اشرف علی ۷ ربیع الاول ۱۳۳۸ھ (تمہ خامسہ ص ۱۰۷)

ضمیمہ جمال القرآن نوشتہ قاری محمد یامین صاحب

جواب سوالات بر جمال القرآن

سوال (۲۶۲) نمبر ۱۔ جمال القرآن میں ایک مقام سمجھ میں نہیں آتا۔ معلوم نہیں مطبع
کی غلطی ہے یا سمجھ ناقص۔ خویدم کی ص ۲۳ و ۲۴ قاعدہ نمبر ۷ لسن بسطت اور احطت اور
فرطتم الم نخلقکم میں الخ ص ۲۷ تصحیح اول کے چار لفظوں میں ادغام نا تمام متعین اور
پانچویں الخ اس میں یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ صفحہ ۲۳ و ۲۴ پر کل صرف ۲ ہی لفظ ہیں۔ پس
چار اور پانچویں کا جو تصحیح میں ہے کیا مطلب ہوگا۔

سوال نمبر ۲۔ مخرج ض میں حافہ لسان کو مجموعہ بیسوں اضراس سے ملانا چاہئے یا
ضوا حک وطواحن و نواجد میں کسی ایک کے ساتھ تماس حافہ لسان کافی ہے۔

الجواب۔ جواب شبہ اول۔ صفحہ ۲۳ و ۲۴ قاعدہ نمبر ۷ میں غالباً مطبع کی غلطی سے
مافر طتم کے بعد اور ما فر طت رہ گیا ہے پس لفظ مذکور کو ملا کر چار لفظ ہو گئے کہ ان میں ادغام
نا تمام متعین ہے۔ اور الم نخلقکم پانچواں لفظ ہے کہ اس میں ادغام تام بہتر ہے۔

جواب شبہ دوم۔ ضاد کے مخرج میں حافہ لسان کو اوپر کی پانچوں ڈاڑھوں (ضاحک اور
ہر سہ طواحن اور ناجذد اہنی یا بائیں طرف) کی جڑوں سے ملانا چاہئے۔ صرف ایک دو کے ساتھ
ملانا کافی نہیں اور نیچے کے اضراس سے ملانا غلط ہے۔

جواب سوال متعلق قرأت ضعف بالضم واقعہ سورۃ روم^(۱)

از مولانا قاری عبدالسلام صاحب پانی پتی عباسی
سوال (۲۶۳) اما بعد سورۃ الروم کے اخیر کے رکوع میں من ضَعْفٍ کے ضاد کو ضمہ حفص کی روایت میں لکھا ہے امام عاصم اس ضاد کو فتح پڑھتے ہیں جبکہ حفص ان کے راوی ضمہ پڑھیں گے، تو ہر دو روایت کا خلط ملط ہو جاوے گا۔ اور خلط ملط ایک روایت کا دوسری روایت میں ناجائز ہے اگر ناجائز نہیں ہے تو مطلع فرمائیں۔

الجواب۔ امام حفص کی روایت اپنے استاد امام عاصم سے فتح ہے۔ اور دوسری روایت امام عاصم کے علاوہ ضمہ ہے تو گویا حفص ہر دو روایت ہے۔ اور یہ پڑھنا درست ہے۔ اس سے خلط روایت نہیں ہوتا۔

فان قلت هل يقرأ الحفص بهذا الاختيار لانه وان لم يروه عن عاصم فقد رواه عن غيره و ثبت قراءته به اولا يقرأ به لانه خالف شيخه و خرج عن طريقه و روايته قلت المشهور المعروف جواز القراءة به بذلك قال الذاني واختباري في رواية حفص منه طريق عمرو عبيد الاخذ بالوجهين بالفتح والضم فاتابع بذلك عاصما على قراءته ووافق به حفصاً على الاختيار وقال المحقق وبالوجهين قراءة له وبهما اخذ غيث النفع سورة روم (محمد عبدالسلام عباسی) (تتمہ ۵ ص ۳۶۷)

رسالہ التدقیق الجلی فی تحقیق النون الخفی

بسم الله الرحمن الرحيم

سوال (۲۶۴) الحمد لله الذي هو نعم الوكيل والصلوة والسلام على رسولہ النبی الجلیل والہ وصحبہ الذین ہم اولو البر والصبر الجمیل۔

(۱) فائدہ متعلقہ بحواب ہذا سورۃ روم میں جوتین جگہ لفظ ”ضعف“ واقع ہے اس کے ضاد کا حفص نے ضمہ اختیار کیا ہے حالانکہ عاصم کی قرأت فتح ہے اس پر یہ سوال ہوتا ہے کہ جب دونوں قرأت متواتر ہیں تو ایک کو ترجیح کی کیا وجہ ہے۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ ضمہ کو لغت قریش ہونے کی وجہ سے ترجیح ہو سکتی ہے۔ و فی المصباح الضعف بفتح الضاد فی لغت تمیم و بضمہا فی لغت قریش خلاف القوة والصحة (جمل سورۃ روم) کتبہ احقر عبدالکریم عفی عنہ۔ ۲۳ شعبان ۱۴۲۲ھ

اما بعد نون مخفی کی ادائیگی کتابوں سے جہاں تک پتہ چلتا ہے تقریباً نصف صدی سے اب تک قراء اس طرح سے ادا کرتے ہیں اور لکھتے چلے آ رہے ہیں کہ نون کا مخرج بالکل ادا نہ ہو صرف غنہ مابعد کے حرف سے مزوج ہو کر نکلے۔ جیسے اردو میں پنکھا جنگ و سنگ اور یہ ادا اتنی شائع ذائع ہوئی کہ عرب و عجم مہرہ و غیر مہرہ سب اس میں مبتلا ہو گئے حالانکہ اس ادائیگی میں اور ادغام ناقص کی ادائیگی مثل من یقول من وال کے کوئی فرق باقی نہیں رہتا۔ مجھے اس اداء اخفاء میں تحصیل تجوید کے ایام ہی سے برابر اشکال رہا۔ لیکن اللہ کریم کا صد لاکھ شکر کہ امام العصر وحید الدہر رئیس القراء استاذ الاساتذہ الحضرت شیخی و سیدی مولانا الحاج الحافظ المقری عبدالرحمن المکی الالہ آبادی مدظلہم العالی کو نہ معلوم کیسے توجہ ہوئی کہ یکا یک ایک مضمون ارتقام فرمایا کہ جس میں یہ ثابت کیا گیا کہ اداء اخفاء مروجہ (جو اس طرح ہوتی ہے کہ زبان کو ذرہ بھر دخل نہیں ہوتا۔ صرف صوت خیشومی مابعد کے حرف سے مل کر ادا ہوتی ہے) صحیح نہیں۔ بلکہ اس طرح ہونی چاہئے کہ نوک زبان نون ہی کے مخرج میں نہایت ضعف کے ساتھ لگے یعنی اتصال جس میں نہایت ہی ضعیف ہو۔ چنانچہ اس کا اثبات مع دلائل و علل فرما کر اس مضمون عالی کو اپنے اس ناچیز خادم کے پاس بھی ارسال فرمایا۔ وہ مضمون عالی بتمامہ نہایت ہی معمولی توضیح و تشریح اور مختصر تغیر لفظی کے ساتھ اور وہ بھی ملتقطاً حسب ذیل ہے۔

لا یقال لابد من عمل اللسان فی النون والشففتین فی المیم مطلقاً حتی فی حالة الإخفاء والإدغام بغنة وكذا للخیشوم عمل حتی فی حالة التحریك والإظهار فلم هذا التخصیص لانهم نظرو للأغلب فحكموا له بانہ المخرج فلما كان الأغلب فی حالة إخفائهما أو إدغامهما بغنة عمل الخیشوم جعلوا مخرجهما حينئذ وان عمل اللسان والشففتان ایضا ولما كان الأغلب فی حالة التحریك والإظهار عمل اللسان والشففتان جعلوا هما المخرج وان عمل الخیشوم حينئذ ایضا كما أفاده البعض عن العلامة الشبرا ملسی اور ان کے ارشد تلامذہ علامہ احمد میاٹی اپنی کتاب اتحاف فی القراءات الاربعہ عشر میں لکھتے ہیں۔ یجب علی القاری ان یحترز من المد عند إخفاء النون فی نحو ان کنتم وعند إلتیان بالغنة فی النون والمیم فی نحو ان الذین واما فداء وهو خطأ قبیح و تحریف و لیتحرز ایضا من إصاق اللسان فوق الثنایا علیا عند إخفاء النون فهو خطأ وطریق الخلاص منه ان تتجافی اللسان قلیلاً من ذلك الخ مع الاختصار اور

نہایت القول المفید میں ہے قال فی المرعشی يجب علی ان یحترز فی حالة إخفاء النون من ان یشبع الضمة والفتحة والكسرة ولیحترز ایضاً من المد عند الإتيان بالغنة فی النون والمیم فی نحو ان واما فان ذلك خطأ صریح و زیادة فی کلام الله تعالى ولیحترز ایضاً من إصاق اللسان فوق الشایا العلیا عند إخفاء النون فهو خطأ ایضاً و طریق الخلاص منه ان یجا فی اللسان قليلاً من ذلك انتهى مع الاختصار۔ اور امام جزری نشر فی القراءات العشر میں لکھتے ہیں المخرج السابع عشر وهو الغنة وهي تكون فی النون والمیم الساکنین حالة الإخفاء او ما فی خفا حکمه من الإدغام بالغنة فان مخرج هذین الحرفین یتحول فی هذه الحالة عن مخرجها الأصلی علی القول الصحیح كما یتحول مخرج حروف المدم من مخرجها الی الجوف علی الصواب۔ پھر آگے احکام النون الساکنہ والتنوین کی تنبیہات میں لکھتے ہیں الاول مخرج النون والتنوین مع حروف الإخفاء الخمسة عشر من الخیشوم فقط ولا حظاهما معهن فی الفم لا نه لا عمل للسان فیهما کعمله فیهما مع ما یتهران او یدغمان لغنة۔ اور ملا علی قاری منخ الفکر یہ میں لکھتے ہیں وان النون المخففة مرکبة من مخرج الذات ومن تحقق الصفة اور امام مکی کتاب الرعایہ میں لکھتے ہیں الإخفاء انما هو ان تخفی الحروف فی نفسه لا فی غیره والإدغام انما هو ان تدغم الحروف فی غیره لا فی نفسه فتقول خفیف النون عند السین واخفیت النون عند السین ولا تقول خفیت فی السین ولا اخفيتها فی السین و تقول ادغمت النون فی الواو ولا تقول ادغمتها عند الواو۔

امام شبراہمسی، احمد دمیاطی، مرعشی، امام جزری، ملا علی قاری، امام محمد مکی ان سب ائمہ کے اقوال سے ثابت ہو گیا کہ نون مخفی میں اصلی مخرج کو دخل ہے لیکن ضعیف اعتماد کے ساتھ جس کو کہ ہر ایک نے مختلف عنوان سے تعبیر کیا ہے۔ مثلاً شبراہمسی نے مقلوب سے دمیاطی اور مرعشی نے تجانی قلیل سے اور جزری نے کعملہ کی قید سے اور پہلے قول میں یتحول کے لفظ سے اور محمد مکی نے فی نفسه لانی غیرہ سے اور ملا علی قاری نے مرکبة من مخرج الذات سے۔ اب جبکہ کلام ائمہ کے سیاق و سباق سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ صوت خیشومی بدون اعتماد محقق بایں قدر کہ پیدا نہیں ہو سکتی اور پہلے یہ لوگ یہ بھی ثابت کر چکے ہیں کہ نون مخفی اپنے اصلی مخرج سے خیشوم کی طرف متحول ہو جاتا ہے اور ذات نون باطل ہو جاتی ہے۔ اور الصاق لسان سے بھی احتراز کا حکم ہے۔ تو لامحالہ اس سے تولید حرف مد لازم آوے گی۔ کیونکہ جب نہ تو ذات نون باقی اور نہ زبان کا کسی مقام پر

الصاق تو صوت خیشومی محض جوف سے ادا ہوئی اور یہی تولید مدہ ہے جو کہ محذور اور ممنوع ہے۔ اور زیادۃ فی کلام اللہ ہے..... تو پھر اس سے خلاص کا طریقہ اور چھٹکارا کہ نون خفی بھی ادا ہو جاوے اور تولید حرف مدہ بھی نہ ہو اور الصاق لسان بھی نہ ہو یہی ہے کہ اعتماد اپنے مخرج اصلی پر ضعیف ہو جس کو ہر ایک نے مختلف عنوان سے تعبیر کیا ہے جیسا کہ اوپر گزارا۔ اب تعارض بین الاقوال بھی نہ رہا۔ اور اختلاف حقیقی کی صورت بھی رفع ہو گئی۔ صرف نزاع لفظی کی صورت ہو گئی۔ اب جبکہ یہ امر ثابت ہو گیا کہ نون مخفی میں مخرج اصلی کو دخل ہے اور اس پر اعتماد ضعیف ہوتا ہے تو نون خفی کے ادا کرتے وقت مابعد کے حرف کے مخرج پر اعتماد کرنا مثل سنگ و جنگ وغیرہ کے بالکل باطل ہو گیا۔ اور اس کی کوئی اصل نہیں۔ حالانکہ ہم لوگ عموماً و خصوصاً اس میں مبتلا ہیں۔ ثانیاً یہ کہ اگر اعتماد مابعد کی کچھ اصل ہوتی تو تحول الی الخیشوم لکھنے کی ضرورت نہیں تھی۔ بلکہ تحول الی مخرج مابعد الحرف لکھتے۔ علاوہ بریں نون مخفی کے عند الجمہور پندرہ حرف ہیں اور امام جعفرؒ کے نزدیک سترہ ہیں تو تعجب ہے کہ اہل فن ذرہ ذرہ تجوید کے دقائق اپنی کتابوں میں لکھتے ہیں مگر اتنے مخارج والے حرف کو چھوڑ دیتے اور کہیں اشارتاً بھی اعتماد مابعد الحروف کو ذکر نہ کرتے۔ ثالثاً یہ کہ چونکہ نون مخفی کی اداء میں تولید حرف مدہ کا مظنہ ہوتا ہے۔ لہذا اگر لسان کو یعنی مخرج اصلی کو کچھ دخل نہ ہو تو حرف مدہ پیدا ہونا چاہئے۔ جیسے کہ ماسبق کی عبارات سے واضح ہوتا ہے۔ حالانکہ اعتماد مخرج مابعد سے اس کا مظنہ بھی نہیں ہوتا۔ پس مظنہ تولید مدہ سے معلوم ہوا کہ اعتماد مابعد الحرف پر صحیح نہیں ہے۔

سوال۔ اگر کوئی یہ شبہ کرے کہ تولید حرف مدہ تو مبالغہ فی الغنہ کے لئے ہوتی ہے جیسا کہ لکھتے ہیں ویبالغ فی الغنہ۔

جواب۔ اس کا یہ ہے کہ حرف مدہ سے غنہ کے تقویت نہیں ہوتی بلکہ اور مانع عن الغنہ ہوتا ہے۔ جیسا کہ اکثر غیر مشاق سے اتحاجونی وغیرہ میں غنہ ادا نہیں ہوتا۔ اگر مدہ غنہ کا مؤید ہوتا تو یہ دقت نہ ہوتی۔ تو عبارت مذکور کا مطلب یہ ہے کہ ان یبالغ الغنہ ای فی اخراج حرف الغنہ من الخیشوم۔ رابعاً یہ کہ جہد المقل میں ہے۔ فلیحذہ القاری عن إطباق أقصى اللسان الى الحنك عند التلفظ بالغنة قبل القاف والكاف اس تحذیر سے صاف ظاہر ہو گیا کہ غنہ یعنی نون مخفی قبل القاف والكاف کے ادا کرتے وقت أقصى لسان کا حنك اعلیٰ سے اطباق نہ ہونا چاہئے۔ جیسا کہ اردو میں پنکھا اور سنگ وغیرہ میں ہم لوگ کرتے ہیں۔ خامساً یہ کہ امام جعفرؒ کے یہاں خاء اور غین میں بھی اخفاء ہوتا ہے۔ اور یہاں اعتماد مخرج مابعد کی کوئی صورت

نہیں۔ سوائے اس کے کہ ادنیٰ حلق سے صوت خیشومی مفخم نہایت دقت سے ادا ہو بلکہ اس میں غین و خاء کی کچھ بو و شائبہ بھی مسموع ہو اسی کی کیا خصوصیت ہے بلکہ اکثر حروف میں نون مخفی کے ادا کرتے دقت آئندہ والے حرف کا شائبہ ہوتا ہے۔ خصوصاً حروف مستعلیہ میں غنہ مفخم ادا ہوتا ہے۔ اور ممنوع و منہی عنہ ہے۔ جیسا کہ نہایت القول میں حروف فرعیہ کے بیان میں ہے قال الحلبي وزاد القاضی اللامام والنون المخفأة وهو وهم اذ ليس فيهما شائبة حرف آخر ولم يقعا بين مخرجين۔ اور ملا علی قاری شرح شاطبی میں لکھتے ہیں وان النون المخفأة ليس فيها شائبة حرف آخر ولم تقع بين مخرجين و كونها ذات مخرجين لا يلزم بينيتها۔ حلبی اور ملا علی قاری نے تصریح کر دی کہ نون خفی میں شائبہ دوسرے حرف کا نہیں ہوتا اور نہ دو مخرج سے ادا ہوتا ہے۔ کیونکہ مخرج تو خیشوم قرار دیا گیا ہے۔ اور مخرج اصلی بوجہ اعتماد ضعیف اور تجانی قلیل کے کالعدم سمجھا گیا تو اب دوسرا مخرج کہاں جو نون خفی کو حرف فرعی کہا جاوے اور اگر اعتماد مابعد کے حرف پر صحیح ہوتا تو لم يقع بین مخرجین نہ لکھتے بلکہ وقع بین مخرجین لکھتے۔ اور نون کو حرف فرعیہ میں داخل کرتے کیونکہ نون خفی کے لئے ایک مخرج تو خیشوم تھا ہی۔ دوسرا حرف مابعد کا مخرج ہو جاتا۔ پس حرف فرعی کی تعریف ماتر د بین المخرجین صادق ہو جاتی۔

سوال۔ چونکہ یہ ثابت ہو گیا کہ نون خفی کا مخرج خیشوم ہے۔ اور زبان کو بھی دخل ہے تو حرف فرعی کی تعریف ماتر د بین المخرجین تو صادق آگئی تو پھر حلبی اور ملا علی قاری نے لم يقع بین مخرجین کیوں لکھا۔

جواب یہ ہے کہ یہاں صفت محذوف ہے یعنی لم يقع بین مخرجین متغائرین حرفا ہما اور حرف مابعد کے اعتماد یعنی مثل سنگ کی ادائیگی پر صادق آوے گا وقع بین مخرجین متغائرین حرفا ہما اور وقوع بین مخرجین متغائرین حرفا ہما کو لازم ہے تردد بین المخرجین جیسا کہ الف ممالہ، صاد مشمہ، ہمزہ مسہلہ ہوتا ہے حالانکہ یہ معلوم ہو چکا کہ نون خفی میں دوسرے حرف کا شائبہ بھی نہیں ہوتا۔ پس اسی واسطے حلبی نے اس کی فرعییت سے انکار کر دیا۔ لیکن چونکہ ملا علی قاری نے حرف فرعی کی تعریف ہی دوسری لکھی ہے۔ یعنی ما عدل عن مخرجه الأصلي او الصفة الذاتية لهذا اس تعریف کے بموجب نون خفی و لام مفخم بھی فرعی ہی رہے گا۔ سادسایہ کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی درۃ الفرید میں اخفاء کی تعریف وغیرہ کے بعد لکھتے ہیں کہ ولا يخفى ما فيه من اللطف والدقة۔ اگر یہی اعتماد مابعد الحرف معتبر ہوتا یعنی مثل پنکھا وغیرہ کی ادا کے تو دقت کیا تھی دقت اس میں ہے کہ اظہار والا بھی اعتماد نہ ہو اور ادغام والا بھی اعتماد نہ ہو۔ علاوہ برائیں

شیخ کو اخفاء ہی کے لئے یہ کہنے کی کیا خصوصیت تھی جبکہ ادغام ناقص اور اخفاء میں کوئی فرق نہیں تھا۔ سابعاً یہ کہ جمیع اہل فن سلفاً و خلفاً یہ لکھتے ہیں کہ مخفی میں تشدید نہیں ہوتی اور مدغم میں تشدید ہوتی ہے۔ یہ فرق سب لکھتے ہیں۔ اور تشدید کی یہ تعریف کرتے ہیں ہوشدة اتصال الحرفین مع امتزاجہما فی السمع بحیث یرتفع اللسان ارتفاعاً واحداً۔ اب ہم لوگ جو مابعد کے حرف پر زور دے کر اخفاء ادا کرتے ہیں اس میں تشدید پیدا ہو جاتی ہے۔ اور تعریف مذکور صادق آ جاتی ہے۔ مگر تشدید ناقص جیسا کہ احطت اور بسطت کے ادغام میں تشدید ناقص ہوتی ہے۔ ثامناً یہ کہ مرعشی وغیرہ لکھتے ہیں کہ جو حروف اخفاء نون سے بعید المخرج ہیں ان میں نون اقرب الی الاظہار ہوگا۔ اور اقرب الی الاظہار جب ہی ادا ہوگا جب نون کو اپنی اصلی مخرج سے تعلق ہو۔ اور اعتماد زیادہ ہو حالانکہ اخفاء کی مروجہ ادا میں حرف فاء، وقاف و کاف میں مخرج اصلی کو کچھ ذرہ بھر بھی دخل نہیں ہوتا۔ لہذا ان تمام ادلہ اور نقول سے یہ ثابت ہو گیا کہ یہ اعتماد مابعد الحرف اور اداء مروجہ باطل اور بے اصل ہے۔ اور اس کے رواج کی وجہ محض مہرہ تجوید کی بے توجہی اور قلت ہے۔ دوسرے یہ کہ یہ قاعدہ مسلمہ ہے کہ اصعب میں اسہل جذب ہو جاتا ہے کیونکہ طبیعت کا اہتمام اصعب کی طرف ہوتا ہے جس سے اسہل میں خرابی آ جاتی ہے تو چونکہ نون ساکن قبل حروف اخفاء ثقیل علی اللسان ہے۔ اس واسطے نون ساکن مابعد کے حرف میں جو سہل الخروج ہے جذب ہو جاتا ہے۔ لہذا یہ اعتماد مابعد الحرف مروج ہو گیا۔

سوال۔ اگر یہ شبہ کیا جاوے کہ اخفاء کی تعریف ہے حالة بین الاظہار والا دغام عار من التشدید اور بینۃ جب ہی ہوگی جب مابعد سے بھی لگاؤ ہو۔

جواب یہ ہے کہ عار من التشدید بمنزلہ فصل کے ہے اور اس لگاؤ یعنی اعتماد سے مثل ادغام ناقص کے ہو جاوے گا جس میں کہ تشدید بھی ناقص ہوتی ہے۔ حالانکہ اخفاء میں کسی قسم کی تشدید بھی نہیں ہوتی۔ دوسرے یہ کہ نون مخفی و نون مدغم وغیرہ قسم ہیں نون مطلق کی اور مقسم کی قسموں میں تباہن ہوتا ہے۔ اور اس اعتماد سے مخفی و مدغم با دغام ناقص میں مثل من یقول کے کچھ تھوڑا ہی سا فرق ہوتا ہے جس سے ادغام کی تعریف صادق آ جاتی ہے۔

حالت بین الاظہار والا دغام کے معنی یہ لکھتے ہیں لا اظہار فیہ ولا ادغام اظہار کے معنی ہیں اپنے مخرج اصلی اور صفات اصلیہ کے ساتھ ادا کرنا۔ اور ادغام کے معنی ہیں خلط حروف بحرف بحیث یرتفع اللسان ارتفاعاً واحداً مع شدة الاتصال فیہما اور خلط کی تین صورتیں ہیں یا تو خلط ساتھ قلب ذات مع جمیع صفات کے ہوتا ہے جیسے قل رب میں ہے یا

قلب ذات مع بقاء صفت غنہ کے جیسے من يقول و من وال میں ہے یا خلط مع شدة الاتصال ساتھ انعدام بعض صفت کے جیسے احطت میں ہوتا ہے۔ اب تعریف مذکور کا مطلب سمجھ لیجئے۔ اخفاء میں ذات نون کامل طور پر اپنے مخرج سے ادا نہیں ہوتی۔ اس لئے اظہار نہ ہوا۔ اور چونکہ کچھ مخرج کو بھی دخل ہے۔ اور صفت غنہ بھی باقی ہے۔ لہذا کچھ اظہار بھی ہوا اور ادغام میں ستر ذات یا صفت کا ہوتا ہے۔ اور یہ ستر اخفاء میں بھی ہے۔ مگر ادغام خلط اور شدة الاتصال کے ساتھ ہوتا ہے اور اخفاء میں یہ بات نہ ہونی چاہئے۔ لہذا اب اخفاء کی تعریف بین الاظہار والادغام بھی صادق آگئی۔ اور لا اظہار والادغام بھی صادق آگیا۔ اسی واسطے تو محققین نے ادغام اخفاء کی یوں تفریق بیان کی ہے۔ الاخفاء إخفاء حرف فی نفسہ عند غیرہ لافی غیرہ فی نفسہ کے معنی اے فی مخرجہ اور عند غیرہ کے معنی اے عند حروف الاخفاء لا غیر۔ لافی غیرہ کے معنی اے لافی مخرج غیرہ۔ اور ادغام میں لکھتے ہیں ہو إخفاء حرف فی غیرہ اے فی مخرج غیرہ۔ اس تفریق کے بعد معلوم ہو گیا کہ اعتماد مابعد سے لازم آوے گا إخفاء الحرف فی غیرہ وهذا خلاف ما صر حواہ۔

سوال۔ دیگر یہ کہا جاسکتا ہے کہ امام سخاوی و امام دانی نے یا، اور واؤ میں ادغام ناقص کو لکھا ہے کہ حقیقت ادغام نہیں بلکہ وہ اخفاء ہے۔

جواب۔ یہ ہے کہ ان حضرات نے مطلقاً ادغام کی کہیں نفی نہیں کہ بلکہ تمام کی نفی کی ہے۔ کیونکہ تیسیر میں لکھتے ہیں والباقون یدغمون فیہما ای فی الواو والیاء لکن القلب الصحیح ممتنع فیہما۔ اس آخری جملہ سے معلوم ہو گیا کہ نفی قلب کامل کی ہے۔ باقی ادغام ناقص کو اخفاء لکھنا اس کا یہ منشاء ہے کہ اخفاء کی تعریف ہے حالت بین الاظہار والادغام اس تعریف سے اخفاء اور ادغام میں جو کہ باہم تقسیم ہیں چونکہ قدر مشترک ثابت ہوتی ہے لہذا ایک کا دوسرے پر اطلاق کر دیا گیا۔ ورنہ حقیقت دونوں جدا جدا مستقل ہیں اور متبائن کیونکہ اتنی عبارت بین الاظہار والادغام تو بمنزلہ جنس کے ہے اور اس سے آگے کی عبارت عار من التشدید بطور قید کے جس کی دانی و سخاوی نے بھی تصریح کی ہے یہ بمنزلہ فصل کے ہے اس قید سے اخفاء ادغام سے نکل جاتا ہے۔ بلکہ اخفاء اور ادغام کی تعریف جو اوپر بیان کی گئی ہے اس سے تو اخفاء کو ادغام سے پا ہے ناقص ہی کیوں نہ ہو۔ کچھ مناسبت ہی نہیں ہے۔ صرف لغوی معنی میں اشتراک ہے۔ یعنی محض مطلقاً استتار اسی واسطے امام جزری اور ملا علی قاری وغیرہ نے لکھا ہے کہ یہ اطلاق دانی و سخاوی کا ادغام ناقص کو اخفاء لکھنا صحیح نہیں ہے۔ یا یہ کہا جاوے کہ ان حضرات کی اصطلاح ہی جدا

ہے۔ جیسا کہ لکھتے ہیں۔ الاخفاء مابقیات مع الغنۃ۔ اس عبارت کا مطلب یہ ہوا کہ پہلے حرف کا جہاں کچھ اثر باقی رہے وہ اخفاء ہے مگر پھر تفصیل بھی ان ہی کے اقوال سے ثابت ہوتی ہے کہ اخفاء کے اقسام میں کہیں بلا قلب و خلط و بلا تشدید جیسا کہ حروف اخفاء میں ہوتا ہے اور کہیں مع القلب و الخلط و التشدید مع الغنۃ جیسا کہ من یقول اور من وال میں ہوتا ہے۔ اور کہیں خلط بلا قلب مع التشدید جیسا کہ احطت میں ہوتا ہے اب ان ہی کی تفصیل سے واضح ہو گیا کہ ادغام ناقص اور اخفاء دونوں غیر ہیں۔ اور وہ اطلاق محض اصطلاحی ہے۔

حاصل ساری تحریر کا یہ ہے کہ نون مخفۃ نون مظہر کے مخرج سے ساتھ قرع ضعیف کے ادا کیا جائے اور مابعد کے حرف کا اس میں شائبہ بھی نہ ہونے اس کے مخرج پر اعتماد ہو۔

والخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمین۔ فقط

تصدیق از استاذ الاساتذہ حضرت مولانا قاری عبدالرحمن صاحب الہ آبادی

ان هذا هو الحق والحق احق ان يتبع عبدالرحمن بن محمد بشير خان الاله آبادی

(تمہ خامہ ص ۶۶۰)

اصلاح بعض عبارات جمال القرآن و دفع تعارض ظاہری با عبارات زینۃ القرآن

سوال (۲۶۴) جمال القرآن صفحہ ۲۰ قاعدہ ۴۵ میں لکھا ہے، نون ساکن اور تنوین کے بعد اگر حرف باء آوے تو اس باء کو میم سے بدل کر الخ پس اگر باء کو میم سے بدل دیا جاوے تو من بعد سے من معد ہو جاوے گا۔ اور کتابوں میں لکھا ہے کہ نون ساکن اور تنوین کے بعد اگر حرف باء آوے تو اس نون ساکن اور تنوین کو میم سے بدل دیا جاوے تو اس صورت میں ایسا ہوگا یعنی من بعد سے مم بعد ہو جاوے گا۔ آیا عبارت جمال القرآن کی صحیح ہے یا میری کم فہمی کے سبب سمجھ میں نہیں آتا؟

الجواب۔ واقعی جمال القرآن کی عبارت میں لغزش ہوئی۔ یوں لکھنا چاہئے تھا کہ اس نون کو میم سے بدل کر۔“ ربیع الاول ۱۳۳۵ھ (ترجیح خامس ص ۶)

سوال (۲۶۵) گزارش یہ ہے کہ احقر نے رسالہ زینۃ القاری اردو کا مطالعہ کیا بعض مضامین رسالہ جمال القرآن کے خلاف پائے۔ لہذا جناب والا سے استفسار کرتا ہوں۔ امید

ہے کہ جواب شافی سے ممنون فرماویں گے۔ فی الحال صرف تین سوال ارسال خدمت ہیں۔ چونکہ جناب کا قاعدہ مقررہ ہے کہ دو تین سوال سے زائد ایک بار میں دریافت نہ کئے جاویں لہذا باقی سوال آئندہ انشاء اللہ ارسال کروں گا۔

الجواب۔ السلام علیکم۔ چونکہ فن قرأت کے متعلق سوالات تھے اس لئے میں نے جواب کے لئے قاری محمد یامین صاحب مدرس مدرسہ ہذا کے سپرد کر دیئے چنانچہ ذیل میں منقول ہیں۔

سوال (۱) جمال القرآن میں لحن جلی کی صورتوں میں سے ایک یہ لکھی ہے کہ ایک حرف کی جگہ دوسرا حرف پڑھ دیا۔ اور لحن خفی کی تعریف میں لکھا ہے کہ حرفوں کے حسین ہونے کے جو قاعدے مقرر کئے ہیں ان کے خلاف پڑھنا (صفحہ ۳ و ۴ لمعہ ۲) اور زینۃ القاری میں صورت مذکورہ کو لحن جلی میں نہیں لکھا بلکہ یہ لکھا ہے کہ لحن جلی کہتے ہیں اعراب چوکنے کو یا لفظ میں اس کے اصل سے کچھ زیادہ کم کرنے کو۔ اور لحن خفی کہتے ہیں حرف کے مخرج چھوڑنے کو اس طرح پر کہ حرف اپنے مخرج سے نہ ادا ہوا انتہی (ص ۱۰ مطبوعہ مجیدی کانپور) پھر بعض مشتبه الصوت حروف کی مثالیں لکھی ہیں۔ پس مشتبه الصوت میں ایک کی جگہ دوسرا پڑھنے سے جمال القرآن کے مطابق لحن جلی ہوگا۔ اور زینۃ القاری کے مطابق خفی اور خلاف قواعد حسن پڑھنے کو لحن نہیں لکھا۔ سو محقق امر سے مطلع فرماویں۔

الجواب۔ یہ امر ظاہر و مسلم ہے کہ متعارض اقوال میں اسی قول کو ترجیح ہوگی جس کے مؤید و موافق علماء اکابر و سلف معتبرین کے اقوال ہوں۔ اس بناء پر جمال القرآن کا قول محقق و درست معلوم ہوتا ہے کیونکہ ملا علی قاری شارح مقدمۃ الجزریہ اور مرعشی صاحب جہد المقل یہ دونوں حضرات فن تجوید و قرأت کے بڑے محقق و ماہر و مستند و عالم اور مسلم ہیں۔ ان دونوں کے کلام کا خلاصہ لحن جلی و خفی کے متعلق نہایت القول المفید فی علم التجوید مطبوعہ مصر (کہ فن تجوید میں بہتر تصنیف ہے۔ اور مقبول و متداول بین القراء و المجویدین ہے) ص ۲۲ میں اس طرح منقول ہے۔

وهو (ای اللحن) نوعان جلی و خفی ولكل احد منهما حدیخصه و حقیقة یمتاز بها عن صاحبه فاما الجلی فهو خطأ یطراً علی الألفاظ فیخل بالعرف اعنی عرف القراء و سواء أخل بالمعنی ام لم یخل وانما سمی جلیاً لانہ یخل إخلالاً ظاهراً یشتري فی معرفته علماء القراءۃ و غیرهم وهو یكون فی المبنى او الحركۃ او السكون والمراد من المبنى حروف الكلمة ومن

الخطاء فيه تبديل حرف بآخر كتبديل الطاء والابتراك إطباقها واستعلائها اوتاء يتركهما وبإعطائها همسا واما اللحن الخفى فهو خطأ يطرأ على اللفظ فيخل بالعرف ولا يخل بالمعنى وانما سمي خفياً لانه يختص بمعرفة علماء القراءة واهل الأداء وهو يكون فى صفات الحروف كذا أطلق لكن ينبغي ان يقيد الخطاء بما لا يؤدى الى تبديل حرف بآخر كترك الادغام واما اذا أدى اليه كترك الإطباق فى الطاء وترك استعلائها فهو من اللحن الجلى.

پس اس عبارت کا مدلول مطابق ہے جمال القرآن کی مدلول کے۔ دوسری بات یہ ہے کہ لحن جلی کی تعریف میں فیما بین جمال القرآن وزینۃ القاری کچھ تعارض نہیں کیونکہ زینۃ القاری میں لحن جلی کی چار صورتوں میں سے تین بیان کی گئی ہیں۔ اور ایک چھوٹ گئی سو ایک کے چھوڑ دینے سے تعارض نہیں ہو سکتا۔ اور لحن خفی کی تعریف خود مصنف زینۃ القاری مولانا کرامت علی صاحب جوہپوری اپنے دوسرے رسالہ شرح ہندی جزری میں جمال القرآن کے مطابق بیان کر رہے ہیں ص ۲۴ پر لکھتے ہیں۔ دوسرا طور یہ کہ معنی نہیں بدلتا۔ جیسے باریک کو پڑ کیا یا پڑ کو باریک یا اظہار کے مقام میں ادغام کیا یا اخفاء کیا اس کو لحن خفی کہتے ہیں۔ اس غلطی سے معنی تو نہیں بدلتے مگر قرآن کی رونق میں خلل ڈالتی ہے اور اس کی خوبی و دلچسپی کو کھودیتی ہے۔

سوال (۲) جمال القرآن میں ل ن رکوز لقیہ اور ظ ذ ث کو لثویہ لکھا ہے (ص ۹ لمعہ ۴) اور زینۃ القاری میں لکھا ہے حروف ذ لقیہ یعنی جو زبان کی تیزی سے یعنی نوک سے نکلتے ہیں ظ، ذ ث اور لثویہ یعنی جو مسوڑھوں سے نکلتے ہیں ل، ر ن انتہی (ص ۱۷ و ۱۸) یہ بالکل عکس ہے سو کون سی بات ٹھیک ہے۔ تحریر فرمایا جاوے۔

الجواب۔ جمال القرآن کا قول ٹھیک ہے۔ کیونکہ فن تجوید و قرأۃ کتب متداولہ مذکورہ و شرح ملا علی قاری علی المقدمة الجزریہ المسمیٰ بمخ الفکریہ و دیگر کتب مستندہ زینۃ القاری کی موافقت نہیں کرتیں۔ غالباً نا سخیں کی یہ غلطی معلوم ہوتی ہے۔ اور جمال القرآن کا قول تمام کتب تجوید کے موافق ہے۔ فظهر الامر للمقدمة المذكورة۔

سوال (۳) جمال القرآن میں راء کی صفت تکریر کے متعلق لکھا ہے کہ اس سے بچنا چاہئے۔ اگرچہ اس پر تشدید بھی ہوا لحن۔ (ص ۱۷ لمعہ ۵) اور زینۃ القاری میں لکھا ہے راء کو ایسا ادا کرے کہ اس کے صفت تکرار کی نہ جاتی رہے پڑ بھی ہو اور صفت تکرار کی بھی باقی رہے۔ خاص کر جب مشدد ہو۔ (ص ۱۲) یہ تو صریح تعارض ہے۔ امید کہ جواب شافی سے جلد مشرف

فرمائیں گے تا کہ دوسرے سوالات جلد ارسال خدمت کر سکوں۔
الجواب۔ جمال القرآن کا قول محقق ہے۔

كما قال المحقق ملا علی فی منح الفکرية علی المقدمة الجزرية المطبوعة فی مصر ص ۲۳ مانصه فی شرح قول المتن و بتکریر جعل والمعنی ان الرء یوصف بالتکرار ایضا كما وصف بالانحراف والتکرار إعادة الشئ وأقله مرة علی الصحيح ومعنی قولهم ان الرء مکرر هو ان الرء له قبول التکرار لار تعاد اللسان به عند تلفظه۔ کقولهم لغير الضاحک انسان ضاحک یعنی انه قابل للضحک و فی الجعل إشارة الی ذلك ولهذا قال ابن الحاجب لما تحسه من شبه ترديد اللسان فی مخرجه واما قوله ولذلك جرى مجرى حرفین فی أحكام متعددة فلیس كذلك بل تکریره لحن فیحب معرفة التحفظ عنه للتحفظ به وهذا کمعرفه السحر لیجتنب عن ضرره و لیعرف وجه رفعه قال الجعبری و طريقة السلامة ان یلصق الالفاظ ظهر لسانه بأعلى حنكه لصقا محکما مرة واحدة و متى ارتعد حدث فی کل مرة راء قال مکی لا بد فی القراءة من إخفاء التکریر وقال واجب علی القاری ان یخفی تکریره و متى أظهر فقد جعل من الحرف المشدد حرفاً ومن المنخفض حرفین۔ انتهى والله تعالی اعلم۔ (ترجیح خامس ص ۱۰۵)

تحقیق قرأت در کلمہ الصراط در ہر دو مقام سورۃ فاتحہ۔

سوال (۲۶۶) احقر اس وقت تیسیر کا مطالعہ کر رہا تھا۔ ایک مقام میں شک واقع ہوا۔ فدوی نے اس مقام کو وجوہ المثانی میں نکال کر دیکھا لیکن اطمینان نہیں ہوا اس وجہ سے حضور کی خدمت میں عرض ہے کہ حضور والا جواب تحریر فرمائیں کہ کس عبارت پر عمل کیا جاوے شک یہ ہے۔ مطلب عبارت تیسیر الصراط میں خلف الصاد کو باشام الزائے پڑھتے ہیں۔ اور خلاد بھی خاص سورۃ فاتحہ میں صاد کو باشام الزائے پڑھتے ہیں مطلب عبارت وجوہ المثانی الصراط میں صاد کو خلف باشام الزائے پڑھتے ہیں۔ اور قنبل بالسین اور باقی قراء صاد خالص پڑھتے ہیں۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ خلاد بھی اس کو صاد پڑھتے ہیں حالانکہ خلاد خاص کر اس میں اشام بالزائے کرتے ہیں۔ یعنی سورۃ فاتحہ میں۔ امید ہے کہ حضور جواب با صواب سے معزز و ممتاز فرمائیں گے۔

الجواب۔ میں نے مکررہ سے یہ رسالہ مرتب کیا ہے۔ اس وقت میں نے اسکی طرف مراجعت کی۔ معلوم ہوا کہ اس کی عبارت میں اس وقت غور سے کام نہیں لیا گیا تھا۔ اس کا اور تیسیر کا ایک ہی مطلب ہے۔ چنانچہ میرے رسالہ تشیط میں تیسیر کے موافق ہے۔ اب اس کی عبارت میں اس طرح ترمیم کرتا ہوں۔

قوله تعالى الصراط الاول المعروف فيه قراءات الاولى بالإشمام وهو ان ينطق القاري بحرف متولد بين الصاد والزائى لخمرة والثانية بالسین لقبيل كجميع القرآن والثالثة بالصاد الخالصة للباقيين كالجميع قوله تعالى صراط المثنى المنكر فيه قراءتان الأولى بالإشمام لخلف كجميع القرآن والثانية بالسین لقبيل كما ذكر والثالثة بالصاد الخالصة للباقيين (ومنهم خلاد)

اگر اس عبارت میں بھی شبہ ہو تو میں زیادہ غور کر کے مکرر درست کر دوں۔ اگر شبہ نہ ہو تو حاجت جواب نہیں۔ مکرر آنکے سوال کی عبارت قابل توضیح ہے اس طرح قولہ خلاد بھی خاص سورہ فاتحہ میں صاد کو باشمام الزائے پڑھتے ہیں الخ یہ اس طرح ہونا چاہئے خلاد بھی خاص سورہ فاتحہ کے لفظ الصراط بلام التعريف میں الخ و کذا قولہ۔ حالانکہ خلاد خاص کر اس میں الی قولہ یعنی سورہ فاتحہ میں الخ یہ اس طرح ہونا چاہئے خاص کر اس میں یعنی سورہ فاتحہ کے الصراط اول میں۔
۲۴ رجب ۱۳۳۵ھ (ترجیح خامس ص ۲۲)

تحقیق مزلقہ و مصمتہ

سوال (۲۶۷) بفضلہ تعالیٰ جمال القرآن کا ترجمہ سندھی زبان میں کر چکا ہوں۔ اور جب اللہ تعالیٰ نے چاہا تو اس کے فضل سے چھپنے کا بھی بندوبست ہو جاوے گا۔

جمال القرآن کے ص ۱۵ صفت ۱۰ میں ارقام ہے کہ (مطلب اس صفت کا یہ ہے کہ وہ حروف زبان اور ہونٹ کے کنارے سے نہ ادا ہوں گے۔ اور مزلقہ کے سوا سب حروف مصمتہ ہیں) معروض یہ ہے کہ اس سے معلوم ہوا کہ حروف مصمتہ میں زبان اور ہونٹ کے کنارے کا دخل نہ ہوگا۔ حالانکہ اوپر ص ۹ میں مرقوم ہے کہ (مخرج ۱۳ طا اور ذال اور ثاء کا ہے۔ اور وہ زبان کا کنارہ اور ثایا علیا کا سرا ہے) اس سے معلوم ہوا کہ مخرج ۱۳ میں زبان کے کنارہ کا دخل ہے حالانکہ یہ حروف مصمتہ ہیں نہ مذلقہ۔ حضرت ایہ میرا شبہ صحیح ہے یا غلط میری اصلاح فرمادیں۔

الجواب۔ مجھ کو اس فن کے مسائل مستحضر نہیں۔ کہیں سے دیکھ کر لکھا ہوگا۔ اب کسی ماہر سے

مستقل تحقیق کر کے اسی کو اصل سمجھیں۔ (ترجیح خامس ص ۸۳)

تحقیق بسملہ درابتداء سورہ توبہ

سوال (۲۶۸) سیدی و مولائی دام ظلکم العالی۔ السلام علیکم۔ عرض یہ ہے کہ جناب نے ترک بسملہ کو ابتداء تلاوت براءۃ سے ہوا غلط العوام میں داخل کیا ہے۔ اور مکررہ میں ہے وأجمع القراء علی ترک البسملة فی اول براءۃ سواء ابتدأ بها او وصلها بالأنفال ایسا ہی شاطبیہ میں ہے۔ لہذا جناب کے قول اور مکررہ میں جو صورت تطبیق ہو تحریر فرمائیں۔

الجواب۔ واقع میں ان دونوں قولوں میں تطبیق نہیں ہو سکتی۔ مگر یہ مسئلہ فن قرأت کا نہیں اس لئے میرے نزدیک اس میں قاری کا قول حجت نہیں۔ قواعد کا مقتضا میرے نزدیک وہی ہے جو میں نے لکھا ہے۔ واللہ اعلم۔ بعد تحریر سطور ہذا ایک وجہ تطبیق کی جو مجھ کو بہت لطیف معلوم ہوتی ہے خیال میں آگئی وہ یہ ہے کہ ابتداء بسورہ توبہ میں بسم اللہ پڑھنے کی دو حیثیتیں ہیں ایک حیثیت ابتداء بمطلق القرآۃ کی دوسری حیثیت ابتداء بالسورۃ کی پس اغلاط العوام میں اول کلمات ثابت ہے۔ اور مکررہ و شاطبیہ میں ثانی کی نفی ہے۔ فلا تعارض واللہ اعلم۔ (ترجیح خامس ص ۱۰۳)

رفع تعارض درمیان قول عاصم دامام صاحب دربارہ جزئیت تسمیہ

سوال (۲۶۹) خاکسار نے الامداد میں ایک عبارت بعنوان سوال و جواب بسم اللہ کے بارہ میں دیکھی تھی جس کے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ بسم اللہ مبسملین کے یہاں جزو ہر سورت نہیں۔ اور شاطبی کا جو شعر ہے۔

و بکل بین السورتین بسنتہ رجال نمو ہا وریۃ و تحملا

اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ بسم اللہ مبسملین کے یہاں جزو ہر سورت ہے، بلکہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے ہر سورۃ کے پہلے بسم اللہ پڑھی ہے۔ بے شک یہ تو صحیح ہے۔ لیکن شاطبی پشاور کی جس کے حاشیہ پر دو شرحیں چڑھی ہیں منجملہ ان کے شرح کنز المعانی بھی ہے۔ کنز المعانی کے صفحہ ۳۸ پر اسی شعر کی شرح کی ہے۔ ثم المبسملون بعدھا آیۃ من کل سورۃ سوی براءۃ وہم غیر قالون وعدھا حمزۃ من التارکین آیۃ من الفاتحۃ فقط۔ اس عبارت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ امام ابن کثیر اور امام عاصم اور امام کسائی کے یہاں بسم اللہ

ہر سورۃ کا جزو ہے۔ جناب اس کا جواب تحریر فرمادیں؟

الجواب۔ مجھ کو بھی اس عبارت سے اپنے جواب میں تردد واقع ہو گیا۔ اور جس سوال کا میں نے جواب دیا تھا وہ پھر محتاج جواب ہو گیا۔ میرے پاس نہ کتب ہیں نہ وقت۔ دوسرے علماء و قراء سے رجوع کیا جاوے۔ اور کوئی شافی جواب ملے بشرط مہلت مجھ کو بھی اطلاع دیجئے میں اپنے کسی رسالے میں نقل کر دوں گا۔ ایک توجیہ سمجھ میں آتی ہے وہ یہ کہ ہر سورت کے ساتھ بسم اللہ پڑھنا نہ پڑھنا تو روایت کے متعلق ہے۔ اور جزو ہونا نہ ہونا اجتہاد کے متعلق ہے۔ روایت میں عاصم کا قول حجت ہوگا۔ اور اجتہاد میں امام صاحب کا پس میرا اصلی جواب سالم رہا۔ ۱۲ شوال ۱۳۳۹ھ

مخدوم مکرم دامت فیوضہم بعد سلام بصد تعظیم کے عرض یہ ہے کہ والا نامہ صادر ہوا۔ جناب قاری عبدالرحمن صاحب محدث انصاری پانی پتی تسمیہ کے بارہ میں ائمہ فقہ کے اقوال نقل کر کے یوں لکھتے ہیں ”وہمہ اقوال حق اندواز قبیل اختلاف قرأت ہستند۔“ اور اسی عبارت پر خود ہی منہیہ لکھتے ہیں وہ یہ ہے۔ ”بدانکہ چوں در جزو بودن و نبودن بسم اللہ از ہر سورۃ اختلاف قرأت است پس بر قاری قرأتہ مبسملین در تراویح قرأتہ بسملہ بر سر ہر سورۃ جہرا و واجب شد والا ترک یک صد و چہارہ آیت در ختم لازم آید۔ و آں جائز نیست و معمول دیار حنفی المذہب برخلاف آن است پس سبب اہل ترک و غفلت معلوم نیست۔“ اور دوسرے رسالہ میں جو خاص اس مسئلہ میں ہے یوں لکھتے ہیں۔ ”تسمیہ کا مسئلہ اجتہادی بھی نہیں۔ چونکہ منصوصات میں اجتہاد جائز نہیں۔ لہذا ہم چونکہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے مقلد مسائل اجتہادیہ میں ہیں نہ مسائل منصوصہ میں تو ہم کو اس بات کا قائل ہونا پڑا کہ ہم مسائل فقہیہ میں تو امام ابوحنیفہؒ کے مقلد ہیں۔ کیونکہ وہ امام اور مجتہد مطلق تھے۔ اور قرأتہ میں مقلد ائمہ قرآن اور راویان قرأت کے ہیں۔ کیونکہ وہ ہر حرف اور ہر نقطہ کی سند متصل اور متواتر آں حضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) تک رکھتے ہیں۔ اور قرأتہ میں ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ بھی مقلد راویان قرآن کے تھے۔ اور احتمال اجتہاد اس مسئلہ میں قابل پذیرائی نہیں ہو سکتا۔ اور آگے جا کے لکھتے ہیں دلائل مبسملین اور تارکین دونوں کے احادیث صحیحہ ہیں۔ یہاں اجتہاد کا کیا دخل ہے۔ دونوں قرآن میں اجتہاد کو دخل نہیں دیتے اگر دخل دیتے ہیں تو بتلاؤ نشان اجتہاد عاصم اور ابوحنیفہؒ کا اگر اجتہاد سے مراد فرض و تحسین ہے تو مقبول نہیں ہوگا۔ اور اگر مراد قیاس فقہی ہے تو یہاں مقیس اور مقیس علیہ اور وصف مشترک اور نص او پر علیت وصف اشتراک کے کیا ہے۔ انتہی۔

الجواب۔ فی غیث النفع بعد نقل بعض الاختلافات فی البسملة تحت

عنوان البسملة وسورة الفاتحة مانصه وايضاً فان المحققين من الشافعية وعزاه الماوردي الى الجمهور على انها اية حكماً لا قطعاً قال النووي والصحيح انها قرآن على سبيل الحكم ولو كانت قرآناً على سبيل القطع لكفرنا فيها وهو خلاف الإجماع وقال المحلي عند قول المنهاج فقههم والبسملة منها اي من الفاتحة عملاً لانه صلى الله عليه وسلم عدها اية منها صححه ابن خزيمة والحاكم ويكفي في ثبوتها من حيث العمل الظن انتهى - ومعنى الحكم والعمل انه لا تصح صلوة من لم يأت بها في اول الفاتحة وهو نظير كون الحجر من البيت اي في الحكم باعتباراً لطواف والصلوة فيه لاله لا باعتبارانه من البيت اذ لم يثبت ذلك بقاطع واذا قلنا انها اية قطعاً لا حكماً كما هو ظاهر عبارة كثير فيكون من باب اختلاف القراء في إسقاط بعض الكلمات واثباتها وكل قرأ بما تواتر عنده والفقهاء تبع للقراء في هذا وكل علم يسأل عنه اهله والمسئلة طويلة الذيل وما ذكرناه لب كلامهم وتحقيقه ص ۱۹ .

اس عبارت سے صاف معلوم ہوا کہ میرا قول بھی گنجائش رکھتا ہے اور قاری صاحب کا بھی دوسرا امر قابل غور یہ ہے کہ اگر قاری صاحب کے سب مقدمات تسلیم کر لئے جاویں تو تراویح کی کیا تخصیص ہے یہ مقدمات تو قراءت فی الفرض میں بھی جاری ہیں تو کیا احناف وجوب جہر بالبسملة فی الفرائض کا التزام کریں گے۔ ۲۰ شوال ۱۳۳۹ھ (ترجیح خامس ص ۱۱۹)

ایضاً..... سوال (۲۷۰) ایک بات قابل دریافت ہے وہ یہ کہ باب البسملة میں امام عاصمؒ کے نزدیک بین السورتین بسملة ضروری ہے اور امام ابوحنیفہؒ کے مذہب میں تراویح کے اندر ہر سورة پر بسم اللہ نہیں پڑھی جاتی تو اب اس صورت میں بروایت حفص عن العاصم الکوفیؒ ختم کلام مجید پورے طور پر کیونکر ہوگا اس لئے بسم اللہ ایک غیر معین سورة کے اول میں پڑھی جاتی ہے اور باقی ایک سوتیرہ سورة کے اول میں نہیں پڑھی جاتی۔ ختم کلام مجید میں امام عاصمؒ کے قول پر عمل کرنا ضروری ہے اور اگر امام ابوحنیفہؒ کی رائے پر عمل کیا جائے تو ختم کلام مجید ناقص ختم ہوتا ہے خارج از نماز امام عاصمؒ کے قول پر عمل کرنے میں کوئی دشواری نہیں اندر نماز کے بسم اللہ پڑھنا احناف کے نزدیک پکار کر ہر سورت کے شروع میں جائز ہے یا نہیں اگر احناف کے نزدیک جائز ہے تو اس پر عمل کرنا فی زمانہ کوئی حرج تو نہیں؟

الجواب۔ بسم اللہ کے باب میں ایک مسئلہ قراءۃ کے متعلق ہے اور ایک مسئلہ فقہ کے متعلق عاصم کا قول اول مسئلہ کی تحقیق ہے اور امام ابو حنیفہ کا قول دوسرے مسئلہ کی تحقیق حاصل مسئلہ اولیٰ کا یہ ہے کہ گو بسم اللہ ہر سورۃ کا جزو نہ ہو۔ مگر باوجود عدم جزئیت روایت اس کا پڑھنا ہر سورت پر منقول ہے۔ پس اگر کوئی شخص ہر سورت پر نہ پڑھے تو اس کی قرأت اس روایت کے موافق نہ ہوئی گو کوئی جزو متروک نہ ہوا ہو جب کہ کم از کم ایک سورۃ پر پڑھ لے اور دوسرے مسئلہ کا حاصل یہ ہے کہ گو روایت ہر سورت پر بسم اللہ منقول ہو لیکن ہر سورت کا جزو نہیں ہے بلکہ جزو مطلق قرآن کا ہے اگر ایک جگہ بھی پڑھے تو قرآن پورا ختم ہو جاوے گا گو اس روایت کے موافق اس کی قرأت نہ ہو پس امام عاصم اور امام ابو حنیفہ کے قول میں کوئی تخالف نہیں کیونکہ دونوں کی نفی اور اثبات کی حیثیتیں جدا جدا ہیں اور حیثیات کے بدلنے سے تعارض جاتا رہتا ہے یہ جب ہے کہ ہر سورت پر بسم اللہ نہ پڑھے اور اگر پڑھ لے تو شبہ کی گنجائش ہی نہیں اور امام صاحب کے بھی خلاف نہیں کیونکہ امام صاحب تسمیہ کو ہر سورت پر ضروری نہیں کہتے یہ نہیں کہ جائز نہیں کہتے درمختار یا رد مختار میں ہر سورت پر تسمیہ کو حسن کہا ہے رہا ہر جگہ پکار کر پڑھنا یہ بلاشبہ احناف کے خلاف ہے اور امام عاصم بھی جہر کو ضروری نہیں کہتے صرف تسمیہ کو ضروری کہتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم و علمہ اتم

۶ ربیع الثانی ۱۳۲۴ھ (امداد اول ص ۷۲)

باب الامامة والجماعة

حکم امامت زائر عالم مع حکم نماز بر فرش دو تو

سوال (۲۷۱) کیا فرماتے ہیں علماء شرع متین ان مسئلوں میں (۱) کہ مسجد میں اگر دوہرا فرش مع مقتدیوں و امام کے ہو تو درست ہے یا نہیں۔ (۲) ایک امام جامع مسجد ہے اور وہ نماز کے فرائض اور واجبات و سنن و شکندہ وغیرہ بخوبی جانتا ہے اور قرآن شریف صحیح خواں ہے مگر عالم نہیں۔ ایک عالم وارد ہوا تو نماز وہ امام حی جو ہمیشہ قدیم سے موجود ہے پڑھاوے یا وہ عالم نو وارد پڑھاوے اور وہ عالم بلا اجازت امام حی کے نماز پڑھاوے درست ہے یا نہیں اور نماز بغیر اجازت امام حی کے موجود ہوتے عالم کو پڑھانی درست ہے یا نہیں۔ یا امام حی کو بلا اجازت عالم کے نماز پڑھانی درست ہے یا نہیں اور اس صورت خاص میں نماز ہو جاتی ہے یا نہیں۔؟

الجواب للسؤال الاول۔ دوہرے فرش پر نماز درست ہے۔

وان یجد حجم الأرض درمختار تفسیرہ ان الساجد لو بالغ لایتسفل رأسه أبلغ من ذلك فصح على طنفسة وحصير وحنطة وشعير وسریر طحطاوی جلد اول ص ۲۲۲۔

الجواب للسؤال الثاني۔ صورت مذکورہ میں استحقاق امامت کا امام حی کو ہے وہی نماز پڑھاوے اس کو عالم کی اجازت کی کچھ حاجت اور ضرورت نہیں اور اس عالم کو بغیر اجازت امام حی کے نماز پڑھانا نہ چاہئے۔ اور اگر پڑھاوے تو نماز جائز ہو جاوے گی (۱)۔ باقی استحقاق امام حی کو ہے۔

فی سنن ابی داؤد قال رسول اللہ ﷺ ولا یؤم الرجل فی بیتہ ولا فی سلطانہ ولا یجلس علی تکرمتہ الا باذنه ص ۸۷ وفيه ایضاً قال علیہ السلام من زار قوما فلا یؤمهم ولیؤمهم رجل منهم ص ۸۹ دخل المسجد من هو اولی بالامامة من امام المحلة فامام المحلة اولی کذا فی القنیة۔

(عالمگیری ج ۱ ص ۸۲) واللہ اعلم (امداد ص ۱۷ ج ۱)

(۱) یعنی مع الکراهة البتہ اگر یہ امام حی قرآن غلط پڑھتا ہو اور عالم صحیح پڑھتا ہو تو امام حی کی امامت درست نہیں اور وہ عالم

وتر بجماعت خواندن مختلف فرض را

سوال (۲۷۲) چه حکم است اندریں صورت کہ دوسہ مردم بعد اداۓ نماز فرض کہ امام بجماعت تراویح مشغول است در آں مسجد حاضر شد آں اشخاص نماز فرض بجماعت ادا نمایند یا علیحدہ علیحدہ خواندہ شامل جماعت تراویح شوند و بازش نماز وتر بامام بخوانند یا تنہا چونکہ امام را بجماعت فرض نیافتہ است۔؟

الجواب۔ اگر دوسہ مردم بعد اداۓ جماعت فرض کہ امام بتراویح مشغول است در مسجد آمدند فردی فرض گزارده شامل امام شوند و نماز وتر بامام خوانند اگر چه فرض بامام نیافتند۔

ولو ترکوا الجماعة فی الفرض لم یصلوا التراویح جماعة لانها تبع فمصلیہ وحده یصلیہا معه در مختار اما الوصلیت بجماعة الفرض وکان رجل قد صلی الفرض وحده فله ان یصلیہا مع ذلك الإمام شافعی جلد اول ص ۴۷۶ ولولم یصلها التراویح بالإمام او صلاها مع غیره له ان یصلی الوتر معه بقی لو ترکها کل هل یصلون الوتر جماعة فلیراجع در مختار قوله فلیراجع قضیة التعلیل فی المسئلة السابقة بقولهم لانها تبع ان یصلی الوتر جماعة فی هذه الصورة لانه لیس بتبع للتراویح ولا للعشاء عند الإمام رحمة الله علیه۔ انتهى چلبی طحطاوی مصری جلد اول ص ۲۹۷۔

ازیں روایت معلوم شد کہ ہر گاہ نماز تراویح کہ تابع فرض است مختلف جماعت فرض را بجماعت گزاردن جائز است پس وتر کہ نا تابع تراویح و نہ تابع عشاء بجماعت گزاردن چگونہ روان باشد (۱) (امداد ج ۱ ص ۲۰)

حکم اقتداء بعد یک سلام امام

سوال (۲۷۳) زید بعد ایک سلام امام کے شریک ہوا تو باقی نماز کے واسطے کب کھڑا ہو کر شروع کرے اور بعد لفظ سلام کے شرکت جماعت کی جائز ہے یا نہیں۔؟

الجواب۔ صورت مسئلہ میں شرکت امام کے ساتھ صحیح نہیں ہوئی۔ پس تحریمہ از سر نو کہہ کر

(۱) و نیز در صغریٰ ب عبارت صریحہ ہمیں حکم مذکور ست و ہونہذا واذالم یصل الفرض مع الإمام قیل لا یتبعہ فی التراویح ولا فی الوتر و کذا لم یصل مع التراویح لا یتبعہ فی الوتر و الصحيح انه یجوز ان یتبعہ فی ذلک کله ۱۲ منہ

اپنی نماز تنہا پوری کرے۔ تحریمہ اولیٰ باطل ہو گیا کیونکہ اقتداء موضع افراد میں مفسد نماز ہے اور یہ موضع افراد کا تھا۔ کما فی الدر المختار فی واجبات الصلوة وتنقضی قدرة بالاول قبل علیکم علی المشهور عندنا وعلیہ الشافعیہ واللہ اعلم۔

(امداد ج ۱ ص ۲۱)

تحقیق اعادہ صلوٰۃ کہ خلف امام فاسق گذاردہ شود

سوال (۲۷۴) ہماری کتب فقہ میں ہے کہ اگر فاسق یا بدعتی کے پیچھے نماز پڑھی تو نماز کا اعادہ ضروری ہے لیکن جب حضرت عثمانؓ کے زمانے میں بلوہ ہوا اور حضرات صحابہ نے بلوائیوں کے پیچھے نماز پڑھنے کو حضرت عثمانؓ سے پوچھا تو آپ نے اجازت دی اور یہ نہیں فرمایا کہ پڑھ کے پھر اعادہ کر لیا کرو حالانکہ بلوائیوں سے زیادہ اور کون فاسق اور بدعتی ہوگا۔ خصوصاً ایسے بلوائی جنہوں نے خلیفہ برحق امیر المومنین داماد رسول مقبول ﷺ داخل عشرہ مبشرہ پر بلوہ کیا ہو؟

الجواب۔ یہ روایت مجھ کو نہیں ملی اگر حوالہ لکھا جاوے تو تحقیق کی جاوے البتہ درمختار میں یہ قاعدہ لکھا ہے واجبات صلوٰۃ میں کل صلوٰۃ ادیت مع کراهة التحريم تجب إعادتها اور ردالمحتار میں اس کے عموم پر ایک قوی اعتراض کر کے تصحیح کے لئے یہ توجیہ کی ہے الا ان يدعی تخصیصها بان مرادهم بالواجب والسنة التي تعاد بترکہ ما كان من ماهية الصلوة واجزائها۔ پس صلوٰۃ خلف الفاسق ونحوہ میں اول تو کوئی امر اجزائے صلوٰۃ میں سے مختل نہیں ہوا اس لئے قاعدہ وجوب اعادہ کا جاری نہ ہوگا دوسرے افراد سے ان کے ساتھ پڑھنا اولیٰ ہے اور اعادہ میں جو غالباً علی الانفراد ہوگا اولیٰ سے غیر اولیٰ کی طرف آنا ہے۔ فی الدر المختار۔ صلی خلف فاسق او مبتدع نال فضل الجماعة فی ردالمحتار أفادان الصلوة خلفها اولی من الإفراد۔ فقط ۲۷ محرم ۱۳۲۲ھ (امداد ج ۱ ص ۴۷)

تحقیق کراہت اقتداء خلف صاحب اخلاق ذمیرہ

سوال (۲۷۵) ڈاڑھی منڈانا یا سود کھانا وغیرہ تو ایسے فسق ہیں کہ جو صورت دیکھتے ہی یا سننے یا معاملہ سے معلوم ہو جاتے ہیں۔ مگر اخلاق ذمیرہ مثلاً۔ ریا۔ بخل۔ عجب۔ حسد۔ حب جاہ۔ حب مال۔ بغض وغیرہ کا پتہ دوسروں کو مشکلوں سے چلتا ہے اور یہ اخلاق ذمیرہ بھی یقیناً فسق ہیں کیا اگر کسی شخص میں ان اخلاق ذمیرہ میں سے کوئی خلق ذمیرہ ہو اور کسی مقتدی کو اس کا

پتہ چل جاوے تو مقتدی کو نماز کا اعادہ واجب ہوگا یا نہیں۔؟

الجواب۔ اعادہ میں تو (۱) اوپر کلام ہو چکا البتہ کراہت کا سوال کرنا چاہئے سو یہ صفات ذو جہین ہیں اس لئے ان کے موصوف کا فسق یقیناً معلوم نہیں ہو سکتا ہے۔ اور اصل مومن میں عدم فسق ہے لہذا ان کی امامت مکروہ نہیں۔ ۲۷/ محرم ۱۳۲۲ھ (امداد ص ۴۸ ج ۱)

وتر: جماعت خواندن متخلف فرض را

سوال (۲۷۶) کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے فرض عشاء تنہا پڑھی ہو۔ اس حالت میں وہ شخص وتر جماعت سے پڑھے یا نہیں۔ یا اگر ایک شخص ایسے وقت مسجد میں پہنچا کہ فرض عشاء کی جماعت ہو چکی ہو وہ شخص وتر جماعت سے پڑھے یا علیحدہ تنہا۔

بہشتی گوہر میں یہ مسئلہ ایسا ہے تراویح کے بیان میں۔ مسئلہ اگر کوئی شخص مسجد میں ایسے وقت پہنچے کہ عشاء کی نماز ہو چکی ہو تو اسے چاہئے کہ پہلے عشاء کی نماز پڑھ لے۔ پھر تراویح میں شریک ہو اور اگر اس درمیان میں تراویح کی کچھ رکعتیں ہو جائیں تو ان کو بعد وتر پڑھنے کے پڑھے اور یہ شخص وتر جماعت سے پڑھے (در مختار و صغیری)۔ لیکن غایۃ الاوطار ترجمہ اردو، الدر المختار میں باب الوتر والنوافل میں یوں لکھا ہے۔ ”اور اگر لوگوں نے جماعت فرض میں نہ کی ہو تو تراویح کو جماعت سے نہ پڑھیں۔ اس لئے کہ جماعت تراویح کی تابع ہے جماعت فرض کے تو جس شخص نے فرض تنہا پڑھے ہوں وہ تراویح کو امام کے ساتھ پڑھے۔ اور اگر نہ پڑھا تراویح کو امام کے ساتھ یا تراویح کو دوسرے امام کے ساتھ پڑھا تو نمازی کو جائز ہے کہ وتر کو امام کے ساتھ پڑھے۔“ مراد اس سے یہ ہے کہ فرض کو جماعت کے ساتھ پڑھا اور تراویح کو جماعت سے نہیں پڑھا تو وتر جماعت سے پڑھ سکتا ہے۔ لیکن اگر فرض تنہا پڑھے ہوں تو وتر کو جماعت سے نہ پڑھے۔“ کذا فی الشامی، یہ عبارت ہے تو اب کیا کرنا چاہئے یعنی فرض جماعت سے نہ پڑھے ہوں تو وتر جماعت سے پڑھے یا نہیں۔

الجواب۔ جس شخص کو فرض کی جماعت نہ ملی ہو ایک قول یہ ہے کہ وہ وتر جماعت سے پڑھے۔

فی الصغیری۔ شرح المنیۃ واذالم یصل الفرض مع الإمام قیل لایتبعہ

فی التراویح ولا فی الوتر وکذا اذا لم یصل معه التراویح لا یتبعه فی الوتر و
الصحيح انه يجوز ان یتبعه فی ذلك كله کذا کتب الی بعض ثقات أحبابی۔

اور ایک قول یہ ہے کہ وتر جماعت سے نہ پڑھے۔ کما مر من قوله قيل لا یتبع فی
التراویح ولا فی الوتر۔ اور طاہر عبارت در مختار کی قول اول کے موافق ہے۔ چنانچہ شامی
نے تحت قول در مختار فمصلیہ وحده یصلها معه کہا ہے وبہ ظہران التعلیل المذکور
(بقوله لانها تبع فيما ترک القوم الجماعة فی الفرض لم یصلوا التراویح جماعة)
لا یشمل المصلی وحده فظهر صحة التفریع بقوله فمصلیہ وحده الخ۔ لیکن در مختار
کے آئندہ قول ولو لم یصلها الخ کے تحت میں قہستانی سے ایک جزئیہ لکنہ اذا لم یصل
الفرض معه لا یتبعه فی الوتر نقل کر کے در مختار کے قول ولو لم یصلها میں تاویل کی
ہے۔ ای وقد صلی الفرض معه البتہ اسمیں تعمیم کی ہے کہ خواہ اس امام کے ساتھ فرض پڑھا
ہو یا کسی دوسرے امام کے ساتھ لیکن اگر تمام قوم نے فرض بلا جماعت پڑھا ہو اس میں سب کے
نزدیک تراویح اور وتر بلا جماعت پڑھے صرف اختلاف ایک دو شخص کے جماعت فرض رہ جانے
میں ہے لیکن صغیری میں قول اول کو صحیح کہا ہے۔ کما مر منه۔ لہذا اس کو ترجیح ہوگی۔

۲۲ رمضان ۱۳۴۲ھ (تمتہ خامسہ ص ۳۰۵)

حکم اقتدائے آں کس کہ زنش بے پردہ باشد

سوال (۲۷۷) جس شخص کی زوجہ یا دختر یا والدہ اور خواہر بلا حجاب و نقاب بازار
میں جاتی ہیں آیا ایسے شخصوں کے ساتھ مشاربت و مواکلت کرنا اور ان کے پیچھے نماز پڑھنا شرعاً
بلا کراہت جائز ہے یا نہیں اور حجاب عامہ، مومنات کے حق میں بھی واجب ہے یا سنت ہے یا
مستحب ہے۔ فقط۔؟

الجواب۔ کتب فقہیہ میں مصرح ہے کہ حرہ کا تمام بدن بجز وجہ اور کفین اور قد مین کے فی
نفسہ اور وجہ وغیرہ بعارض فتنہ واجب الستر ہے اور ترک واجب معصیت ہے اور معصیت پر
باوجود قدرت منع کے سکوت و تسامح فسق ہے اور فاسق کے پیچھے نماز مکروہ ہے تحریم علی الارح۔
پس جس شخص کو اپنے جن اقارب پر اس قدر قدرت ہو اور وہ منع نہ کرے تو وہ اس حکم میں داخل
ہو جاوے گا اور اگر قدرت نہیں یا اس کی زوجہ و خواہر وغیرہ سن رسیدہ ہیں کہ کشف وجہ سے خوف
فتنہ نہیں یا کپڑا چہرہ پر لٹکا کر نکلتی ہیں تو چونکہ اس طرح نکلنا حوائج کے لئے جائز ہے اس لئے منع

واجب نہیں اور ترک منع فسق نہیں اس لئے امامت میں کچھ حرج نہیں اور یاد رکھنا چاہئے کہ جو صورتیں فسق کی اوپر مرقوم ہوئی ہیں کچھ باہر نکلنے والیوں کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ان پردہ نشینوں کے حق میں بھی عام ہیں جو اپنے نامحرم اقارب کے روبرو بے حجاب سامنے آتی ہیں و ہذا کلمہ طاہر فقط ۔

۲۶ جمادی الاخریٰ ۱۳۲۱ھ (امداد ص ۱۵۴ ج ۲)

سوال (۲۷۸) جس شخص کے یہاں پردہ نہیں ہے اس کے پیچھے نماز درست ہے یا کسی قدر کراہت ہے اور پردہ واجب ہے یا فرض اور پردے کا نہ کرنے والا کس درجہ کا گنہگار ہوگا۔؟
الجواب۔ جتنا پردہ فرض و واجب ہے اس کے ترک سے گناہ اور اس میں بے پروائی کرنے سے امامت میں کراہت ہے ورنہ نہیں اور تفصیل اس کی فقہ کے اردو رسائل میں موجود ہے۔ (تمہء اولیٰ ص ۱۷)

حکم تقدیم امام راتب بر دیگران

سوال (۲۷۹) ایک مقام پر شاہی زمانہ کی تعمیر جامع مسجد ہے جس کو بادشاہی صوبہ حاکم وقت نے شہر کے آباد کرنے کے ساتھ تعمیر کرایا تھا اور بعد ختم تعمیر جامع مسجد منصب امامت کو ایک مرد صالح کے سپرد فرمایا تھا چنانچہ اس زمانہ سے آج تک اسی امام کی اولاد میں پشت در پشت امامت منتقل ہو کر آئی ہے مگر عرصہ پانچ سات سال کا تخمیناً گزرتا ہے کہ امام وقت نے کسی اخبار میں کچھ مضامین بہ نسبت انتظامی قواعد طاعون شکایتی چھپوائے تھے جس کو بعض افسران سرکاری نے دریافت کر کے بعض رؤسا شہر کو ہدایت فرمائی کہ امام مسجد کو بہتر ہوگا کہ علیحدہ کر دیا جاوے چنانچہ حسب مصلحت وقت ان کی جگہ ان کے حقیقی چچا زاد بھائی کو منصب امامت پر مقرر کر دیا چند سال انہوں نے بھی کام کیا لیکن کچھ عرصہ کے بعد اس کو اپنے حوائج ضروریہ کی وجہ سے اتفاقاً سفر درپیش ہوا جس کی وجہ سے اپنی جگہ پر ایک مولوی صاحب کو قائم مقام مقرر کر دیا لہذا اب چند سال سے مولوی صاحب موصوف امامت کرتے ہیں۔ اب کچھ عرصہ کے بعد امام صاحب جامع مسجد نے جنہوں نے مولوی صاحب کو اپنا قائم مقام مقرر کیا تھا کسی جمعہ کو قصد امامت کیا تو یہ امر مولوی صاحب کو سخت ناگوار ہوا جس پر انہوں نے اپنے چند معتقدین کے ذریعہ سے اس امر کی کوشش کی اور اب تک کر رہے ہیں کہ یہ امامت ہم سے نہ نکلے اور ہمارے لئے ہمیشہ کو قائم رہے۔ لیکن اکثر اہل شہر اپنے امام قدیم کو چھوڑنے اور مولوی صاحب کی امامت قبول کرنے سے ناراض ہیں اور کسی طرح اس کو پسند نہیں کرتے گو مولوی صاحب کو بمقابلہ امام قدیم کے علم میں

زیادتی ضرور ہے لیکن ان کے نزدیک سوائے اپنے چند ہم خیالوں کے سلف سے اب تک جتنے عالم سنت نبوی ﷺ کے اتباع کرنے والے گزرے ہیں اور فی الحال موجود ہیں اور نیز ان کے پیرو عام مسلمان سب وہابی و بے دین ہیں خاص کر آخر زمانہ کے عالم مثل مولانا شاہ محمد اسحاق صاحب اور مولانا اسماعیل صاحب شہید دہلوی اور مولانا رشید احمد گنگوہی اور علمائے دیوبند اور ندوہ کی شرکت کرنے والے عالموں کو ناجائز الفاظ سے یاد کرنا وظیفہ ہے اور باوجود ان سب باتوں کے بعض صاحبوں نے بنظر رفع شر مولوی صاحب کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ ایک جمعہ کی نماز امام صاحب کے پیچھے پڑھ لیجئے اور آئندہ حسب دستور امام قدیمی کی جانب سے پڑھاتے رہیے اس کو پسند نہیں کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ہم کو یزیدی بیعت نہیں ہے حالانکہ امام صاحب کے عقائد اہلسنت والجماعت کے عقیدہ کے خلاف نہیں ہیں پس ایسی صورت میں استحقاق امامت امام قدیم کا ہے یا امامت کے طالب مولوی صاحب کا حق ہے چونکہ اس بارہ میں دونوں طرف سے کوشش ہو رہی ہے کون فرقہ خطا پر ہے اور کون حق پر۔ فقط؟

الجواب۔ اول تو جب امام اول کے حقیقی چچا زاد بھائی کو شہر کے اہل حل و عقد نے منصب امامت پر مقرر کر دیا تھا تا وقتکہ وہ معزول نہ کئے جاویں اور معزول کرنے والے بھی شہر کے اہل حل و عقد ہی ہوں اس وقت تک اگر یہ امام ثانی بمقابلہ ان عالم صاحب یعنی امام ثالث کے باعتبار صفات کے اولیٰ بالامامۃ بھی نہ ہوتے تب بھی بوجہ اسبق فی النصب ہونے کے مستحق للامامۃ یہی تھے کیونکہ اعتبار ان صفات کا وقت نصب کے ہے نہ بعد نصب کے جیسا کہ ردالمحتار میں ہے قوله اعتبار اکثرهم لا یشہر هذا فی النصب۔ اور کسی کو نائب بنانے سے اصل معزول نہیں ہوتا۔ دوسرے سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ امام ثالث بہت سے علمائے حقانی تبعین سنت کو برا کہتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام ثالث عقائد میں سنت کے خلاف ہیں یعنی مبتدع ہیں اور برا کہنا خود عمل فسق ہے اور فاسق اور مبتدع کی امامت مکروہ ہے۔ فی الدر المختار و فاسق و اعمیٰ ونحو الا غشی نہر الان یكون ای الفاسق أعلم القوم فهو الاولی و مبتدع ای صاحب بدعة وہی اعتقاد خلاف المعروف عن الرسول لا بمعاندة بل بنوع شبهة۔ تیسرے سوال سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اکثر اہل شہر مولوی صاحب کی امامت سے ناراض ہیں اور کسی طرح اس کو پسند نہیں کرتے اور وجہ دوم سے یہ معلوم ہو چکا ہے کہ مولوی صاحب میں ناراضی کے وجوہ بھی شرعی ہیں تو خود ایسی صورت میں امامت کرنا مکروہ ہے۔

فی الدر المختار ولو أم قوماً وهم له کارهون ان الکراهة لفساد فیہ

اولانہم أحق بالإمامة منه يكره له ذلك تحريماً لحديث ابى داؤد لا يقبل الله صلوة من تقدم وهم له كارهون وان هو احق لا والكراهة عليهم۔

چوتھے اگر امام ثالث میں کوئی خرابی نہ بھی ہوتی تب بھی چونکہ اکثر لوگ امام سابق کی طرف ہیں ایسی صورت میں اکثر ہی کا اعتبار ہے۔ فی الدر المختار فان استووا یقرع بین المستویین او الخیار الی القوم فان اختلفوا اعتبروا کثرہم۔ رہا امام ثالث کا عالم ہونا سو محض عالم ہونا موجب احقیق امامیت نہیں بلکہ اس میں یہ بھی شرط ہے کہ وہ شخص مطعون فی الدین نہ ہو ورنہ وہ احق للإمامة نہیں۔ فی الدر المختار والأحق بالإمامة الاعلم باحكام الصلوة فی رد المحتار الأعلم بالسنة اولی الا ان یطعن علیہ فی دینہ لان الناس لا یرغبون فی الاقتداء بہ۔ لہذا صورت مسئلہ میں استحقاق امامت کا امام قدیم کو حاصل ہے ان مولوی صاحب طالب امامت کا کچھ حق نہیں۔ واللہ اعلم ۲ شعبان ۱۳۲۲ھ (امداد ص ۵۳ ج ۱)

سوال (۲۸۰) ایک شخص حافظ سید شریف النسب کسی محلہ کی مسجد کا امام مقرر ہے اس کی موجودگی میں اس کی بلا اجازت کوئی دوسرا شخص نماز پڑھا سکتا ہے یا نہیں۔ اگر پڑھائے گا تو نماز بلا کراہت جائز ہوگی یا نہیں اور بطائف الحیل امام مذکور کی آمدنی جو بموقع شادیات وغیرہ پر مقرر ہیں یہ شخص لے لے اور امام مذکورہ محروم رہ جاوے تو یہ آمدنی اس شخص کو لینی جائز ہے یا نہیں؟

الجواب۔ فی الدر المختار واعلم ان صاحب البيت ومثله إمام المسجد الراتب أولی بالإمامة من غیرہ مطلقاً الخ فی رد المحتار قوله مطلقاً ای وان كان غیرہ من الحاضرين من هو اعلم وأقرأ منه الی قوله فان قدم واحدا منهم لعلمه و کبره فهو أفضل واذا تقدم احدهم جاز (ج ۱ ص ۵۸۴)۔ اس سے معلوم ہوا کہ بلا اذن امام راتب کے کسی کا امام بننا مکروہ ہے اور ان لطائف الحیل کی تفصیل لکھی جاوے تو حکم معلوم ہو سکتا ہے۔ ۶ رمضان ۱۳۳۳ھ (تمتہ ثالثہ ص ۷۰)

حکم صلوة خلف امرء و نابالغ

سوال (۲۸۱) امرڈ کے کے پیچھے نماز فرائض ہو سکتی ہے یا نہیں مراد یہ ہے کہ بالغ تو ہو گیا مگر ڈاڑھی مونچھ کچھ نہیں آئی خواہ حافظ ہو یا علم دین کا پڑھنے والا ہو اور مقتدیوں کو بوجہ لڑکپن کے اس کے امام ہونے میں اختلاف ہے۔

الجواب۔ اگر وہ خوب صورت ہے اور اس کو نگاہ شہوت سے لوگوں کے دیکھنے کا احتمال ہے تب تو وہ اگر حافظ یا طالب علم بھی ہو تب بھی مکروہ ہے اور اگر یہ بات نہیں ہے صرف عوام کی ناپسندیدگی ہے تو اگر وہ سب مقتدیوں سے علم و قرآن میں اچھا ہو تو اس کی امامت مکروہ نہیں اور اگر اتنی عمر ہو گئی ہے کہ اب ڈاڑھی بھرنے کی امید نہیں رہی تو وہ امر نہیں رہا۔

فی الدر المختار باب الامامة و وكذا تكره خلف أمر د في رد المحتار انها تنزيهية ايضاً والظاهر كما قال الرحمتي ان المراد به صبيح الوجه لانه محل الفتنة وهل يقال ههنا ايضاً اذا كان أعلم القوم تنتفي الكراهة فان كانت علة الكراهة خشية الشهوة وهو الأظهر فلا وان كانت غلبة الجهل او نفرة الناس من الصلوة خلفه فتعم فتأمل و فيه عن حاشية المدنى شخص بلغ من السن عشرين سنة و تجاوز حد الإنبات ولم ينبت عذاره فهل يخرج بذلك عن حد الأمردية الى قوله فاحاب بالجواز من غير كراهة اهـ فقط والله تعالى اعلم۔
۲۵ شعبان ۱۳۲۲ھ (امداد ص ۵۶ ج ۱)

سوال (۲۸۲) ریاست بھوپال میں تقریباً ۷۵ سال سے یہ سلسلہ جاری ہے کہ ۹.....۱۰ سال کے لڑکے کے پیچھے صرف تراویح پڑھی جاتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس دوران میں بہ لحاظ آبادی بھوپال میں حفظ قرآن کا خاص ذوق رہا علماء سابقین مولانا ایوب صاحب مرحوم، مولانا عبدالقیوم صاحب مرحوم و دیگر قضاة و مفتیان بھوپال نے ہمیشہ اس فعل کو مستحسن خیال فرمایا موجودہ زمانہ میں بھی جناب قاضی صاحب ریاست کا فتویٰ جواز بایں الفاظ شائع ہوا۔ ”نابالغ تمیز دار پسر کی اقتداء تراویح میں اختلافی مسئلہ ہے اس میں مشائخ فقہائے متاخرین جواز کے قائل ہوئے ہیں اور عاجز و جناب والد صاحب مرحوم و جناب مولانا عبدالقیوم صاحب مرحوم کا مسلک بھی فتوائے جواز کا ہمیشہ رہا ہے البتہ دیگر علماء اس کے ساتھ متفق نہیں ہیں بچوں کے حفظ قرآن وغیرہ کی ترغیب میں رکاوٹیں نہ ہو جانے کا بھی حسب اصول شرعیہ اسی میں لحاظ ہے۔ دستخط جناب قاضی صاحب۔

اس لئے عرض ہے کہ جناب معظم بھی توجہ عالی مبذول فرما کر مفصل جواب سے شکر گزار فرماویں اور یہ بھی واضح فرمادیا جائے کہ حد بلوغ فقہائے احناف علیہم الرضوان کے نزدیک کیا ہے اور اگر ۹ سال لیکر ۱۳۔۱۴ سال تک کے لڑکے کے پیچھے صرف تراویح پڑھی جائیں تو کیا حسب قواعد شرعیہ و متاخرین فقہائے احناف جائز ہے۔ فقط ۱۰ رمضان المبارک ۱۴۲۹ھ۔

الجواب۔ الرواية الاولى۔ فی الدرالمختار ولا یصح اقتداء رجل بأمرأة او خشیٰ اوصبی مطلقا ولو فی جنازة و نفل علی الاصح فی ردالمحتار قال فی الهدایة و فی التراویح والسنن المطلقة جوزہ مشائخ بلخ ولم یجوزہ مشائخنا الی قوله والمختار انه لا یجوز فی الصلوات کلها ۵۔

الرواية الثانية۔ ایضا فی الدرالمختار ویکره تحریما جماعة النساء و فی التراویح۔ الرواية الثالثة۔ فی الدرالمختار فی تعلیل عدم صحة بعض الاقتداء البناء القوی علی الضعیف۔

روایت اولیٰ میں تصریح ہے کہ باوجود اختلاف کے ترجیح عدم جواز کو ہے۔ اور روایت ثالثہ میں اس ترجیح کا اصول سے مؤید ہونا ثابت ہوتا ہے اس لئے کہ صبی کی تراویح نفل محض ہے اور بالغ کی سنت مؤکدہ ہے۔ دوسرے صبی کی نفل شروع سے واجب نہیں ہوتی اور بالغ کی واجب ہو جاتی ہے پس صبی کی نماز ضعیف ہوئی اس پر بالغ کی قوی نماز کا مبنی کرنا خلاف اصول ہونے کے سبب جائز نہیں اور روایت ثانیہ میں جواب ہے مصلحت مذکورہ فی السؤال کا کیونکہ اس میں عورتوں کے لئے حفظ قرآن کی ترغیب میں رکاوٹیں پیدا ہونے کا احتمال ہے۔ اصل یہ ہے کہ احکام کی بناء دلائل پر ہے مصالح پر نہیں۔ علاوہ اس کے یہ ہے کہ صبی میں ان مصالح کے ساتھ مفاسد بھی ہیں کہ اکثر وہ احکام طہارت و صلوٰۃ سے ناواقف اور متساہل بھی ہوتے ہیں پس اس کی تجویز میں بالغین کی نمازوں کا فساد بہت غالب ہے پھر بجائے تراویح کے نوافل میں ان کا پڑھ لینا اس محتمل رکاوٹ کا تدارک ہے چنانچہ اس کا کافی ہونا مشاہد ہے اور بلوغ کی اگر کوئی علامت نہ دیکھی جاوے تو بقول مفتی بہ پندرہ سال کی عمر میں بلوغ کا حکم کر دیا جاتا ہے اس وقت اس کے پیچھے تراویح میں اقتداء جائز ہے۔ واللہ اعلم۔ ۱۰ رمضان المبارک ۱۳۴۹ھ (النور ۹ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۰ھ)

حکم امامت باجرت

سوال (۲۸۳) امام مسجد کے واسطے مقتدی کچھ مقرر کریں بطور مشاہرہ یا سالیانہ یا بلا تقرر و تعیین کچھ دیا کریں تو نماز ایسے امام کے پیچھے جائز ہوگی یا مکروہ۔؟

الجواب۔ فی الدرالمختار باب الإجارة الفاسدة ویفتی الیوم بصحتها لتعلیم القرآن والإمامة والاذان۔ اس سے معلوم ہوا کہ امام کو شرط کر کے بھی دینا درست

ہے اور بلا شرط بدرجہ اولیٰ درست ہے پس نماز اس کے پیچھے مکروہ نہ ہوگی۔ فقط۔ واللہ اعلم۔
۲/ رزی الحجہ ۱۳۲۲ھ (امداد صفحہ ۶۴ ج ۱)

حکم عدم متابعت امام در قیام الی الخامسة

سوال (۲۸۴) اگر کوئی شخص جماعت میں امام کے پیچھے دوسری تیسری چوتھی رکعت میں آ کر ملا تھا اور امام کو اتفاقاً چار رکعت پوری ہونے کے بعد سہو ہو گیا اور پانچویں رکعت کے لئے کھڑا ہو گیا اور مقتدیوں کو بھی یاد نہ آیا کسی نے لقمہ نہ دیا اور سب کھڑے ہو گئے اب اس امام کے یاد آنے تک وہ شخص جو بعد میں کسی رکعت میں آ کر ملا تھا اس امام کی متابعت کرے یا اپنی پوری رکعتیں کر کے فارغ ہو۔

الجواب۔ فی الدر المختار باب سجود السهو وان قعد فی الرابعة مثلاً قدر التشهد ثم قام عاد وسلم ولو سلم قائماً صح ثم الأصح ان القوم ينظرونه فان عادتبعوه وان سجد للخامسة سلموا لانه تم فرضه اذ لم يبق عليه الا السلام ۵۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ اگر امام رابعہ پر بیٹھ کر کھڑا ہوا ہے تو مسبوق منتظر رہے اگر وہ لوٹ آوے تو اس کے ساتھ سلام تک رہے ورنہ پوری نماز پوری کرے اور اگر وہ رابعہ پر نہیں بیٹھا تو بھی انتظار کرے اگر قبل سجدہ خامسہ کے لوٹ آوے تو بھی سلام تک رہے اور اگر نہ لوٹا تو سب کی نماز باطل ہوئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۹/ صفر ۱۳۲۲ھ (امداد ص ۶۹ ج ۱)

تحقیق کراہتہ وعدم کراہتہ جماعت ثانیہ در مسجد شاریع عام

سوال (۲۸۵) قول محقق اور معتبر باعتبار موافقت فقہ و حدیث در بارہ جماعت ثانیہ آپ کے نزدیک کیا ہے مگر بحوالہ احادیث اور اقوال فقہاء و نیز بحوالہ کتب تحریر ہو اور نیز قطع نظر حالت موجودہ لوگوں کے بلکہ نفس مسئلہ محقق ہو اور اگر حالت موجودہ لوگوں کے اعتبار سے جماعت ثانیہ کی کراہتہ یا عدم کراہتہ ہو تو اس کے لئے علیحدہ ارقام ہو ہندوستان کے محقق علماء مثل حضرت مولانا مولوی شیخ محمد صاحب تھانوی و حضرت مولانا مولوی احمد علی صاحب سہارنپوری و حضرت مولانا مولوی سعادت علی صاحب سہارنپوری و جناب مولانا مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی و جناب مولوی مشتاق احمد صاحب سہارن پوری و جناب مولوی سید جمال الدین صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین بلا کراہت جائز فرماتے تھے مگر غالب گمان یہ ہے کہ جو لوگ جماعت اولیٰ کے

پابند ہوں ان کے لئے بلا کراہت فرماتے تھے۔؟

الجواب۔ فی جامع الآثار لهذا العبد الحقیر هكذا كراهة تكرار الجماعة في المسجد عن ابي بكرة ان رسول الله ﷺ قبل من نواحي المدينة يريد الصلوة وقد صلوا فمال الى منزله فجمع اهله فصلى بهم رواه الطبرانی فی الكبير والوسط وقال الهيثمي رجاله ثقات قلت ولولم يكره لماترك المسجد وعن ابراهيم النخعي قال قال عمر لا يصلي بعد صلوة مثلها رواه ابن ابي شيبه قلت واقرب تفاسيره حمله على تكرار الجماعة في المسجد وعن خرشة الحران عمر كان يكره ان يصلي بعد صلوة الجمعة مثلها رواه الطحاوي واسناده صحيح قلت دل على كراهة تكرار الجماعة خاصة و في حاشيته تابع الآثار وما ورد من قوله عليه السلام من يتصدق لا يدل على جواز التكرار المتكلم فيه وهو اقتداء المفترض بالمفترض اذ الثابت به اقتداء المتنفل بالمفترض ولا يحكم بكراهته بل ورد في جوازه حديث اخر من قوله عليه السلام اذا صليتما في رحالكما ثم اتيتما صلوة قوم فصليا معهم واجعلا صلوتكما معهم سبحة كما هو ظاهر وما هو رواه البخاري تعليقا عن انس موصول على مسجد الطريق او نحوه لما نقل فيه انه اذن واقام وهو مكروه عند العامة اه اما الروايات الفقهية في هذا الباب ففي الدر المختار ويكره تكرار الجماعة باذان واقامة في مسجد محلة لا في مسجد طريق او مسجد لا امام له ولا مؤذن في رد المحتار قوله ويكره اي تحريما لقول الكافي لا يجوز والمجمع لا يباح و شرح الجامع الصغير انه بدعة كما في رسالة السندی قوله باذان و اقامة عبارته في الخرائن اجمع مما ههنا و نصها يكره تكرار الجماعة في مسجد محلة باذان واقامة الا اذا صلى بهما فيه اولاً غير اهله او اهله لكن بمخافته الاذان ولو كرر اهله بدونهما او كان مسجد طريق جاز إجماعاً كما في مسجد ليس له امام ولا مؤذن ويصلي الناس فيه فوجاً فوجاً فان الافضل ان يصلي كل فريق باذان واقامة على حدة كما في امالي قاضي خان اه و نحوه في الدرر والمراد بمسجد المحلة ماله امام و جماعة معلومون كما في الدرر وغيرهما الى ان قال ولان في الإطلاق هكذا تقليل

الجماعة معنى فانهم لا يجتمعون اذا علموا انها لا تفوتهم ثم قال بعد سطر و مقتضى هذا الاستدلال كراهة التكرار فى مسجد المحلة ولو بدون اذان و يؤيده ما فى الظهيرية لو دخل جماعة المسجد بعدما صلى فيه اهله يصلون وحد انا وهو ظاهر الرواية اه وهذا مخالف لحكاية الاجماع المارة ج ۱ ص ۵۷۷ وفيه ما نصه و فى اخر شرح المنية وعن ابى حنيفة لو كانت الجماعة اكثر من ثلاثة يكره التكرار والا فلا وعن ابى يوسف اذا لم تكن على الهيئة الاولى لا تكره والا تكره وهو الصحيح وبالعدول عن المحراب تختلف الهيئة كذا فى البرازية و فى التاتارخانية عن الولوالجية وبه ناخذ ج ۱ ص ۱۰ ء و فيه قوله الا فى المسجد على طريق هو مالىس له امام و مؤذن راتب فلا يكره التكرار فيه باذان واقامة بل هو الافضل خانية ج ۱ ص ۱۰ ء روايات فقہیہ مذکورہ سے چند صورتیں اور ان کے احکام معلوم ہوئے۔

صورة اولی مسجد محلہ میں غیر اہل نے نماز پڑھ لی ہو۔ صورة ثانیہ مسجد محلہ میں اہل نے بلا اعلان اذان یا بلا اذان بدرجہ اولی نماز پڑھی ہو۔ صورة ثالثہ وہ مسجد طریق پر ہو۔ صورة رابعہ اس مسجد میں امام و مؤذن معین نہ ہوں۔ صورة خامسہ محلہ ہو یعنی اس کے نمازی اور امام معین ہوں اور انہوں نے اس میں اعلان اذان کی صورت سے نماز پڑھی ہو۔ پس صوراربعہ اولی میں تو بالاتفاق جماعة ثانیہ جائز بلکہ افضل ہے جیسا کہ افضلیت کی تصریح موجود ہے اور صورت خامسہ میں اگر جماعة ثانیہ بھیئت اولی ہو تب بالاتفاق مکروہ تحریمی ہے جیسا کہ درمختار میں تحریمی ہونے کی تصریح ہے اور اگر ہیئت اولی پر نہ ہو پس یہ محل کلام ہے امام ابو یوسف کے نزدیک مکروہ نہیں اور امام صاحب کے نزدیک مکروہ ہے جیسا ظہیر یہ میں اس کا ظاہر روایت ہونا مصرح ہے۔ البتہ ایک روایت امام صاحب سے یہ ہے کہ اگر تین سے زیادہ آدمی ہوں مکروہ ہے ورنہ مکروہ نہیں۔ یہ تو خلاصہ ہوا روایات کے مدلول ظاہری کا۔ اب آگے دو مسلک ہیں یا تو امام صاحب اور امام ابو یوسف کے اقوال کو متعارض کہا جاوے یا دونوں میں تطبیق دی جاوے اگر متعارض کہا جاوے تو حسب رسم المفتی و اختلاف فیما اختلفوا فیہ والأصح کما فی السراجیة وغیرہا انہ یفتی بقول الإمام علی الإطلاق ثم یقول الثانی الی قوله و صحح فی الحاوی القدسی قوة المدرک الخ ہکذا فی الدر المختار۔ امام صاحب کے قول پر عمل ہوگا اگر سراجیہ کے قاعدہ کو ترجیح دی جاوے تب تو ظاہر ہے۔ اور اگر حاوی قدسی کے قاعدہ کو ترجیح دی

جاوے تب بھی امام صاحب کی دلیل نقلی حدیث ہے جو اول نقل ہوئی ہے اور دلیل قیاسی ردالمختار سے ولان فی الاطلاق الخ معلوم ہو چکی ہے جس کی قوت ظاہر ہے اور جو حدیثیں امام صاحب کی دلیل سے ظاہراً متعارض ہیں ان سب کا جواب کافی شافی تابع الآثار سے گزر چکا ہے اور اگر (۱) بعض کی حکایت اجماع (۲) علی الجواز سے شبہ ہو کہ امام صاحب نے حکم بالکراہتہ سے رجوع کر لیا ہوگا تو شامی نے بعد نقل روایت ظہیر یہ کے عدم ثبوت اجماع کی تصریح کر دی ہے پس یہ استدلال قطع ہو گیا اور اگر امام صاحب اور ابو یوسف کے اقوال میں تطبیق دی جاوے تو وجہ تطبیق یہ ہو سکتی ہے اور امام صاحب تو کراہتہ تنزیہیہ کے مثبت ہیں اور امام ابو یوسف کراہتہ تحریمیہ کے نافی ہیں قرینہ اس کا یہ ہے کہ درمختار میں جو مسجد محلہ میں اذان کے ساتھ جماعت ثانیہ کو مکروہ کہا ہے اس میں شامی نے تصریح کر دی کہ کراہتہ تحریمیہ مراد ہے پس اس کے مقابلہ میں جو دوسری صورتوں میں عدم کراہتہ کا حکم ہوگا اسی کراہتہ مذکورہ کی نفی ہوگی پس کراہتہ تنزیہیہ کی نفی محتاج دلیل مستقل ہے جیسا کہ صوراربعہ اولیٰ میں افضلیت کی تصریح بالاستقلال کراہتہ تنزیہیہ کی نفی پر دال ہے پس صوراربعہ اولیٰ میں نفی کراہتہ سے کراہتہ تحریمیہ منقش ہو گئی اور حکم افضلیت سے کراہتہ تنزیہیہ منقش ہو گئی اور مندوبیت ثابت ہو گئی بخلاف صورتہ متکلم فیہا کے کہ اس میں انتفاء کراہتہ تحریمیہ کی دلیل تو قائم ہے لیکن انتفاء کراہتہ تنزیہیہ کی کوئی دلیل نہیں۔ اور ظاہر روایت میں کراہتہ کا اثبات ہے

(۱) اولیٰ شبہ بے محل ہے کیونکہ محل نزاع میں اجماع منقول نہیں ہوا بلکہ ان صورتوں میں ہوا ہے جس کی نسبت فتویٰ میں کہا گیا ہے کہ بالاتفاق نماز جائز بلکہ افضل ہے اور ثانیاً اس کا جواب کہ شامی نے بعد نقل روایت ظہیر یہ کے عدم ثبوت اجماع کی تصریح کر دی ہے نامناسب ہے کیونکہ اگر اس تصریح کو مان لیا جاوے تو یہ فتویٰ کے اس دعوے کے مخالف ہوگی جو کہ ان الفاظ سے کیا گیا ہے پس صوراربعہ اولیٰ میں تو بالاتفاق جماعت ثانیہ جائز بلکہ افضل ہوگی آہ۔ کیونکہ صوراربعہ جن کی نسبت اجماع کا دعویٰ کیا گیا ہے ان میں ایک صورت یہ بھی ہے کہ مسجد محلہ میں اہل محلہ نے بلا اعلان اذان یا بلا اذان بدرجہ اولیٰ نماز پڑھ لی ہو اور ظہیر یہ سے ان صورتوں کی کراہت ثابت ہوتی ہے پس دعویٰ اجماع صحیح نہ ہوا۔ الحاصل جواب شبہ دعویٰ سابقہ کے مخالف ہے اسلئے یہ جواب مناسب نہیں پس اس صورت میں شبہ اور جواب دونوں کو ساقط ہونا چاہئے نیز جن چار صورتوں میں عدم کراہتہ پر اتفاق نقل کیا ہے ان میں سے دوسری صورت میں اختلاف نقل ہونا چاہئے یا شامی کے قول و مقتضی هذا الاستدلال الخ کو رد کرنا چاہئے۔ ۱۲ تصحیح الاغلاط ص ۱۱۔

(۲) اس جگہ مولانا رشید احمد صاحب مدرس دارالعلوم کراچی نے ایک حاشیہ لکھا ہے وہ درج کیا جاتا ہے وہو هذا ولو کرر اہلہ بدو نہما کو جائز بالا اجماع کہا گیا ہے حالانکہ اس صورت میں اگر بیعت اولیٰ پر تکرار ہے یعنی عدول عن المحراب نہیں کیا تو بالاتفاق مکروہ ہے اور عدول عن المحراب کی حالت میں محل نزاع ہے پس یہ قول کہ محل نزاع میں اجماع منقول نہیں ہوا صحیح نہیں۔ نیز یہ قول کہ ظہیر یہ سے صوراربعہ اولیٰ میں سے ثانیہ صورت کی کراہت ثابت ہوتی ہے صحیح نہیں۔ صورت ثانیہ یہ ہے کہ جماعت اولیٰ بلا اذان یا بغیر اعلان اذان کے ہوئی۔ اور ظہیر یہ میں اس کی کراہت مذکور ہے کہ جماعت ثانیہ بلا اذان ہوئی ہو۔ غرض اصل جواب کی عبارت صحیح ہے اور تصحیح الاغلاط کی عبارت صحیح معلوم نہیں ہوتی۔ واللہ اعلم انتہی ۱۲ محمد شفیع

پس کراہت تحریم منتهی ہوئی اور کراہت تنزیہیہ ثابت رہی۔ پس امام صاحب کے اثبات اور امام ابو یوسفؒ کی نفی میں کوئی تعارض نہ رہا اور اگر یہ شبہ ہو کہ جاز اور یباح وغیرہ عبارات سے کراہت تنزیہیہ منتهی معلوم ہوتی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ لفظ جائز کبھی مکروہ کو بھی شامل ہوتا ہے۔ کذا فی ردالمحتار ص ۱۲۵ ج ۱۔ اور جیسا درمختار میں اذان صبحی کو جائز بلا کراہت کہا ہے اور شامی نے کہا ہے کہ مراد نفی کراہت تحریمیہ کی ہے اور تنزیہیہ ثابت ہے۔ صفحہ ۴۰۶ ج ۱۔ و نیز حکایت اجماع جس میں تقدیر تعارض پر کلام ہوا ہے۔ اس تقریر تطبیق پر بحالہا رہ سکتی ہے کہ نفی کراہت تحریمیہ پر اجماع ہے اور اگر ثبوت کراہت تنزیہیہ سے قطع نظر بھی کی جاوے اور اباحت بالمعنی المتبادر مان لی جاوے تب بھی چونکہ ندب واستحباب نہ دلیل سے ثابت نہ ابو یوسفؒ سے منقول اس لئے نفی کراہت سے ثبوت ثواب کا لازم نہ آوے گا جیسا ردالمختار میں جماعة فی التطوع میں صرف مسنون نہ ہونے سے ثواب کی نفی کی ہے گو بعض صورتوں میں مباح بھی ہے صفحہ ۷۴۱ ج ۱۔ پس غایۃ مافی الباب ایک فعل مباح ہوا جس میں نہ ثواب نہ عقاب اور امام صاحب کراہت کے قائل تب بھی اسلم اور احوط اس کا ترک ہی ہوا کیونکہ فعل میں تو احتمال کراہت کا ہے اور ترک میں کوئی ضرر محتمل نہیں حتیٰ کہ حرمان ثواب بھی نہیں۔ پس ترک ہی رائج ہوا یہ سب تحقیق ہے باعتبار حکم فی نفسہ کے اور اگر مفاسد اس کے امام ابو یوسفؒ کے رو برو پیش کئے جاتے تو یقیناً کراہت شدیدہ کا حکم فرماتے لیکن چونکہ مسئلہ مختلف فیہا ہے اور علماء کے فتوے بھی مختلف ہیں اس لئے کسی کو کسی پر نکیر شدید و طعن زیبا نہیں۔ واللہ اعلم۔ ۱۰ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۳ھ (امداد ص ۷۳ ج ۱)

جماعت ثانیہ

سوال (۲۸۶) حنفیہ کے نزدیک جماعت ثانیہ مکروہ ہے اور حدیث میں ہے۔

عن ابی سعید قال جاءنی رجل وقد صلی رسول اللہ ﷺ فقال ایکم یتحر علی هذا فقام رجل و صلی معه رواہ الترمذی (ص ۱۵۹ صح المطابع) و فی البخاری عن انس تعلیقاً و ابی یعلی موصولاً انه جاء انس الی مسجد قد صلی فیہ فاذن و اقام و صلی جماعة لہذا اس حدیث کا کیا جواب ہے اور مسجد محلہ اور مسجد بازار اس حکم میں برابر ہیں یا کچھ فرق ہے اگر فرق ہے تو اس کی کیا دلیل ہے۔؟

الجواب۔ ابو سعیدؓ کی حدیث میں متفل نے مفترض کی اقتداء کی اور کلام اس جماعت ثانیہ میں ہے جہاں دونوں مفترض ہوں فلا حاجۃ فیہ۔ اور انسؓ کا فعل ممکن ہے کہ مسجد طریق میں ہو

- چنانچہ تکرار اذان اس کا قرینہ ہے کیونکہ مجوزین جماعت ثانیہ بھی تکرار اذان کو منع کرتے ہیں۔ فقط
(امداد ص ۸۶ ج ۱)

سوال (۲۸۷) بعض صاحبان کا یہ قول ہے کہ اگر اندرون مسجد قریب محراب جماعت ہوگئی ہو تو کچھ آدمی اگر باقی رہ جایا کریں تو جماعت ثانیہ صحن مسجد میں کر لیا کریں تو کسی نوع سے مکروہ نہ ہوگا کیونکہ یہاں کی ہر ایک مسجد دو مسجد ہے ایک صیفی یعنی صحن مسجد دوسری شتوی یعنی اندرون مسجد جو اکثر مسقف ہوتی ہے یا لداؤ کی اور درمختار میں جماعت کے بارے میں ولو فاتتہ ندب طلبہا فی مسجد الخ ظاہر ہے کہ صحن مسجد مسجد آخر ہے لہذا اس میں جماعت ثانیہ کسی نوع سے مکروہ نہ ہوگی جواب دیا گیا کہ یہاں کی مسجدوں میں صحن مسجد دوسری مسجد نہیں حقیقت میں یہاں کی مسجدیں ایک ایک مسجد ہیں کیونکہ عرف میں بھی ایک ہی مسجد سے تعبیر کرتے ہیں اور نہ بانین مسجد کی نیت دو مسجدوں کی ہوتی ہے بلکہ ایک ہی مسجد کی ہوتی ہے صحن کو صحن مسجد اور فناء مسجد سے تعبیر کرتے ہیں دیکھو نفائس اللغات لغت انگنائی بمعنی صحن خانہ بعربی ساحت و سرح و فناء پس اگر خانہ کی طرف اضافت ہوگی تو صحن خانہ اور مسجد کی طرف اضافت ہوگی تو صحن مسجد و فناء مسجد بولیں گے اور فقہاء بھی اس صحن کو صحن مسجد و فناء مسجد سے تعبیر کرتے ہیں چنانچہ واقفین پر ظاہر ہے واقف علم ظاہری و باطنی مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ نے کراہت جماعت ثانیہ یہاں کی مسجدوں کے بارے میں ایک رسالہ تحریر فرمایا اگر یہاں کی مسجدیں دو مسجدیں ہوتیں تو کراہت جماعت ثانیہ آپ مکروہ نہ فرماتے بلکہ جماعت ثانیہ کا ہونا مکروہ فرماتے اور تصریح بھی کر دیتے کہ صحن مسجد دوسری مسجد ہے و نیز حاجیان سے معلوم ہوا کہ مسجد رسول اکرم ﷺ اور مسجد حرام میں بھی صحن ہے کیونکہ حضور پر نور ﷺ نے ثواب صلوٰۃ اپنی مسجد اور مسجد حرام میں فی مسجدی هذا و مسجد الحرام فرمایا۔ فی مسجدی ہذین و فی مسجدی الحرام نہیں فرمایا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحن مسجد دوسری مسجد نہیں اور صیفی و شتوی مسجدیں اور طرز کی ہوتی ہیں یعنی ان میں ہر ایک کی محراب جدا گانہ ہوتی ہے ایک دوسرے کے جب میں واقع ہوتی ہے اور درمیان دیوار قصیر مقدار ایک دو ذراع کے اس میں فرجہ ہوتا ہے جیسا کہ قاضی خان کے صفحہ ۴۶ سے معلوم ہوتا ہے۔ محمول علی ماکان الحائط قصیرا اسد مقدار فرجة بین الصفین ذراع او ذراعین کما یکون بین المسجد الصیفی و الشتوی۔ لہذا حضور والا کو تکلیف دی جاتی ہے کہ جواب مسائل مفصلہ ذیل صاف تحریر فرما کر خاکسار کو ممنون و مشکور فرمائیں۔ (۱) یہ کہ یہاں کی ہر ایک مسجد حقیقہ صیفی و شتوی ہے یا نہیں؟

(۲) یہ کہ محراب مسجد اصل میں کس جگہ ہے۔ آیا وہ طاق یعنی محراب جو جانب قبلہ دیوار غربی مسجد میں ہوتی ہے یا دوسری جگہ (۳) وألسنة ان يقوم الإمام في المحراب قول شامی منقول از معراج فی تحت قوله يقف وسطاً صفحہ ۳۹۹ مطبوعہ مصر و قول شامی منقول از تاتارخانیہ یکرہ للامام ان يقف في غير المحراب الا للضرورة صفحہ ۲۵۳۔ تحت قوله لان العبرة للقدم کا کیا مطلب ہے آیا اس ظرفیت سے کمال قرب محراب مراد ہے یا محاذ محراب خواہ قریب ہو یا بعید اگر محاذ مذکور مراد ہے تو فی کا کیا موقع اور اس میں کیا نکتہ یا حقیقت میں عین محراب میں کھڑا ہونا مراد ہے جیسا کہ ظاہر میں فی کا مقتضی ہے بعض صاحبان کا خیال ہے کہ حقیقت میں کھڑا ہونا محراب کا مراد ہے کیونکہ اصح مذہب طحاوی اور سرخسی رحمہما اللہ کا ہے کہ علت کراہت قیام فی المحراب خفاء امام ہے نہ مشابہت اہل کتاب اگر خفا ہوگا تو کراہت ہوگی ورنہ نہ ہوگی گو مختار سرخسی اول میں مشابہت اہل کتاب کی تھی۔ (۴) گرمی میں یہاں کی مسجدوں میں درآں صورتیکہ مسجد صفی و شتوی نہ ہوں ترک محراب کی ضرورت ہو سکتی ہے (جیسا کہ مسجد صفی و شتوی میں ہوتا ہے کہ گرمی کی وجہ سے صفی میں آ جاتے ہیں اور سردی کی وجہ سے شتوی میں چلے جاتے ہیں) یا نہیں اور یہاں کی مسجدوں میں عمل درآمد اس کا کہ جب گرمی ہوتی ہے تو صحن مسجد میں امام بلا نکیر پڑھا دیتا ہے صحیح ہے یا نہیں اور یہ عمل درآمد کس بناء پر ہے۔

الجواب۔ ان بعض صاحبان کا قول غلط ہے مجیب کا جواب بالکل درست ہے البتہ مجیب کی تقریر میں لفظ فناء کی تفسیر میں تسامح ہے کیونکہ فناء اس جگہ کو کہتے ہیں جو مضاف الیہ سے خارج ہو اس کا جزو نہ ہو اور صحن مسجد جزو مسجد ہے۔ باقی سب تقریر نہایت صحیح اور کافی ہے یہ تمہید کے متعلق عرض کیا گیا۔ اب جزئی سوالات کے جواب کے متعلق لکھا جاتا ہے (۱) نہیں۔ (۲) وہ بھی اور اس کے محاذات جو مسقف درجہ کے مؤخر میں اور غیر مسقف کے مقدم میں ہوتی ہے وہ بھی۔ (۳) یہاں فی المحراب عبارت ہے فی الوسط سے کیونکہ محاریب وسط میں ہوتی ہیں جب محراب سے مراد وسط ہو تو فی اپنے حقیقی معنی پر رہا صرف مجاز لفظ محراب میں رہا سو عند القرینہ کچھ مضائقہ نہیں اور قرینہ لفظ وسطاً صاف ہے۔ (۴) جب محراب سے مراد وسط ہے تو عدول عن المحراب لازم ہی نہیں آیا۔ واللہ اعلم۔ ۲۳ رمضان المبارک ۱۳۲۸ھ (تمتہ اولیٰ صفحہ ۳۰)

سوال (۲۸۸) یہاں بازار میں ایک مسجد ہے جس میں جمعہ بھی ہوتا ہے اور جماعت کا بھی معقول انتظام ہے یعنی امام و نائب امام اور مؤذن تنخواہ دار مقرر ہیں ایسی مسجد میں جماعت ثانیہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب۔ بعض عبارتوں سے جواز معلوم ہوتا ہے۔

فی الدر المختار ویکرہ تکرار الجماعة بأذان وإقامة فی مسجد محلة لا فی مسجد طریق او مسجد لا امام له ولا مؤذن فی ردالمحتار ولو کرراہلہ بدونہما او کان مسجد طریق جاز إجماعاً کما فی مسجد لیس له إمام ولا مؤذن الخ و فیہ والتقیید بالمسجد المختص بالمحلة احتراز من الشارع الخ و فیہ وامام مسجد الشارع فالناس فیہ سواء لا اختصاص له بفريق دون فريق اه و مثله فی البدائع وغيرها ومقتضى هذا الا ستدل کراهة التکرار فی مسجد المحلة ولو بدون اذان ویؤیدہ ما فی الظهيرية لو دخل جماعة المسجد بعد ماضی فیہ اہلہ یصلون وحداناً وهو ظاهر الرواية اه وهذا مخالف لحکایة الإجماع المارة اه قال الناقل ولم يتعرض الشامی لمسجد الطريق فبقی حکمہ المذكور سالماً عن الخلاف و فیہ لکن یشکل علیہ ان نحو المسجد المکی او المدنی لیس له جماعة معلومون فلا یصدق علیہ انه مسجد محلة بل هو كمسجد شارع وقدمرانه لا کراهية فی تکرار الجماعة فیہ إجماعاً اه (ج ۱ ص ۵۷۷ و ۵۷۸) قال الناقل بنی الشامی الجواب علی کونہما مسجد شارع مع ان لهما اماماً ومؤذنًا معیناً۔ واللہ اعلم ۲۳ رجب ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ ص ۵۶)

سوال (۲۸۹) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسجد بازار و شارع عام وغیر آبادی وغیرہ کے سوا آبادی کی مسجد جیسے محلہ کی مسجد یا جامع مسجد میں جماعت ثانی کا ہونا کیسے ہے۔

الجواب۔ اختلاف ہے۔ ۱۳۳۸ھ (حوادث خامس صفحہ ۳۶)

حکم بودن مقتدیان برجا نماز دون الامام و عکس آں

سوال (۲۹۰) مقتدیوں کے نیچے جائے نماز اور امام کے نیچے نہ ہو نماز کیسی ہے اور برعکس اس کے ہو تو نماز کیسی ہے۔؟

الجواب۔ جزئی نظر سے نہیں گزری البتہ امام نیچا اور مقتدی اونچے کھڑے ہوں اس کو مکروہ تنزیہی کہنے کی وجہ امام کی بے توقیری کو لکھا ہے اس علت کے اشتراک سے صورت مسئلہ کی شق اول میں بھی کراہت کا گمان ہوتا ہے لیکن اگر کوئی عذر ہو تو مضائقہ نہیں ہے۔

۲۰ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۳ھ (امداد ص ۷۸ ج ۱)

حکم جماعت نوافل

سوال (۲۹۱) بلا اہتمام نوافل کے جماعت علاوہ تراویح جائز ہے یا نہیں اور اس میں آدمیوں کی کچھ تعداد شرط ہے یا نہیں؟

الجواب۔ فی الدر المختار ولا یصلی الوتر ولا التطوع بجماعة خارج رمضان ای یکرہ ذلک لو علی سبیل التداعی بان یقتدی اربعة لواحد وفی ردالمحتار اما اقتداء واحد بواحد او اثنين بواحد فلا یکرہ و ثلثة بواحد فیہ خلاف بحر۵۔ ان روایات سے معلوم ہوا کہ صورت مسئلہ میں اگر مقتدی ایک یا دو ہوں تو کراہت نہیں اگر چار ہوں تو مکروہ ہے اور اگر تین ہو تو اختلاف ہے۔ ۱۲/رمضان ۱۳۲۲ھ (امداد ص ۸۰ ج ۱)

سوال (۲۹۲) آپ کی کتاب بہشتی گوہر مطبوعہ بلالی واقع ساڈھورہ کے عنوان ”جمعہ کی نماز کے صحیح ہونے کی شرطیں“ کے تحت میں یہ عبارت موجود ہے کہ اگر کوئی شخص باوجود نہ پائے جانے ان شرائط کے نماز جمعہ پڑھے تو اسکی نماز نہ ہوگی۔ نماز ظہر پھر اس کو پڑھنا ہوگی اور چونکہ یہ نماز نفل ہوگی اور نفل کا اس اہتمام سے پڑھنا مکروہ ہے لہذا ایسی حالت میں نماز جمعہ پڑھنا مکروہ تحریمی ہے (در مختار)

اس عبارت سے تردد اور خلجان دل کو اس وجہ سے ہوا ہے کہ اس سے تعمیم معلوم ہوتی ہے کہ خواہ کسی مہینے میں اس اہتمام سے نماز جمعہ ادا کی جاوے۔ رمضان ہو یا غیر رمضان عدم شرائط جمعہ کی تقدیر پر نماز جمعہ کا پڑھنا مکروہ تحریمی ہی ہوگا۔ اور مندرجہ ذیل عبارت سے بظاہر اسکے خلاف معلوم ہوتا ہے۔ اور وہ یہ ہے فی الہدایۃ۔ ولا یصلی الوتر بجماعة فی غیر شہر رمضان علیہ إجماع المسلمین واللہ اعلم تحتہ فی فتح القدیر لانہ نفل من وجہ والجماعة فی النفل فی غیر رمضان مکروہ فالاحتیاط ترکھا فیہ۔ اس شبہ کا جواب بھی مفصل دیں۔ اس واسطے کہ بعض عالم بہت ہی چھوٹے چھوٹے گاؤں میں جمعہ کی نماز حنفی المذہب ہوتے ہوئے پڑھتے ہیں۔ اور جب ان سے کہتے ہیں تو وہ ان ہی عبارتوں کو لیکر جواب دیتے ہیں کہ ہم تو نفل پڑھتے ہیں اور نفل رمضان شریف کے مہینہ میں جماعت سے پڑھنے میں کوئی قباحت و کراہت نہیں؟

الجواب۔ فتح القدیر کی عبارت والجماعة فی النفل الخ سے مقصود جواز رمضان کا ایجاب کلی نہیں بلکہ جواز فی غیر رمضان کا سلب کلی ہے۔ یعنی یہ مطلب نہیں کہ رمضان میں ہر نفل

جائز ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ غیر رمضان میں کوئی نفل جائز نہیں اور رمضان میں بعض نوافل جائز ہیں گو وہ من وجہ ہی نوافل ہوں جیسے وتر اور تراویح۔ ۲۶ رمضان ۱۳۲۲ھ (ترجیح خامس ص ۱۴۴)

حکم اقتداء خلف غیر مقلد و مبتدع و مخالف مذہب مقتدی

سوال (۲۹۳) غیر مقلد کے پیچھے حنفی کی نماز ہو جاتی ہے یا نہیں اور کیسی ہوتی ہے؟

الجواب۔ غیر مقلد بہت طرح کے ہیں بعض ایسے ہیں کہ ان کے پیچھے نماز پڑھنا خلاف احتیاط یا مکروہ یا باطل ہے۔ چونکہ پورا حال معلوم ہونا فی الفور مشکل ہے اسلئے احتیاط یہی ہے کہ ان کے پیچھے نماز نہ پڑھی جاوے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۱۴ جمادی الثانیہ ۱۳۲۵ھ (امداد ص ۹۰ ج ۱)

سوال (۲۹۴) بعض موحدمومن نیت پیچھے بدعتی کے نہیں کرتے یہ کسا ہے اور بعض کا قول ہے کہ پڑھ لیوے مگر دوبارہ نماز اپنی اعادہ کر لیوے؟

الجواب۔ ہر چند کہ مبتدع کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ ہے کما فی الدر المختار و مبتدع مگر تنہا پڑھنے سے جماعت کے ساتھ پڑھنا افضل ہے و فی النہر صلی خلف فاسق أو مبتدع نال فضل الجماعة در مختار و فی رد المحتار افاد ان الصلوة خلفہما اولیٰ من الانفراد ھا اور اعادہ ہر چند کہ وقت ترک سنت کے مستحب ہے لیکن بشرطیکہ (۱) اعادہ میں ترک سنت لازم نہ آوے۔ اور یہاں اعادہ میں ترک جماعت کہ سنت ہے لازم آتا ہے پس اعادہ کچھ ضرور نہیں۔ (امداد ص ۱۰۲ ج ۱)

سوال (۲۹۵) اگر بعد اذان مغرب کے باوجود (۲) موجود ہونے امام کے چھ سات منٹ توقف کیا جاوے بعدریا بغیر عذر کے آیا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب۔ تخلف جماعت سے خواہ مغرب میں ہو یا دوسرے وقت میں بے عذر بہت برا ہے۔ کما ورد لا یتخلف عنہما الا المنافق البتہ اگر کوئی عذر شرعی ہو یا امام موافق

(۱) اس وقت یہی ذہن میں آیا اور اصل دلیل یہ ہے کہ جو سنت نماز میں داخل ہے اس کے ترک سے اعادہ ہے یہاں ایسا نہیں۔ ۱۲ منہ
(۲) عبارت واضح نہیں اس وقت مطلب یہ سمجھا گیا تھا کہ امام نماز شروع کرادے پھر بھی کوئی شخص علیحدہ بیٹھا رہے یہ کیسا ہے۔ جواب اسی پر منطبق ہے۔ اور اگر سوال کا یہ مطلب ہو کہ امام اور جماعت سب کے سب کسی وجہ سے ٹھیرے رہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب تک وقت مستحب باقی رہے تاخیر جائز ہے۔ مغرب میں بھی اذان سے نماز کا اتصال واجب نہیں ۱۲ منہ مگر اس جواب پر بھی بعض علماء نے کلام کیا ہے جو کہ ملخصات تتمہ اولیٰ میں درج ہے اور ہم نے اصلاحات میں اس کا جواب دیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ یہاں حکم جواز سے مطلقاً کراہت کی نفی مقصود نہیں ہے بلکہ کراہت تحریمی کی نفی مقصود ہے ۱۲ تصحیح الاغلاط ص ۱۷۔

المذہب کا انتظار ہو تو جائز ہے۔ مثلاً شافعی امام پہلے پڑھتا ہے اگر حنفی کے انتظار میں بیٹھا ہے کچھ حرج نہیں (۱)

ولو كان لكل مذهب إمام كما في زماننا فالأفضل الاقتداء بالموافق سواء تقدم أو تأخر على ما استحسنته عامة المسلمين و عمل به جمهور المؤمنين من أهل الحرمين و دمشق و مصر و الشام و لا عبرة بمن شذ منهم۔ شامی ج ۱ ص ۷۹ واللہ اعلم۔ ۱۳ جمادی الاولیٰ ۱۳۰۳ھ (امداد جلد اول صفحہ ۱۰۶)

اقتداء بغیر مقلد

سوال (۲۹۶) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و شرع متین اس مسئلہ کی بابت کہ آمین بالجہر و رفع الیدین اور نماز میں سینہ پر ہاتھ باندھنے والے و نیز امام کے پیچھے الحمد پڑھنے والوں کے پیچھے ہم اہلسنت جماعت کو نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں۔ جواب قرآن شریف و حدیث سے ہو؟
الجواب۔ ان لوگوں کا اختلاف حنفیہ کے ساتھ صرف ان ہی مسائل فرعیہ میں ہے یا عقائد میں بھی اور یہ لوگ امام ہونے کی حالت میں آیا مسائل طہارت میں مراعات خلاف کی کرتے ہیں یا نہیں۔ ۲۸ شعبان ۱۳۳۳ھ (تمہ خامہ صفحہ ۹۰)

سوال (۲۹۷) تمہید۔ مسئلہ اقتداء بالخالف کے باب میں ایک قول کی نسبت علم الفقہ میں یہ عبارت ہے۔ درحقیقت یہ قول بالکل بے دلیل اور نہایت نفرت کی نظر سے دیکھنے کے قابل ہے۔ اگر اس قول پر عمل کیا جاوے تو آپس میں سخت افتراق پڑ جائے گا اور بڑی مشکل پیش آئے گی۔ آھ اس پر غلاۃ فی البدعات نے غیر مہذب عنوان سے رد لکھا۔ اور مؤلف کے حق میں یہ الفاظ لکھے۔ نہ سنی ہے نہ حنفی نہ اسے امام بنانا حلال نہ اس کے پیچھے نماز جائز ہے نہ اس کا وعظ سننا روا (وہ) خود رائے ہے اور کج فہم۔ و بے ادب ائمہ کے ساتھ گستاخ۔ اور مسائل شرعیہ کی توہین کرنے والا اور خود اپنے اقرار سے فاسق، معلن۔ وہابی غیر مقلد ہے۔ اس کے پیچھے نماز نہ پڑھنی چاہئے اور نہ اس کا وعظ سننا چاہئے۔ وہ عوام الناس کو گمراہ کرتا ہے اس کے نزدیک ہر گز نہ جانا چاہئے۔ ایسے گندم نما جو فروش سے اجتناب چاہئے۔ اس کو فاسق سمجھیں اس کی مدح نہ کریں کہ

(۱) یہ ایک قول ہے جو اس وقت رائج معلوم ہوا اور بہت سے محققین اس انتظار کو منع کرتے ہیں البتہ انتظار اس وقت ہے جب وہ شافعی مراعات خلافت کی نہ کرتا ہو ۱۲ منہ۔

فاسق کی مدح سے غضب ذوالجلال اترتا ہے۔ غیر مقلدین کے بعض عقائد کو اچھا سمجھنے کے سبب مستحق کفر ہے۔ آھ۔ مؤلف کی جماعت نے خانقاہ کی تحریر چاہی اولاً عذر کر دیا گیا ثانیاً مکرر استدعا پر جواب ذیل دیا گیا۔

مکرمی سلمہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ لفافہ حاملہ تین قطعات مطبوعہ اور کارڈ موصول ہوئے مجھ کو جواب تحریر کرنے کا مکرر مشورہ دیا گیا ہے۔ اتشالاً لہامر کچھ لکھتا ہوں (اور اگر رائے ہو میری طرف سے اس کی اشاعت کی بھی اجازت ہے) جس کے ملاحظہ سے معلوم ہو جائے گا کہ میں جواب کس عذر کے سبب نہ لکھتا تھا۔ حاصل اس عذر کا یہ ہے کہ میرا جواب اصل مسئلہ کو من کل الوجوہ مفید نہیں۔ اور میری کیا تخصیص ہے شاید کسی حنفی سے ایسا جواب ملنے کی توقع نہ ہوگی جو من کل الوجوہ مفید اور موافق ہو۔ گو من وجہ جو ایک اعتبار سے اصل مقصود ہے ضرور مفید ہے۔

امراؤل..... اس لئے کہ اس مسئلہ فرعیہ میں منجملہ اقوال مختلفہ کے میرے نزدیک احوط وہ تفصیل ہے جو درمختار میں بحر سے نقل کی ہے۔ بقولہ ان یتفق المراعات لم یکرہ او عدمہا لم یصح وان شک کرہ اور جس کی ترجیح ردالمحتار میں حلبی سے نقل کی ہے۔ بقولہ هذا هو المعتمد لان المحققین جنحوا الیہ وقواعد المذهب شاهدة علیہ الخ البتہ اس تفصیل کے جزو ثالث کو میں ماؤل و مقید سمجھتا ہوں تاویل یہ کہ مراد کراہت سے خلاف اولیٰ ہے تقیید یہ کہ اپنے مذہب کا امام بدون ارتکاب کسی محذور اعراض عن الجماعة وغیرہ کے میسر ہو۔

ومبنى التاویل مانقلہ فی ردالمحتار عن حاشیة الرملی علی الاشباہ الذی یمیل الیہ خاطری القول بعدم الکراہة اذالم یتحقق منه مفسد اه ووجه التقیید ظاہر۔ نیز مراعات کا محل صرف فرائض ہیں۔ کما فی ردالمحتار ای المراعات فی الفرائض من شروط وارکان فی تلک الصلوۃ وان لم یراع فی الواجبات والسنن کما هو ظاہر سیاق کلام البحر و ظاہر کلام شرح المنیۃ ایضاً حیث قال واما الاقتداء بالمخالف فی الفروع کالشافعی فیجوز مالم یعلم منه ما یفسد الصلوۃ علی اعتقاد المقتدی علیہ الإجماع انما اختلف فی الکراہة اه قلت و فی التمثیل بالشافعی الذی الاصل فیہ عدم التعصب خرج من الحکم القائلون بحرمة التقليد المدعون للاجتہاد لانفسہم الذین الغالب فیہم التعصب وقد صرحوا بکراہة الاقتداء بالتعصب۔

اور چونکہ میں اس کو احوط سمجھتا ہوں اور احتیاطاً شرعاً محمود و مطلوب ہے چنانچہ زمعہ کا قصہ

صحاب میں مذکور ہے کہ آپ نے ولد کو فراش کا حق فرمایا۔ اور باوجود اس کے حضرت سودہؓ کو اس مولود سے احتجاب کا حکم دیا جس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اگر اس قول کا غیر رائج ہونا بھی ثابت ہو جاوے وانی لاخذ ذلك تب بھی احتیاط کے لئے اس کو اخذ کرنا احفظ للدين ہوگا۔ اس لئے اس قول احوط کو بے دلیل اور نہایت نفرت کی نظر سے دیکھنے کے قابل اور موجب افتراق شدید و اشکال عظیم قرار دینے کو میں پسند نہیں کرتا۔ بلکہ کسی مسئلہ مجتہد فیہا پر بھی ہم جیسوں کا ایسا حکم کرنا غیر مرضی ہے۔ خصوص جب کہ سلف سے ایسا جزئیہ منقول بھی ہو۔ چنانچہ مدونہ مالکؒ میں ہے۔

قال وسئل مالك عن رجل خلف رجل يقرأ بقراءة ابن مسعود قال يخرج ويدعه ولا ياتم به قال وقال مالك من صلى خلف رجل يقرأ بقراءة ابن مسعود فليخرج وليركه قلت فهل عليه ان يعيد اذا صلى خلفه في قول مالك قال ابن القاسم ان قال لنا يخرج فأرى انه يعيد في الوقت وبعده ص ۸۴ قلت وظاهر ان من كان يقرأ بقراءة ابن مسعود فهو يعتقد انها قرأنا ومع ذلك لم يجوز مالك الصلوة خلفه والمسئلة مجتهد فيها كما يظهر من مراجعة نيل الأوطار باب الحجة في الصلوة بقراءة ابن مسعود الخ۔ اور اس قول کا علم الفقہ کے قول مختار کے ساتھ مغائر ہونا ظاہر ہے۔ اس سے امر اول ثابت ہو گیا کہ میرا جواب اصل مسئلہ کو من کل الوجوه مفید نہیں۔

امر ثانی..... کا بیان یہ ہے کہ میں باوجود علم الفقہ کے قول کے قائل نہ ہونے کے اور قول مقابل کی نسبت رائے مذکور پسند نہ کرنے کے پھر بھی صاحب قول مذکور و رائے مذکور کی شان میں ایسے فتوؤں کو اور ایسے الفاظ کو جو کہ اشتہار واجب الاظہار میں نقل کئے گئے ہیں معصیت اور حرام اور غلو اور تعصب سمجھتا ہوں جس کا نہ اعتقاد جائز نہ نقل جائز الا للرد خصوص ان کے محاسن و فضائل و خدمات دینیہ پر نظر کرتے ہوئے ان کے کلام کا محمل صحیح پر حمل واجب ہے بعض محامل اشتہار واجب الاظہار کے جواب میں معہ نظائر پیش بھی کئے گئے ہیں ۱۲/ اگر جواب کی ضرورت ہی تھی تو اتنا کافی تھا کہ مسئلہ مختلف فیہا ہے اور ہمارے نزدیک دوسرا قول رائج ہے اور مجتہد فیہ کی نسبت ایسے الفاظ زیبا نہیں اس لئے مشورہ دیا جاتا ہے کہ گو فتوے سے رجوع نہ کریں۔ گو اولیٰ و اوفق بالمصالح العامہ یہ بھی ہے لیکن ایسے الفاظ سے ضرور رجوع فرمائیں کہ اقرب الی ادب الاحکام و البعد عن تشویش العوام ہے و نحو ذلك اس سے امر ثانی ثابت ہو گیا کہ میرا جواب اصل مقصد کے اعتبار سے (کہ وجوب کف لسان ہے مؤلف علم الفقہ کے سب و شتم سے) مفید ہے۔ و فی هذا کفایة انشاء الله

تعالیٰ لمن انصف ولم يتعسف واللہ اعلم والسلام مع الاکرام خیر ختام۔ ۱۶ ذیقعدہ ۱۳۲۴ھ (تمتہ خامسہ ص ۲۳۵)

سوال (۲۹۸) مقلد غیر مقلد امام کے پیچھے از روئے مسئلہ حنفی کسی حالت میں نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں اگر پڑھ سکتا ہے تو کس حالت میں اگر نہیں پڑھ سکتا ہے اور ناواقفیت میں پڑھ لیا تو نماز مقلد مقتدی کی ہوگی یا نہیں اگر نماز نہیں ہوئی تو اعادہ کی ضرورت ہوگی یا نہیں۔ فقط؟
الجواب۔ نماز حسب قواعد فقہیہ صحیح ہوگئی مگر احتیاط اعادہ میں ہے۔

۲۲ ذی الحجہ ۱۳۲۴ھ (تمتہ اولیٰ ص ۲۳)

سوال (۲۹۹) ما قولکم رحمہم اللہ تعالیٰ فی هذه المسئلة۔ اقتدا الحنفی خلف غیر المقلد جائز ام لا بینوا بالدلیل؟

الجواب۔ مبسلاً و حامداً و مصلیاً اقول التفصیل عندی ان غیر المقلدین ہم اصناف شتی فمنہم من یختلف مع المقلدین فی الفروع الاجتهادية فقط فحكمهم فی جواز الاقتداء بهم للحنفية كالشافعية حیث یجوز بشرط المراعات فی الخلافات الصلوتية وفاقاً وعند عدم المراعاة خلافاً وبالاول أفتی الجمهور فان امر الصلوة مما ینبغی ان یحاط فیہ۔ ومنہم من یختلف معهم فی الإجماعات عند اهل السنة كتجویز النکاح مافوق الاربع و تجویز المتعة و تجویز سب السلف وامثال ذلك و حکمهم کاهل البدعة حیث یکره الاقتداء بهم تحریماً عند الاختیار و تنزیهاً عند الاضطرار و حیث یشبه الحال فالاولی ان یقتدی بهم دفعاً للفتنة ثم یعید اخذاً بالاحوط ولو كانت الفتنة فی الاقتداء فلا یقتدی صوناً للمسلمین عن التخلیط فی الدین والتجرء علی الشرع المتین۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعنده علم الیقین والحق المین ثانی یوم النفر من ذی الحجہ ۱۳۲۹ھ من الهجرة المقدسة۔ (تمتہ اولیٰ ص ۳۹)

حکم اقتداء پابند نماز خلف غیر پابند

سوال (۳۰۰) ایک حافظ قرآن صحیح پڑھتا ہے مگر نماز کا پابند نہ تھا کبھی پڑھ لیتا تھا اور اکثر چھوڑ دیا کرتا تھا۔ اب وہ ماہ رمضان میں تراویح کی نماز پڑھنا چاہتا ہے ایسے حافظ کے پیچھے ان لوگوں کی نماز جو برابر نماز کے پابند ہیں بلا کراہت ہوگی یا بکراہت اگر مکروہ ہوتی ہو اور وہ

اس وقت توبہ کرے کہ اب نماز ہم نہیں چھوڑیں گے اور جتنی نمازیں قضا ہو گئی ہیں ان کی قضا پڑھ لیں گے تو کراہت زائل ہو سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب۔ توبہ سے کراہت زائل ہو جاوے گی کیونکہ علت کراہت کی فسق ہے اور توبہ سے فسق زائل ہو جاتا ہے اور مطالب بالحقوق رہنا موجب فسق نہیں۔ و ہذا ظاہر۔ فقط۔

۲۴ شعبان ۱۳۲۵ھ (امداد ص ۹۰ ج ۱)

حکم امامت شخصے کہ ثنایا علیا نہ دارد

سوال (۳۰۱) کسی عالم یا حافظ کے ثنایا ہائے علوی نہ رہیں جو مخرج تا طا اور دال کا ہے تو ایسے شخص کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں۔ بر تقدیر اول مع الکراہت بابلا کراہت جواب مسائل ہذا مع سند کتاب معتبرہ تحریر فرمودہ رفع شک و اختلاف فرمادیں اگر درست نہ ہو تو جو شخص ان کی اقتداء کرے اس کا اعادہ لازم ہو گا یا نہ۔ بینوا تو جروا۔؟

الجواب۔ اختلاف ہے۔ احوط عدم صحت ہے اور اوسع صحت ہے میرے نزدیک اس زمانہ میں صحت کو ترجیح ہو چاہئے۔ ۱۵ شعبان ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثانیہ ص ۱۵۶)

حکم امامت الثغ

سوال (۳۰۲) ایک حافظ الثغ ہے اور نماز کی پابندی کے باب میں اس کا حال بھی مثل حافظ مذکور الصدر (۱) کی ہے بجائے چھوٹے سین کے بڑے شین اور بجائے جیم کے زیاذیا بالعکس ان کی زبان سے ادا ہوتے ہیں۔ باوجود کوشش مزید کے وہ ادائے حروف مذکورہ پر قادر نہیں ایسے حافظ کے پیچھے نماز تراویح قرآن صحیح پڑھنے والوں کی درست ہوگی یا نہیں۔؟

الجواب۔ امامت الثغ کی غیر الثغ کے لئے مختلف فیہ ہے۔ کما فی الحاشیۃ الشامیۃ پس احقر کے نزدیک فرائض و وتر میں عدم جواز کا حکم احوط ہے اور تراویح میں جواز کا حکم اوسع ہے۔ واللہ اعلم۔ ۲۴ شعبان ۱۳۲۵ھ (امداد ص ۹۱ ج ۱)

حکم امامت شخصے کہ بر تلفظ راء قادر نباشد

سوال (۳۰۳) جس شخص سے راء نہ نکلتی ہو اس کے پیچھے نماز ہو جاتی ہے یا نہیں۔؟

(۱) یعنی جو کہ سوال سابق میں مذکور ہوا ہے۔ یعنی وہ حافظ جو صحیح پڑھتا ہے مگر نماز کا پابند نہیں ہے ۱۲۔

الجواب۔ فی الدر المختار ولا غیر الألف به ای بالالف علی الأصح۔ فی رد المحتار ای خلافاً لمافی الخلاصة عن الفضلی من انها جائزة الی قوله وظاهره اعتمادهم الصحة ثم قال ولكن الاحوط عدم الصحة و فيه هو الذي يتحول لسانه من السين الى الثاء و قيل من الراء الى الغين او اللامام او الياء زاد فی القاموس او من حرف الى حرف و فيه انه (ای اللثغة) ان كانت يسيرة بان اتى بالحرف غیر صاف لم توء ثر الخ۔ ج ۱ ص ۲۰۸ و ص ۲۰۹

ان روایات سے یہ امور مستفاد ہوئے (۱) اگر راء نکلتی ہے لیکن صاف نہیں تو معتبر نہیں اور اگر لام وغیرہ سے بدل جاتی ہے تو اختلاف ہے لیکن جہاں بلوی ہو صحت کا حکم مناسب ہے۔
۱۰/ رمضان ۱۳۳۲ھ (تمتہ ثانیہ ص ۱۶۱)

حکم جذب مقتدی مسبوق را از وسط صف بعد اتمام صف

سوال (۳۰۴) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مثلاً ایک شخص مسجد میں داخل ہوا اور نماز باجماعت قائم ہے اور پہلی صف تمام ہو چکی ہے۔ اب یہ شخص صف میں کس مقام سے مصلیٰ کو کھینچ کر اپنے ساتھ ملاوے اور وسط صف سے کھینچے تو بظاہر ولا تذروا فرجات للشیطان کا خلاف لازم آتا ہے۔ اور جو کنارہ صف سے کھینچے اور وہیں کھڑا ہو جاوے تو توسطوا الامام کا خلاف ہوتا ہے اور جو کنارہ صف سے وسط صف میں لاوے تو حرکت زیادہ ہوتی ہے اور نیت باندھ کر کھینچنا بہتر ہے یا خارج نماز سے کھینچے۔ فقط؟

الجواب۔ تصریح تو ملی نہیں لیکن بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ وسط صف میں سے کھینچ لے رہا یہ کہ لا تذروا الخ کے خلاف لازم آتا ہے سو فرجات بند کرنے کا حکم اصطفاً کیوقت ہے اور اثنائے صلوٰۃ اگر کسی عارض ضروری سے درمیان میں فرجہ ہو جاوے تو ایسے فرجات کی کراہت کی کوئی دلیل نہیں چنانچہ امام کا اگر وضو ٹوٹ جاوے اور اس کو استخلاف کی حاجت ہو یا کسی مقتدی کا وضو ٹوٹ جاوے اور وہ چلا جاوے ظاہر ہے کہ اس صورت میں فرجہ موجب کراہت نہیں اسی طرح صورت مسئلہ میں بھی وہ عارض ضروری اقامت ہے سنت کی اور تحرز ہے قیام خلف الصف وحدہ سے لہذا کراہت نہ ہوگی البتہ جو شخص اسکے بعد جماعت میں حاضر ہو اس کو چاہئے کہ اس فرجہ کو بند کر دے گو مرور پیش مصلیٰ لازم آوے کیونکہ ضرورت شرعی کے وقت یہ بھی مکروہ نہیں یہ تو تحقیق ہے اس حکم جذب المصلیٰ کی لیکن درمختار و رد المختار میں مصرح ہے لکن قالوا فی زماننا

ترکہ اولی لغلبة الجهل على العوام فاذا جرہ تفسد صلواتہ ۱۵ ج ۱ ص ۶۷۶ اور کھینچنا نیت باندھ کر اور قبل نیت باندھنے کے ہر طرح درست ہے۔

فی العالمگیریة الفصل الخامس من الباب الخامس من کتاب الصلوة فجاء ثالث وجذب المؤتم الى نفسه قبل ان یکبر الافتتاح حکى عن الشيخ الإمام أبی بکر بن طرخان انه لا یفسد صلوة المؤتم جذبه الثالث قبل التكبير او بعده الخ۔ واللہ اعلم ۲۲ رمضان ۱۳۲۵ھ (امداد ص ۹۳ ج ۱)

حکم شرکت در جماعت صلوٰۃ آں را کہ نماز گزارده باشد

سوال (۳۰۵) کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ مقتدی کو بعد اداۓ فرائض نماز کے کب تک شرکت مستحب ہے؟

الجواب۔ بعد اداۓ فرائض کے اگر جماعت پاوے ظہر وعشاء میں شرکت بہتر ہے اور فجر اور عصر اور مغرب میں نہ چاہئے۔ فی الدر المختار و من صلی الفجر والعصر والمغرب مرة فيخرج مطلقاً وان أقيمت لكرهية النفل بعد الأوليين و في المغرب أحد المحظورين البتراء او مخالفة الإمام ۵ (امداد ص ۹۹ ج ۱)

حکم امامتہ بغیر عمامہ مع ذکر عبارات کتاب نفع المفتی و فتاویٰ اشرفیہ وغیرہ

سوال (۳۰۶) اگر امام کے سر پر عمامہ نہ ہو اور مقتدی کے سر پر عمامہ ہو تو نماز میں کراہت ہے یا نہیں؟

الجواب۔ کراہت نہیں۔ (تمہ اول ص ۱۷)

سوال (۳۰۷) مشہور ہے کہ فقہاء لکھتے ہیں کہ عمامہ موجود ہوتے ہوئے بدون عمامہ کے نماز مکروہ ہے۔ صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب۔ صحیح نہیں۔ البتہ اگر کوئی شخص بدون عمامہ کے گھر سے نہ نکلتا ہو تو ایسے شخص کے لئے خود نماز ہی بلا عمامہ مکروہ ہے خواہ امام ہو یا نہ ہو۔ فی الدر المختار و صلواتہ فی ثياب بذلة یلبسها فی بیتہ۔ ۱۲ شعبان ۱۳۳۱ھ (تمہ ثانیہ ص ۶۴)

سوال (۳۰۸) اگر کسی کا یہ خیال ہو کہ نماز میں عمامہ کو ضروری خیال کر لیا گیا ہے اور

ایسا ضروری نہیں ہے اور وہ اسی وجہ سے عمامہ موجود ہوتے ہوئے نہیں باندھتا ہو تو اس کا یہ فعل برا ہے یا نہیں؟

الجواب۔ گاہ گاہ ہو تو برا نہیں۔ نظیرہ ما فی رد المحتار فی تعیین السور فان ایہام اللزوم ینتفی بالتروک احیاناً۔ ج ۱ ص ۵۶۸۔ ۱۲ شعبان ۱۳۳۱ھ (تمتہ ثانیہ ص ۶۵)

ایک خط مشتمل بر سوال و جواب ذیل آیا

(۳۰۹) چہ فرمایند علمائے دین دریں مسئلہ کہ نماز بکلاہ بدون عمامہ مکروہ است یا نہ؟

الجواب۔ مکروہ است در فتاویٰ غرائب می آر در جل صلی مع قلنسوة و لیس فوقها عمامة او شئی اخر یکره ۱۲۔ و عمامہ بر سر بستن مسنون است خصوصاً در نماز۔ ملا علی قاری در مقالہ عذبه روایت می کند انه صلی اللہ علیہ وسلم کان یلبس القلانسی تحت العمام و بغير العمام و در فردوس دلیلی از جابر مرویست رکعتان بعمامة خیر من سبعین رکعة بلا عمامة و ابن عمر آورده صلوة تطوع او فريضة بعمامة خمسمائة و عشرين صلوة بلا عمامة و جمعة بعمامة تعدل سبعین جمعة بلا عمامة و نیز در مقالہ مذکورہ می گوید اماما احدثه فقهاء زماننا من انهم یأتون المسجد بعمامة کبيرة ثم یضعونها ویلفونها بلفافة صغيرة و یصلون بغير عمامة فمکروهة غاية الکراهة انتهى واللہ الموفق

تمتہ سوال۔ جناب عالی گزارش آنکہ مذکورہ جواب سوال کے لئے فتاویٰ سعدیہ میں مسطورہ بالا کے موافق ہے لیکن فتاویٰ رشیدیہ میں مذکور مسئلہ کی نسبت مولانا گنگوہیؒ جائز فرماتے ہیں اس میں کیا بات ہے۔ دیگر عرض یہ ہے کہ جن کپڑوں سے باہر جانا انسان معیوب سمجھتا ہے اگر اسی سے وہ شخص نماز پڑھاوے تو اس کے لیے کیا حکم ہے؟

یہاں سے اس کا یہ جواب لکھا گیا۔ دونوں فتوؤں میں تطبیق یہ ہو سکتی ہے کہ کراہت اس کے لئے ہے جو بلا عمامہ جامع میں نہ جاتا ہو اور عدم کراہت اس کے لئے جو جامع میں بلا عمامہ جاسکتا ہو اسی سے اخیر سوال کا جواب معلوم ہو گیا کہ مکروہ ہے۔

۲۷ جمادی الاولیٰ ۱۳۷۱ھ (تمتہ خامہ ص ۸۴)

سوال (۳۱۰) بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ رسالہ الامامة بالعمامة کی تحریر سے ٹوپی رکھ کر نماز

پڑھانا یا پڑھنا مکروہ تحریمی معلوم ہوتا ہے اور کتاب نفع المفتی صفحہ ۸۸ سے مکروہ معلوم نہیں ہوتا ایسا ہی فتاویٰ اشرفیہ تتمہ جلد اول صفحہ ۷۱ جو جناب کا تصنیف کردہ ہے میں بھی مکروہ نہیں بتایا۔ مذکورہ ہر دو اول رسائل پیش خدمت کئے جاتے ہیں ملاحظہ فرما کر جواب باصواب سے مشرف فرمادیں تاکہ تسلی ہو جاوے اور جناب اجر پاویں۔؟

الجواب۔ میں نے پورا رسالہ پڑھا کسی دلیل سے کراہت ثابت نہیں ہوتی چنانچہ بعض استدالات کا جواب مولانا عبدالحی صاحب کے کلام میں مصرح ہے اور بعض کا جواب ظاہر ہے میں ہر استدلال کا جواب کہاں تک لکھوں ایک رسالہ بن جاوے گا۔ آپ کو جو دلیل موجب مدعا معلوم ہوتی ہے اس کو پوچھ لیجئے جس کا جواب مولوی عبدالحی صاحب کی تحریر میں نہ ہو ان سطور کے لکھنے کے بعد درمختار میں یہ روایات مکروہات صلوٰۃ میں نظر پڑی و صلوٰۃ حاسرا ای کاشفا رأسہ للتکاسل ولا لباس للتذلّل واما لإهانتها فکفر ولو سقطت قلنسوته فاعادتها افضل الخ فی رد المحتار عن الدرر عن التاتارخانیہ والظاهر ان افضلیۃ اعادتها حیث لم یقصد بترکھا التذلّل علی مامرن ج ۱ ص ۶۷۰۔ اس سے کئی امر مستفاد ہوئے ایک یہ کہ بالکل برہنہ سر نماز پڑھنا بھی مکروہ نہیں جب براہ تکاسل نہ ہو تو ٹوپی پر اکتفا کرنے کو جب کہ براہ تکاسل نہ ہو محض برسبیل عادت ہو کیسے مکروہ ہوگا البتہ اگر کوئی شخص صرف ٹوپی سے اسواق و مجمع احباب میں نہ جاتا ہو تو اس کے لئے صرف ٹوپی پر اکتفا کرنا نماز میں مکروہ ہوگا جس میں افراد اور اقتداء اور امامت سب برابر ہیں امام کی تخصیص نہیں کیونکہ ایسے شخص کے لئے صرف ٹوپی ثیاب بذلہ ومہنہ سے ہے جس میں نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ لیکن اگر عمامہ کی وسعت نہ ہو تو پھر ایسے شخص کے لئے مکروہ نہیں۔ دوسرا امر اس سے یہ مستفاد ہوا کہ ٹوپی کے گر جانے پر اعادہ افضل ہے لیکن اگر قصد تذلل ہو تو اعادہ نہ کرنا افضل ہے۔ یہ جزئیہ اس شخص کے حق میں ہو سکتا ہے جو صرف قلنسوہ یعنی کلاہ سے نماز پڑھ رہا تھا پھر اس جزئیہ کو ذکر کر کے اس کے ساتھ یہ نہ کہنا الا انہ یکرہ بقاعدة والسکوت عن البیان فی موضع الضرورة بیان دلیل واضح ہے عدم کراہت کی۔

۱۱/ رجب ۱۳۴۰ھ (تتمہ خامسہ ص ۲۲۱)

عدم جواز ترک جماعت بتوہم قلت رعب از قلوب رعایا۔

سوال (۳۱۱) حضرت اب تک میں اس امر کی تعمیل نہ کر سکا کہ مسجد جا کر نماز پڑھوں یہیں جماعت سے بدستور نماز پڑھ رہا ہوں مسجد تھا نہ سے کوئی قریب سو قدم کے یا اس سے کچھ زیادہ فاصلہ پر ہے راستہ میں جو لوگ رہتے ہیں ان کو میرے آنے جانے کی وجہ سے تکلیف ہوتی

ہے بار بار کھڑے ہوتے ہیں منع کرتا ہوں نہیں مانتے دن میں جب کہ پانچ مرتبہ جاؤں گا تو غالباً وہ بالکل بے حجاب ہو جائیں گے اس سے عہدہ کا جو اثر و رعب رعایا پر ہے وہ کم ہو جائے گا اس سے کام میں خرابی ہوگی اگرچہ خود اپنی تعظیم یا بڑائی قطعی مقصود نہیں ہے صرف یہی خیال کہ عہدہ کا وقار جائے گا اور اس عہدہ کا جب تک رعایا پر اثر نہ ہو انتظام و کام ٹھیک نہیں ہوتا اس وجہ سے مسجد نہیں جاتا ہوں آئندہ جو حکم ہو۔ اب تو صرف جمعہ کے روز اور آجکل روز نہ تراویح کو جاتا ہوں؟

الجواب۔ آپ جیسے سلیم الفہم دانشمند سے ایسا خیال عجیب ہے اول تو یہ محض تو ہم ہے جو تجربہ و مشاہدہ کے خلاف ہے۔ بلکہ اس سے وقار بڑھ جاتا ہے۔ اول تو دینداری کی یہ خاصیت ہے خاص کر جب ممتاز شخص میں دینداری ہو زبانوں پر اس کی مدح اور قلوب میں اس کی عظمت ہوتی ہے پہلے تو ہیبت مع الوحشت والنفرت تھی پھر ہیبت مع الانس والمحسبہ ہو جاتی ہے پھر اس کی ایک لم بھی ہے جو حدیث میں وارد ہے من ہاب اللہ ہابہ کل شی ان سب کے علاوہ اگر کسی مقام پر عوام اس خیال کے ہوں کہ ڈاڑھی منڈانے سے زیادہ مرعوب ہوتے ہوں بہ نسبت ڈاڑھی رکھنے کے یا کفار کے لباس سے زیادہ مرعوب ہوتے ہوں بہ نسبت اسلامی لباس کے یا اس سے بڑھ کر عیسائی ہونے سے زیادہ مرعوب ہوتے ہوں بہ نسبت مسلمان ہونے کے تو کیا اس مصلحت کی رعایت اس حد تک وسیع ہو سکے گی۔ ۱۳/ رمضان ۱۳۶۱ھ (تمہ خامسہ ص ۵۹۰)

امام و خطیب کی بعض کوتاہیوں کے احکام

سوال (۳۱۲) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس بارہ میں کہ یہاں کی جامع مسجد میں یہاں کی دوسری مسجدوں کے مطابق یہ دستور چلا آتا ہے کہ بروز جمعہ اذان اول کے بعد اتنا وقفہ کیا جاتا ہے کہ چار سنتیں باطمینان پڑھ لی جائیں یعنی تقریباً دس منٹ کے بعد خطبہ بزبان عربی شروع ہوتا ہے۔ جامع مسجد مذکور کے امام صاحب کی بابت مقتدیوں کو خطبہ کی طوالت کی شکایت پہلے سے تھی اور اس سے ان کو گرانی تھی۔ مزید براں انہوں نے کئی جمعہ سے یہ نیا طریقہ اختیار کیا کہ چار سنتوں کے بعد وقت مقرر پر خطبہ شروع کرنے کے بجائے پہلے ارود زبان میں مضمون خطبہ کے علاوہ دوسری تقریریں شامل کر کے بیان کرنا شروع کیا۔ جس میں مقتدیوں نے یہ محسوس کیا کہ ان تقریروں میں مسلمانوں پر چوٹ اور طنز یہ جملے وغیرہ ذاتی جذبات نفسانیہ کا بھی شمول ہے۔ ان تقریروں کے بعد اذان ثانی ہو کر مدوح نے خطبہ عربی پڑھا۔ متولیان مسجد وغیرہ کو پہلے ایک دو دفعہ کچھ خیال نہ ہوا۔ لیکن بعد میں انہوں نے دیکھا کہ

مقتدیوں میں اس کا چرچا ہونے لگا ہے اور ان کو قوی اندیشہ ہوا کہ ایسا نہ ہو رفتہ رفتہ آئندہ خطبہ عربی کے بجائے خطبہ اردو جاری کر دیں اس کے علاوہ چونکہ نمازیوں کی بہت سی تعداد بہت پہلے سے آجاتی ہے اور بعد فراغ جمعہ کھانا کھاتی ہے۔ اس لئے بنا برتاخیر وطوالت ان کو اور بھی زیادہ گرانی ہونے لگی۔ طوالت خطبہ کی بابت متولیوں نے امام صاحب موصوف کو پہلے ہی توجہ دلائی تھی کہ خطبہ جو لمبا پڑھتے ہیں اس کو مسنون طریقہ کے مطابق مختصر فرمادیں اور خطبہ اور تقریروں میں اپنے جذبات سے کام لیتے ہوئے کسی مسلمان پر حملہ اور طنز نہ کریں اور اب یہ صورت حال دیکھتے ہوئے اور مذکورہ وجوہ پر نظر رکھتے ہوئے ہدایت کی کہ آئندہ اذان اول کے بعد قدیمی دستور پر عمل کرتے ہوئے محض خطبہ عربی پر قناعت کریں کہ یہ نیا طریقہ مسجد موصوف کے نمازیوں میں تفرقہ اور جھگڑے کا باعث بن جائے گا اس لئے گرانی مذکور کے علاوہ غیر زبان عربی میں خطبہ پڑھنے کے قائلین کی تعداد بھی یہاں بہت کم اور برائے نام ہے متولیوں کی طرف سے امام صاحب کو اس کی بھی اطلاع دیدی گئی کہ اگر نمازیوں کے سامنے کچھ بیان فرمانا چاہتے ہیں تو شب جمعہ کے بعد نماز عشاء کے جس میں بھی صد ہا نمازیوں کی تعداد ہوتی ہے صحیح صحیح خطبہ کا مطلب سادگی کے ساتھ بیان فرمادیا کریں اور متولیوں نے یہ بھی آپس میں قرار دے لیا تھا کہ اگر امام صاحب کی خواہش ہوگی تو ان کو بعد فراغ جمعہ بیان کرنے کا موقع دیدیا جائے گا اس صورت میں بہت پہلے سے آنے والے اور بھوک سے گھبرا جانے والے جو چاہیں گے جاسکیں گے ان پر کوئی جبر نہیں پڑے گا۔ برخلاف ان کی اختیار کردہ صورت کے کہ اس میں سب کو بخیاں ادائے جمعہ خواہ مخواہ مجبوراً رکنا پڑتا ہے پس ارشاد ہو کہ صورت مسئلہ میں متولیان مسجد کا امام موصوف کو عمل مذکور سے روک دینا شرعاً درست ہے یا نہیں۔ فقط بینوا تو جروا؟

الجواب ومنہ الصدق والصواب۔ سوال میں امام جمعہ کی چند کوتاہیوں کا ذکر کیا گیا ہے سب کی سب احکام شریعت کے خلاف ہیں وہ احکام ان روایات میں ہیں۔

الاولی۔ عن عمار قال سمعت رسول الله ﷺ يقول ان طول صلوة الرجل وقصر خطبة مئة من فقهه فاطيلوا الصلوة واقصروا الخطبة الحديث رواه مسلم (باب الخطبة والصلوة) قلت معنى قوله عليه السلام طول صلوة الرجل يعنى بالإضافة الى الخطبة فان الطول الثقيل قد نهى عنه كما سيأتى عن قريب۔

الثانية۔ فى الدر المختار باب الجمعة ويسن خطبتان خفيفتان وتكره

زيادتهما على قدر سورة من طوال المفصل في ردالمحتار عن القهستاني وزيادة التطويل مكروهة اه قلت والتقدير بسورة من الطوال يراد به التطويل الغير الثقيل كما في الدرالمختار باب التراويح عن المجتبى عن الإمام لو قرء ثلاثا قصارا واية طويلة في الفرض فقد احسن ولم يسي فما ظنك بالتراويح اه وبالجمله رعاية الخفيف واجبة على كل حال -

الثالثة. عن ابي هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا صلى احدكم للناس فليخفف فان فيهم السقيم والضعيف والكبير واذا صلى احدكم لنفسه فيطول ما شاء متفق عليه عن قيس بن ابي حازم في حديث طويل قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان منكم منفرين الحديث متفق عليه (باب ما على الإمام)

الرابعة. في الدرالمختار باب الإمامة ويكره تحريما تطويل الصلوة على القوم زاد عمل اعلى قدر السنة في قراءة واذا كار الخ قلت أنظر ما قد سبق تحت الرواية الثانية وفي الدرالمختار فصل الإمامة في مقدرا والقراءة المسنونة واختار في البدائع عدم التقدير وانه يختلف بالوقت والقوم والإمام وفي ردالمحتار عن البدائع والجمله فيه انه ينبغي للإمام ان يقرء مقدار ما يخف على القوم ولا يثقل عليهم بعد ان يكون على التمام وهكذا في الخلاصة اه

الخامسة. عن النعمان بن بشير في حديث طويل قال رسول الله صلى الله عليه وسلم فمن اتقى الشبهات استبرأ لدينه وعرضه ومن وقع في الشبهات وقع في الحرام كالراعى يرعى حول الحمى يوشك ان يرتع فيه الحديث متفق عليه.

السادسة. في الدرالمختار فصل في القراءة ويكره التعيين كالسجدة وهل اتى بفجر كل جمعة بل يندب قراءتهما احيانا في ردالمحتار تحت قوله بل يندب بعد كلام طويل حاصل معنى كلام هذين الشيخين بيان وجه الكراهة في المداومة وهو انه ان راي ذلك حتما يكره من حيث تغيير الشرع والا يكره من حيث إيهام الجاهل الخ.

السابعة۔ فی الدر المختار باب سجود التلاوة و سجدة الشکر مستحبة به یفتی لکنها تکرہ بعد الصلوة لان الجهلة یعتقدونها سنة او واجبة فکل مباح یؤدی الیه فمکروه اه فی ردالمحتار تحت قوله فمکروه الظاهر انها تحریمة لانه یدخل فی الدین مالیس منه والأحادیث کلها من المشکوة۔

ان روایات حدیثیہ و فقہیہ سے یہ امور مستفاد ہوئے۔

(۱) خطبہ کا نماز سے زیادہ طویل کرنا خلاف سنت ہے اور خلاف سنت پر دوام کرنا کراہت کو شدید کر دیتا ہے۔ (۲) امام کو ایسا فعل کرنا جس سے جماعت کو تنگی و گرانی ہو سخت مذموم ہے۔ (۳) کوئی ایسا کام کرنا کہ فی نفسہ مباح ہو مگر بظن غالب وہ مفضی ہو جاوے کسی منکر شرعی کی طرف سخت قبیح ہے۔ جب امام کے افعال کا ان احکام کی خلاف ہونا ثابت ہو گیا اور صاحب قدرت کو بالعمیل روکنا واجب ہے جیسا نصوص میں تصریح ہے اور متولیان مسجد صاحب قدرت ہیں لہذا ان پر واجب ہے کہ ان منکرات کا انسداد کریں۔ واللہ اعلم۔ کتبہ اشرف علی ۲/ ذی الحجہ ۱۳۵۵ھ (النور شعبان ۵۸ھ ص ۸)

لنگڑے کی امامت کا حکم

سوال (۳۱۳) لنگڑے کی امامت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب۔ اگر پاؤں سیدھا نہ کھڑا ہوتا ہو تو مکروہ تنزیہی ہے۔ کذا فی ردالمحتار۔

یکم صفر ۱۳۲۹ھ (تمہ اولیٰ ص ۳۳)

بعذر اکڑو بیٹھنے والے کی امامت

سوال (۳۱۴) ایک شخص حافظ قرآن بھی ہیں اور علم بھی اس قدر رکھتے ہیں کہ مقتدیوں میں ان کے برابر کوئی نہیں۔ اور سن رسیدہ اور صاحب تقویٰ بھی ہیں مگر گھٹنے میں درد کے سبب تشہد پڑھنے کیلئے بیٹھتے وقت اکڑو ہو کر بیٹھتے ہیں اس طرح پر کہ دونوں ران ساقوں سے الگ رہتی ہیں مگر دونوں ہاتھ بدستور رانوں پر رکھتے ہیں اور باقی رکنوں و واجبات و سنن و مستحبات کو بدستور ادا کرتے ہیں اس شخص کی امامت باوجود مقتدیوں میں تندرست و نیز حافظ قرآن لوگ موجود رہتے ہوئے درست ہے یا نہیں یا مکروہ ہوگی اور اگر مکروہ ہو تو کون سی مکروہ تحریمی یا تنزیہی اور اگر مکروہ بھی نہ ہو تو ترک اولیٰ ہے یا نہیں اور مقتدیوں میں جو حافظ لوگ موجود ہیں ان میں کوئی بھی شخص مذکور کے علم و فضل میں برابر نہیں ہے اور سن میں بھی کم ہیں بعض بھتیجے ہیں بعض برادر خورد ہیں؟

الجواب۔ اس شخص کی امامت بلا کراہت درست ہے۔ فی الدر المختار و قائم
بأحدب الی قوله و کذا بأعرج وغیرہ اولی باب الامامة۔
۵/ربیع الثانی ۱۳۳۰ھ (تمہ اولی ص ۴۱)

جواز امامت قاعد کہ بر قیام قادر نباشد مع استحباب ترک امامت آں

سوال (۳۱۵) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ میں
ایک روز مسجد میں تھا اور وقت مغرب کا ہو گیا اذان ہو رہی تھی کہ حافظ صاحب بھی آگئے مگر استنجاء
اور وضو کرتے ہوئے ان کو دیر بہت ہو گئی مسجد کے ملا نے مجھے نماز پڑھانے کو کہا پہلے تو میں نے
عذر کیا پھر وقت کے تنگ ہونے کی وجہ سے نماز پڑھانے کو بیٹھ (۱) گیا تکبیر ہو رہی تھی کہ ایک شخص
نے کہا کہ نماز اس کے پیچھے جائز نہیں کیونکہ دوسرا حافظ تندرست موجود ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ بعض
دفعہ کمترین کو بے پڑھے آدمی تنگ کرتے ہیں نماز پڑھانے کو لاچار ہو کر نماز پڑھانی پڑتی ہے۔
اب امیدوار ہوں کہ جائز ہو تب بھی ناجائز ہو تب بھی آنجناب کے دستخط درکار ہیں کیونکہ سب
کھٹکا جاتا رہے۔

الجواب۔ فی الدر المختار و قائم بقاعدیر کع ویسجد و قائم بأحدب وان
بلغ حدبہ الرکوع علی المعتمد و کذا بأعرج وغیرہ اولی باب الإمامة۔
اس روایت سے معلوم ہوا کہ تمہاری امامت جائز ہے لیکن بہتر یہ ہے کہ جب تک دوسرا
اچھا امام میسر ہو جب تک نہ پڑھاؤ۔ ۱۸/ذیقعدہ ۱۳۳۱ھ (تمہ ثانیہ ص ۹۵)

پابندی جماعت کے لئے بالغ لڑکے کو مارنے کا حکم

سوال (۳۱۶) ایسا لڑکا بالغ جو پابند جماعت نماز نہیں یعنی کبھی تو شریک ہوتا ہے اور کبھی
ناغہ بھی کر دیتا ہے اس کی تاکید پابندی میں مارنا شرعاً کیسا ہو گا شبہ یوں ہو گیا کہ جناب رسول
مقبول ﷺ کی عادت شریفہ تھی اختار ایسر الأمرین مالم یکن اثماً؟

الجواب۔ اگر اس حدیث کے یہ معنی ہوتے تو فاضل ربوہم علی الصلوٰۃ وہم أبناء
عشر سنین نہ فرماتے اور جماعت بھی واجب ہے جو عملاً مساوی فرض کے ہے اور ضرب احکام
عملیہ سے ہے۔ فقط۔ ۴/ذی الحجہ ۱۳۳۰ھ (تمہ اولی ص ۴۲)

(۱) یہ سائل معذور ہے کھڑا نہیں ہو سکتا ۱۲ منہ

تعدیہ کراہت صلوٰۃ امام بمقتدی

سوال (۳۱۷) امام کی اگر نماز مکروہ ہوگی تو مقتدی اس کراہت سے بچیں گے یا نہیں؟
 الجواب۔ اس باب میں کوئی روایت نہیں ملی لیکن قواعد سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ اگر کراہت کسی فعل داخل فی الصلوٰۃ سے ہے مثلاً ترک واجب یا فعل زائد تب تو وہ کراہت صلوٰۃ مقتدی تک متعدی ہوگی کیونکہ اس صورت میں اس کی نماز ہی مکروہ ہوئی و صلوٰۃ متضمنہ لصلوٰۃ المقتدی اور اگر کسی امر خارج عن الصلوٰۃ سے ہے جیسے کسی ہیئت غیر مشروعہ سے تو وہ متعدی نہ ہوگی کیونکہ اس وقت نماز مکروہ نہیں ہوئی ایک جداگانہ فعل مکروہ ہے گویا شخص کا امام بنانا مکروہ ہو۔
 ۱۲ شعبان ۱۳۳۱ھ (تمتہ ثانیہ ص ۶۳)

حکم امامت معذور بوقت انقطاع عذر

سوال (۳۱۸) معذور شرعی کو باوجود شرط معذوریت بوقت افاقہ اس قدر کہ نماز ادا کر سکتا ہے امامت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب۔ فی الدر المختار باب الإمامة ولا طاهر بمعذور هذا إن قارن الوضوء الحدث أو طراً بعده وصح لو توضأ وصلى كذلك ۵۔ اس سے ثابت ہوا کہ صورت مسئلہ میں امامت جائز ہے۔ ۴ ذیقعدہ ۱۳۳۲ھ (تمتہ ثانیہ ص ۱۸۰)

حکم اقتداء مر امام را چوں امام قبل از تمام مؤتم تشهد قیام کند یا سلام دہد

سوال (۳۱۹) اگر مسبوق قعدہ اولیٰ میں شریک جماعت ہو اور جیسے وہ شریک ہو ویسے ہی امام تیسری رکعت کے لئے اٹھ بیٹھے تو مسبوق کو بھی امام کی متابعت کرنا چاہئے یا نہیں اور اگر مسبوق نے التحیات شروع کر دی تھی تو التحیات کو ختم کر کے اٹھے یا فوراً امام کے ساتھ اٹھ بیٹھے؟

الجواب۔ تشهد ختم کر کے اٹھے۔ فی الدر المختار فصل صفة الصلوٰۃ بخلاف سلامہ او قیامہ لثالثہ قبل اتمام المؤتم التشهد فانه لا يتابعه بل يتمه لوجوبه فی رد المحتار و شمل بإطلاقهما مالو اقتدی به فی أثناء التشهد الاول أو الأخير فحين قعد قام إمامه وسلم الى قوله ثم رأيتہ فی الأخيرة ناقلاً عن ابی الیث الخ ج ۱ ص ۵۱۷۔ ۶ رجب ۱۳۳۲ھ (تمتہ ثانیہ ص ۱۵۱)

حکم سلام مقتدی قبل سلام امام

سوال (۳۲۰) مقتدی آخری قعدہ میں آدھی التحیات کے بعد اور امام کے سلام پھیرنے کے پہلے وضو جانے کے خوف سے یا اس کے درمیان میں مرغوں کے غلہ کو کھایا یا کسی اور چیز کا نقصان ہوا امام کے پہلے سلام پھیرنے سے نماز صحیح اور درست ہوگی یا نہیں۔؟

الجواب۔ قعدہ اخیرہ بقدر تشہد کے فرض ہے جب اس نے آدھی التحیات پر سلام پھیر دیا بوجہ ترک فرض کے نماز فاسد ہوگئی اور اگر پوری التحیات کے بعد مگر قبل امام سلام پھیر دیا تو فرض نماز تو ادا ہوگئی لیکن بلا عذر ایسا کیا تو مکروہ کا ارتکاب کیا بوجہ ترک متابعت واجبہ کے اور اگر بعد از ایسا کیا تو کراہت بھی نہیں اور خوف حدث عذر ہے اور نقصان چیز کا اس باب میں عذر ہونا مصرح نہیں دیکھا۔

فی رد المحتار لو أتم المؤتم التشهد بان أشرع فيه وفرغ منه قبل إتمام إمامه فأتى بما يخرج من الصلوة كسلام أو كلام أو قيام جاز أي صحت صلاته لحصوله بعد تمام الأركان إلى قوله وإنما كره للمؤتم ذلك لتركه متابعة الإمام بلا عذر فلو به كخوف حدث أو خروج وقت الجمعة أو مرور مار بين يديه فلا كراهة ج ۱ ص ۵۴ ۱۰/ رمضان ۱۳۳۲ھ (تمتہ ثانیہ ص ۱۶۱)

حکم اقتداء بہ احدب

سوال (۳۲۱) کوز پشت امام کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟

الجواب۔ جائز ہے۔ لما فی الكنز وقائم بقاعد وبأحدب وبسط القول فيه فی البحر الرائق ج ۱ ص ۳۸۶ و ۳۸۷-۱۲/ ربيع الثاني ۱۳۳۳ھ (تمتہ ثالثہ ص ۲۸)

حکم امامت ولد الزنا کہ عالم باشد

سوال (۳۲۲) امامت ولد الزنا، طوائف زادہ کی عند الشرع بلا کراہت جائز ہے یا نہیں۔ شخص مسئول عنہ تائب ہو کر علوم دینیہ سے فارغ ہوا ہے لیکن اہل شہر اس سے بوجہ علم اس بات کے کہ وہ طوائف زادہ ہے اور ایک عرصہ تک اس نے اسی شہر میں مزامیر وغیرہ ہمراہ طوائف کیا ہے اس کی امامت سے نفرت کرتے ہیں اور نہ اس کو اپنا امام بناتے ہیں تاہم ایسی حالت میں عبارت مذکورہ ہدایہ تنفیر جماعت عند الشرع موجود سمجھی جاوے گی یا نہیں یا عوام الناس کی تنفیر جو

کہ اس کی اصلیت سے پوری واقفیت رکھتے ہیں قابل اعتبار نہ ہو کہ بلا کراہت امامت ہو سکتی ہے یا نہیں اور بوقت موجودگی ایک شریف النسب کے (جو ضروری مسائل دینیہ سے پورا واقف ہے) فضیلت تقدیم کس کو ہے۔ آیا ولد الزنا کی جس سے لوگ نفرت کرتے ہیں تقدیم افضل ہے یا اس شخص شریف النسب کی جس سے لوگ خوش ہیں۔؟

الجواب۔ فی الدر المختار ویکرہ إمامة عبد الی قوله الا ان یکون ای غیر الفاسق أعلم القوم فهو اولی فی رد المحتار قوله ای غیر الفاسق تبع فی ذلك صاحب البحر حیث قال قید کراهة إمامة الأعمی فی المحيط وغیره بان لا یکون أفضل القوم فان کان أفضلهم فهو اولی اه ثم ذکر انه ینبغی جریان هذا القید فی العبد والأعرابی وولد الزنا ونازعه فی النهر بانه فی الهدایة علل الکراهة بغلبة الجهل فیهم وبان فی تقدیمهم تنفیر الجماعة ومقتضی الثانية ثبوت الکراهة مع انتقاء الجهل وفیه بعد السطر لکن مابحثه فی البحر صرح به فی الاختیار حیث قال ولو عدمت ای علة الکراهة بان کان الاعرابی أفضل من الحضری والعبد من الحر وولد الزنا من ولد الرشدة والأعمی من البصیر فالحکم بالضد اه ونحوه فی شرح الملتقی وشرح درر البحار ولعل وجهه ان تنفیر الجماعة بتقدیمه۔ یزول اذا کان افضل من غیره بل التنفیر یکون فی تقدیم غیره الخ۔ (ج ۱ ص ۵۸۵)۔

اس عبارت سے مفہوم ہوا کہ جہاں ولد الزنا کی امامت سے جماعت کو نفرت نہ ہو در صورت اس کے افضل ہونے کے وہ احق بالامامة ہے اور جہاں باوجود اس کے افضل ہونے کے بھی نفرت رہے تو علت کراہت یعنی نفرت کے بقاء کے سبب اس کی امامت مکروہ ہے۔ حیث علل کون الحکم بالضد بزوال التنفیر فحیث لم یزل التنفیر لا یکون الحکم بالضد بل یحکم بالاصل ای الکراهة پس صورت مسئلہ میں تقدیم شریف النسب کی افضل ہوگی۔ ۶/ رمضان المبارک ۱۳۳۳ھ (تمتہ ثالثہ ص ۶۸)

کراہت طویل کردن امام صلوٰۃ را۔

سوال (۳۲۳) ایک امام رکوع وسجود میں اس قدر دیر لگاتا ہے کہ مقتدی ۱۳ سے ۱۷ تک تسبیح رکوع وسجود پڑھ لیتے ہیں اور تشہد میں اس قدر تاخیر کرتا ہے کہ مقتدی التحیات ودرود

وغیرہ سے فارغ ہو کر اس سے زیادہ بہت دیر تک خاموش بیٹھے رہتے ہیں مقتدی بیوپاری اور پیشہ ور لوگ ہیں اس لئے یہ تاخیر مقتدیوں پر گراں اور شاق گزرتی ہے اور جب امام صاحب کو کہا جاتا ہے تو جواب اس کا یہ دیا جاتا ہے کہ نماز خشوع اور خضوع سے ہونی چاہئے۔ آیا یہ نماز بلا کراہت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب۔ فی الدر المختار ویکرہ تحریم تطویل الصلوة علی القوم زائدا علی قدر السنة فی قراءة واذکار رضی القوم اولا لا طلاق الامر بالتخفيف (نہر) وفی رد المحتار وقد تبع الشارح فی ذلك صاحب البحر واعترضه الشيخ اسماعیل بان تعلیل الامر بما ذکر یفید عدم الکراهة اذا رضی القوم اذا كانوا محصورین ویمکن حمل کلام البحر علی غیر المحصورین تأمل (ج ۱ ص ۵۸۶)۔

اس سے ثابت ہوا کہ صورت مسئلہ میں امام کی تطویل مکروہ تحریمی ہے اور خشوع و خضوع تطویل کو نہیں کہتے بلکہ اس تطویل سے تو مقتدیوں کا خشوع و خضوع فوت ہو جاتا ہے۔
۶/ رمضان ۱۳۳۳ھ (تمتہ ثالثہ ص ۷۰)

تحقیق عذر بودن خوف ضیاع مال در ترک جماعت احیاناً

سوال (۳۲۴) بندہ نے تجارت چرم شروع کی ہے مگر بندہ کو اس کا علم نہیں اس وجہ سے ایک دوسرا شخص جو اس کام سے خوب واقف ہے بغیر اصل مال کے محنت کا شریک کر لیا ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ بعض وقت نماز جماعت ادا نہیں ہو سکتی اس واسطے اگر بندہ نماز کے واسطے مسجد میں گیا اور بعد میں اس نے کچھ مال فروخت کر دیا اور قیمت دام اپنے پاس رکھ لئے اور بندہ کو نہ کہا اس عذر سے جماعت ترک کرنا اور اس قسم کی تجارت کرنا جائز ہے یا نہیں چونکہ بہشتی گوہر میں لکھا ہے کہ اگر عذر سے جماعت میں شامل نہ ہو تو جائز ہے اور یہ بظاہر ہمارے خیال میں ایک طرح کا عذر ہے لہذا حضور سے دریافت کیا جاتا ہے کہ جس کام سے کسی وقت کی جماعت اکثر فوت ہو تو وہ کام کرنا کیسا ہے۔ بینوا تو جروا۔؟

الجواب۔ فی الدر المختار فی اعدار ترک الجماعة او خوف علی ماله فی رد المحتار ای من لص ونحوہ اذالم یمکنه غلق الدکان او البیت مثلاً ج ۱ ص ۵۸۱ وفی العالمگیریۃ او ینخاف ضیاع ماله ج ۱ ص ۵۲۔ ان روایات سے اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے مگر اس کی عادت نہ کرے جب کوئی انتظام نہ کر سکے اس وقت معذور ہو سکتا ہے ورنہ اگر ممکن

ہو دکان بند کر کے جماعت میں حاضر ہو۔ یکم محرم ۱۳۳۲ھ (تمہ رابعہ ص ۵)

احوط بودن شرکت باز اعادہ برائے مقتدی صحیح
خواں خلف امام غلط خواں مجبوری و عذر شرعی

سوال (۳۲۵) ایک شخص قرآن صحیح پڑھتا ہے مگر بوجہ عذرنا سور (جو ہر وقت جاری رہتا ہے) وعدم قدرت علی القيام والجلوس موافق سنت امامت نہیں کر سکتا اور سب اس کے دیہ کے رہنے والے بقدر جواز صلوٰۃ قرآن نہیں پڑھ سکتے اب وہ کیا کرے ان کے ساتھ جماعت میں شریک ہوتا ہے تو اس کی نماز نہیں ہوتی اور وہ نماز پڑھا نہیں سکتا اس کو تقاعد عن الجماعة جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب۔ چونکہ عموم ابتلاء کے سبب بعض علماء ایسی اقتداء کو صحیح بتلاتے ہیں پس بنا بر احتمال صحت تخلف عن الجماعة محل وعید ہے اور بعض غیر صحیح بتلاتے ہیں اس بنا پر عدم صحت صلوٰۃ محل وعید ہے پس جمعاً بین الأدلۃ احتیاط یہ ہے کہ جماعت سے تقاعد نہ کرے اور بعد میں اپنی نماز کا اعادہ کر لے۔ ۶ ربیع الثانی ۱۳۳۲ھ (تمہ رابعہ ص ۲۱)

سوال (۳۲۶) بکر ایک مسجد کا امام ہے اور حافظ قرآن بھی ہے مگر قرآن بہت غلط پڑھتا ہے بعض الفاظ ایسے لپیٹ کے پڑھتا ہے کہ اگر کسی کو پہلے سے وہ الفاظ یاد نہ ہوں تو سمجھ میں نہ آئیں اس کے علاوہ بعض جگہ زبر کو ایسا بڑھا دیتا ہے کہ الف پیدا ہو جاتا ہے مثلاً فعقروا کو فعاقروا اور قد افلح کو قد افلحا وغیرہ پڑھ جاتا ہے بعض جگہ ساکن کو متحرک پڑھ دیتا ہے مثلاً اهدنا الصراط المستقیم کو اهدنا بکسر هاء بعض جگہ متحرک کو ساکن پڑھ دیتا ہے مثلاً اَلَمْ تَرَ کَیْفَ فَعَلَ کو اَلَمْ تَرَ کَیْفَ فَعَلَ بسکون عین پڑھتا ہے۔ اس کے علاوہ جا بجا درمیان میں وقف کر دیتا ہے اور وقف کے وقت آخر لفظ کو ساکن نہیں پڑھتا بلکہ ہمیشہ متحرک پڑھتا ہے اور پھر آگے چلتا ہے جس لفظ پر وقف کیا ہے اس کو دوبارہ نہیں پڑھ لیتا۔ ایسے حافظ قرآن کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے اگر اس کے پیچھے نماز مکروہ یا ناجائز ہو مگر لوگ اس کو امام بنائیں تو اس شخص کو کیا ترک جماعت کرنا چاہئے جو اس قسم کی سب غلطیوں سے بچتا ہو؟

الجواب۔ فی فتاویٰ قاضی خان۔ اما الخطأ فی الاعراب اذالم یغیر المعنی لا تفسد الصلوٰۃ عند الكل وان غیر المعنی تغیر فا احشا فسدت صلوٰۃ فی قول المتقدمین واختلف المتأخرون فی ذلك وما قاله المتقدمون احوط وما

قاله المتأخرون اوسع انتهى مختصراً وفيها ايضاً واما ترك المد ان لم يغير المعنى كما في قوله انا انزلناه انا اعطيناك لا تفسد صلواته اهـ. قلت وكذا المد فيما ليس فيه كما هو ظاهر۔ پس جو غلطیاں سوال میں مذکور ہیں چونکہ مغیر معنی نہیں اس لئے نماز ہو جاوے گی جو شخص ایسی غلطیوں سے محفوظ ہے اس کو ترک جماعت نہ چاہئے۔ واللہ اعلم۔

۱۸ ربیع الاول ۱۳۲۱ھ (امداد ص ۱۱۱ ج ۱)

معنی تراص والزاق در نماز با جماعت

سوال (۳۲۷) آج کل یہاں غیر مقلدی کا بہت زور شور ہو رہا ہے حتیٰ کہ نماز میں کہا جاتا ہے کہ ایڑی سے ایڑی اور چھنگلیا سے چھنگلیا ملا کر کھڑے ہوا کرو اور بہت لوگ کھڑے بھی ہوتے ہیں۔؟

الجواب۔ فی المشکوٰۃ باب تسویۃ الصف عن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رصوا صفوفکم وقاربوا بینہا وحاذوا بالاعناق الحدیث رواہ ابوداؤد وعن ابی امامۃ فی حدیث طویل قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سووا صفوفکم وحاذوا بین منا کبکم الحدیث رواہ احمد۔

حدیث اول میں رصوا کے بعد قاربوا آیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر تراص بمعنی مماسا اقدام وغیرہ لیا جاوے تو قاربوا کے منافی ہوگا کہ مقاربت چاہتا ہے عدم مماسا کو جیسا کہ ظاہر ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مقصود مقاربت ہے اسی کو مبالغہ تراص یا بعض حدیثوں میں الزاق فرما دیا اور آگے جو حاذوا آیا ہے گویا اسی کی تفسیر ہے اور اسی کو دوسری حدیث میں حاذوا بین منا کبکم سے تعبیر کیا ہے۔ وھذا ظاہر جدا۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

۲۹ رمضان ۱۳۲۳ھ (امداد ص ۷ ج ۲)

سوال (۳۲۸) یہاں ایک مولوی صاحب جو اپنا شمار اہل حدیث میں کرتے ہیں لیکن ایک بزرگ و سنجیدہ آدمی ہیں آج کل تشریف لائے ہیں نماز جماعت مسجد میں وہی پڑھاتے ہیں انہوں نے صف بندی میں الزاق الکعب بالکعب کو بہت رواج دیا ہے ہر شخص جماعت میں پیر کو اپنے پاس والے کے پیر سے چسپاں کرتا ہے اس میں چند فتور ہوتے ہیں اول درمیان دونوں پیر ایک آدمی کے فصل زیادہ ہو جاتا ہے دوسرے جس کا پیر چھوٹا ہے اور صف سے پیچھے معلوم ہوتا ہے یعنی اس کا مونڈھا مونڈھے سے نہیں ملتا تیسرے جب سجدہ میں جاتے ہیں تو سب کے پیر

اپنے مقام سے ہٹ جاتے ہیں پھر جب دوسری رکعت میں کھڑے ہوتے ہیں تو پیروں کی طرف ملتفت ہو کر ان کو دونوں طرف بڑھا کر ایک دوسرے سے ملاتے ہیں اس التفات و حرکت غیر مامور بہا کو مکروہ خیال کر کے اپنے طریق پر قائم رہا اور ہوں بعض حضرات نے مجھ سے کہا تو میں نے جواب دے دیا کہ میرے فعل سے آپ کو کیا بحث لیکن ایک روز مولوی صاحب ممدوح نے اس پر مجھے ملامت کی اور کہا کہ تم تارک سنت مؤکدہ ہو میں نے کہا کہ اس کا سنت ہونا غیر ثابت ہے پس آپ مجھ پر افتراء کرتے ہیں یہ آپ کو مناسب نہیں۔ انہوں نے ثبوت میں روایت نعمان بن بشیرؓ کی جس کا جزویہ ہے رأیت الرجل منایلزق منکبه بمنکب صاحبه و کعبه بکعبه اور روایت حضرت انسؓ کی فکان احدنا یلزق منکبه بمنکب صاحبه و قدمه بقدمه فی الصف رواه البخاری۔ پیش کی میں نے کہا حدیث اول سے مواظبت نہیں نکلتی اور حدیث ثانی سے الزاق الکعب کا استدلال صحیح نہیں بہت ناراض ہوئے پھر کہلا بھیجا کہ اپنے شبہات تحریراً پیش کرو میں آپ کا اطمینان کر دوں گا میں نے ایک جزو میں تقریر لکھ کر بھیج دی جواب آج تک نہیں دیا اس شبہ میں تمام لوگ پھر الزاق الکعب کے تارک ہو گئے۔ اب آپ سے عرض ہے کہ اس بیان کو مفصلاً تحریر فرمائیے کہ میرا اور لوگوں کا اطمینان ہو جاوے۔؟

الجواب۔ اس باب میں مختلف الفاظ سے روایات آئی ہیں بخاری کے الفاظ تو سوال ہی میں مذکور ہیں اور سنن ابوداؤد میں نعمان بن بشیرؓ سے یہ الفاظ آئے ہیں۔ قال فرأیت الرجل یلزق منکبه بمنکب صاحبه و رکبته برکبة صاحبه و کعبه بکعبه۔ اور حضرت انسؓ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً یہ الفاظ ہیں قاربوا بینہما و حاذوا بالاعناق اور عبد اللہ بن عمرؓ سے مرفوعاً یہ الفاظ ہیں۔ حاذوا بالمناکب اور یہ امر یقینی ہے کہ ان سب عبارات کا معبر عنہ ایک ہی ہے اسی کو کہیں الزاق سے تعبیر کر دیا کہیں مقاربت سے کہیں محاذاة سے اس سے معلوم ہوا کہ محاذاة و مقاربت ہی کو الزاق کہہ دیا ہے مبالغۃ فی المقاربة دوسرے اگر الزاق کے معنی حقیقی لئے جاویں تو الزاق المناکب اور الزاق الکعب اس صورت متعارفہ معتادہ میں مجتمع نہیں ہو سکتے کہ مصلیٰ اپنے قدمین میں خوب انفرج رکھے کیونکہ اس میں الزاق الکعب تو ہوگا لیکن الزاق المناکب نہ ہوگا جیسا کہ ظاہر اور مشاہد ہے اور کوئی وجہ نہیں کہ الزاق الکعب کو مقصود سمجھا جاوے اور الزاق المناکب کی رعایت نہ کی جاوے کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ الزاق المناکب اصل ہے اور الزاق الکعب غیر مقصود۔ تیسرے الزاق الکعب کی جو صورت بھی لی جاوے الزاق الرکب کے ساتھ اسکے تحقیق کی کوئی صورت نہیں کیونکہ رکبہ بمعنی زانو کا الزاق دوسرے رکبہ سے جب

ہو سکتا ہے کہ دو شخص باہم متقابل اور متواجب ہوں جیسا کہ ظاہر ہے البتہ محاذ اہ رکب میں ہر حال میں ممکن ہے ان وجوہ سے ثابت ہوا کہ جس الزاق کا دعویٰ کیا جاتا ہے حدیث اس پر دلالت نہیں کرتی بلکہ فرجات چھوڑنے کی ممانعت سے اس کی نفی ہوتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم۔

۹/ شوال ۱۳۲۳ھ (امداد ص ۸ ج ۲)

تحقیق صحت اقتداء در مسجد کبیر باوجود فصل کثیر

سوال (۳۲۹) گزارش خدمت میں یہ ہے کہ بہشتی گوہر مطبوع مجتہائی ص ۵۵ کے مسئلہ نمبر ۷ میں ہے اگر مسجد بہت بڑی ہو اور اسی طرح اگر گھر بہت بڑا یا جنگل ہو اور امام و مقتدی کے درمیان اتنا خالی میدان ہو کہ جس میں دو صفیں ہو سکیں تو یہ دونوں مقام یعنی جہاں مقتدی کھڑا ہے۔ اور جہاں امام ہے مختلف سمجھے جائیں گے۔ اور اقتداء درست نہ ہوگی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ گرمی کے موسم میں جو خانہ کعبہ کے متصل پورپ کی طرف امام کھڑا ہوتا ہے۔ دو ایک صف بھی ان کے ساتھ کھڑی ہوتی ہے۔ ان کی اقتداء تو صحیح ہو جاتی ہے۔ اور بہت سی صفیں بیس پچیس صف کے فاصلہ پر کھڑی ہوتی ہیں۔ درمیان میں خالی جگہ پڑی رہتی ہے ان کی اقتداء صحیح نہیں ہوتی ہے اب مقصود سوال یہ ہے کہ چند سال تک بندہ کا وہاں قیام رہا۔ اور نماز فاصلہ والی جماعت میں شرکت کر کے پڑھی ہے۔ اب اگر وہ اقتداء صحیح نہ ہو تو نماز درست ہوئی یا نہیں۔ اگر درست نہ ہوئی تو کیا کرنا چاہئے۔ ڈھا کہ بعض علماء سے دریافت کیا تھا تشفی بخش جواب نہیں ملا۔ حضرت جو فرماویں اس کو انشاء اللہ کام میں لاؤں گا۔

الجواب۔ بہت بڑی مسجد کی مثال در مختار وغیرہ میں مسجد قدس لکھی ہے۔ سو مسجد حرام اتنی بڑی نہیں ہے۔ اس لئے وہاں کوئی اشکال نہیں اور ردالمحتار میں نوازل سے جامع قدیم خوارزم کو بھی مثال میں لائے ہیں۔ اور اس کا وصف یہ لکھا ہے۔ فان ربعہ کان علی اربعة آلاف اسطوانة اور جامع قدس کی تفسیر میں لکھا ہے اعنی مایشمل علی المساجد الثلاثة الاقصی والصخرة والبیضاء کذا فی البزازیة۔ اس پر بھی وہی تفریع ہے واللہ اعلم اور عالمگیر یہ باب خامس فی الامامة کے فصل رابع میں مسجد میں علی الاطلاق فصل کو غیر مانع عن الاقتداء کہا ہے۔ گو کتنی ہی بڑی مسجد ہو۔ عبارتہا والمسجد وان کبر لا یمنع الفاصل فیہ کذا فی الوجیز للکدوری۔ سو بہشتی گوہر کا مسئلہ ایک روایت پر محتاج تفصیل اور دوسری روایت پر غیر معمول بہ ہے۔ اشرف علی ۲۳/ رمضان ۱۳۵۶ھ (النور ص ۱۰) جمادی الثانی ۱۳۵۷ھ

حکم جواز صلوٰۃ خلف امام فاسق وعدم کراہت در حالت اضطرار

سوال (۳۳۰) پیش امام جامع مسجد کہ ہزار ہا مخلوق در آنجا نمازی کنند مرد جاہل در بواخوار و بخیل و بے تقویٰ و متعلق و کاذب و حارس و غیرہ و غیرہ ہست در جماعت عالم و فاضل وزاہد و عابد و قاری و متقی داخل اند پس آں نماز ایشان چگونہ است اکثر قوم ناراض اند صرف از طرف حکومت بطریق وراثت آں پیش امامے مقرر شدہ است ہمہ مردمان از طرف حکومت مجبور اند شرعاً چہ باید کرد۔؟

الجواب۔ صبر باید کرد مخالفت با حکومت نازیباست و چون مقتدیان بر عزل امام قادر نیستند پس ایں ہمہ کراہت بر امام خواہد بود نماز مقتدیان بلا کراہت صحیح خواہد ماند (تمتہ اولی ص ۳۱۵)

جواز تقدیم مقتدی از خود وقت حدث امام در نماز

سوال (۳۳۱) زید امام نے نماز پڑھائی کسی رکعت میں اس کو حدث ہوا چونکہ اس کی پشت کے پیچھے کوئی مقتدی نماز پڑھانے کے لائق نہ تھا اسلئے اس نے نماز چھوڑ کر علیحدہ ہونا چاہا جماعت کے داہنے بائیں طرف امام سے دس پندرہ نمازیوں سے پرے ایک شخص نماز پڑھانے کے لائق کھڑا تھا وہ یہ دیکھ کر کہ امام کا وضو ٹوٹ گیا سب نمازیوں کے سامنے کو گزر کر امام کی جگہ آ کھڑا ہوا اور نماز پڑھائی۔ کیا اس صورت میں نماز سب کی صحیح ہوئی یا نہیں۔ فقط۔؟

الجواب۔ صحیح ہوگئی۔ فی الدر المختار باب الاستخلاف ولم يتقدم احد ولو بنفسه فی رد المحتار اشار الی انه يصير خليفة اذا قدمه الامام او احد القوم او تقدم بنفسه كما قدمناه عن النهر۔ فقط کیم جمادی الاولیٰ ۱۳۲۲ھ (امداد ص ۵۰ ج ۱)

تفصیل حکم دعاء کردن در سجدہ وغیرہ بزبان غیر عربی برائے غرض دنیوی و اخروی

سوال (۳۳۲) ایک خط در بارہ دعاء اندرون نماز ایک صاحب کے پاس ایک عالم کے یہاں سے آیا ہے جو ہمرشتہ عریضہ ہذا ارسال خدمت کرتا ہوں چونکہ مجھ کو اس کے مضمون میں شک ہے لہذا مکلف خدمت عالی ہوں کہ سوالات ذیل کے جواب باصواب سے معزز فرمایا جاوے۔ (۱) فرض یا سنت نماز میں سجدہ یا کسی دوسرے رکن میں عربی یا کسی دوسری زبان میں کوئی دعاء غیر منقول دنیا و آخرت کے لئے مانگنا جائز ہے یا نہیں۔؟ (۲) دوران نماز میں مطلقاً

کوئی دعاء مفسد نماز ہے یا نہیں خاص کر سجدہ میں بعد تسبیح (اس خط کی نقل یہ ہے) سجدہ میں دعا کرنے کے متعلق صاف حدیثیں ہیں ہاں یہ سچ ہے کہ تسبیح کے علاوہ یہ ہیں اور تسبیح مقدم ہے مشکوٰۃ کتاب الصلوٰۃ باب السجود میں ہے۔

كان النبي صلى الله عليه وسلم يقول في سجوده اللهم اغفر لي ذنبي كله دقه وجله واوله واخيره وعلايته وسره رواه مسلم اور مسلم میں ہے (دیکھو مشکوٰۃ کتاب الصلوٰۃ باب السجود) قال قال رسول الله ﷺ اقرب ما يكون العبد من ربه وهو ساجد فاكثروا الدعاء۔ یہاں سجدوں میں خصوصیت سے کثرت دعاء کا حکم دیا ہے اس کے علاوہ اور بھی احادیث ہیں مگر یہ دو کافی ہیں رسول اللہ ﷺ کا عمل بھی ہے کہ دعاء سجدہ میں علاوہ تسبیحات ماثورہ کے مانگتے تھے اور یہ حکم بھی ہے کہ دعاء سجدہ میں بہت مانگا کرو جب دعاء کا حکم ہے تو جس زبان میں انسان چاہے مانگے ایک شخص عربی نہیں جانتا تو وہ اپنی زبان میں ہی دعاء مانگ کر اس حکم کو پورا کر سکتا ہے مسلمانوں کی نمازیں اسی لئے بے اثر ہو گئی ہیں کہ نمازیں اور بالخصوص سجدوں میں کثرت دعاء سے کام نہیں لیتے آھ۔؟

الجواب۔ ومنه الصدق والصواب۔ اولاً مقدمات ذیل معروض ہیں مع ان کے دلائل کے (۱) دعاء کا اطلاق حمد پر بھی آیا ہے۔ عن جابر قال قال رسول الله ﷺ افضل الذكر لا اله الا الله وافضل الدعاء الحمد لله رواه الترمذی وابن ماجه مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۹۲۔ (۲) اصل نماز فرض میں جماعت ہے واصل جماعت میں تخفیف ہے۔ عن ابی هريرة قال قال رسول الله ﷺ اذا صلى احدكم للناس فليخفف فان فيهم السقيم والضعيف والكبير واذا صلى احدكم لنفسه فليطول ماشاء متفق عليه مشکوٰۃ ج ۱ ص ۹۳۔ (۳) تطويل صلوٰۃ وادعية طويلة بقرينة مقدمه نمبر ۲ نوافل کے ساتھ مخصوص ہے۔ ويؤيده ما روى عن محمد بن مسلمة قال ان رسول الله ﷺ اذا قام يصلي تطوعاً قال الله اكبر الى قوله اللهم انت الملك لا اله الا انت سبحانك وبحمدك ثم يقرأ رواه النسائي مشکوٰۃ ج ۱ ص ۷۰ (۴) اصل اور سنت مستمرہ رکوع اور سجود میں تسبیح ہے۔ عن حذيفة انه صلى مع النبي ﷺ وكان يقول في ركوعه سبحان ربی العظيم وفي سجوده سبحان ربی الاعلى الحديث رواه الترمذی وابو داؤد والدارمی والنسائی وابن ماجه ص ۷۵ ج ۱ مشکوٰۃ۔ (۵) اصل محل دعاء کا نماز میں قعدہ کی حالت ہے بعد درود شریف کے عن فضالة بن عبيد قال بينما رسول الله ﷺ قاعد اذ

دخل رجل فصلی فقال اللهم اغفر لی وارحمنی فقال رسول الله ﷺ عجلت
ایہا المصلی اذا صلیت فقعدت فاحمد الله بما هو اهلہ وصل علی ثم ادعه
قال ثم صلی رجل اخر بعد ذلك فحمد الله و صلی علی النبی ﷺ فقال له
النبی ﷺ ایہا المصلی ادع تجب رواہ الترمذی وروی ابو داؤد والنسائی
نحوہ مشکوٰۃ ج ۱ ص ۷۸۔

ان مقدمات میں تامل کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ فریضہ کے سجدہ میں دعاء کی عادت کرنا
خلاف قواعد سنت ہے کئی وجہ سے اول وہ موجب ہے تطویل صلوٰۃ کو جو فریضہ میں حالت جماعت
میں ناپسند ہے اور ترک جماعت خود ناپسند ہے خصوص جب کہ دعاء کے اس ادب کو بھی ملحوظ رکھا
جاوے جس کا اہتمام وارد ہے کہ اس کے قبل درود شریف بھی ہو یہ سب ملکر تو بہت ہی تطویل ہو
جاوے گی۔ دوسرے تغیر ہے محل دعاء کی کہ حالت قعود کی ہے۔ تیسرے عدول ہے اصل وظیفہ سجود
سے کہ اکتفاء ہے تسبیح پر جیسا ظاہر نصوص کا مقتضا ہے اور سنن مؤکدہ بہت احکام میں مشابہ فرض
کے ہیں تو اس میں بھی احتیاطاً اس کے ساتھ ملحق کہی جاویں گی۔ پس جن احادیث میں دعاء فی
السجود وارد ہے یا تو محمول ہے فعل احیاناً پر اور یا نوافل پر اور بعض محمول ہو سکتی ہیں مطلق حمد و ثناء و
تسبیح پر تا کہ نصوص و روایات اور ان کے مقتضیات و قواعد میں تعارض نہ ہو تو یہ گفتگو تھی مطلق دعاء
میں اب خصوصیت سے باقی رہی بحث دعاء بغیر العربیہ فی الصلوٰۃ کی سوفقہاء نے اس سے مع نقل
اثر کے تعرض کیا ہے چنانچہ درمختار میں ہے۔ ودعا بالعربیۃ و حرم بغیرہا نہر۔ ردالمختار
میں ہے قال فی غرر الأفكار شرح درر البحار فی هذا المحل و کرہ الدعاء
بالعجمیۃ لان عمر نہی عن رطانة الاعاجم اھ الی قوله ولا یبعد ان یکون
الدعاء بالفارسیۃ مکروہا تحریمہا فی الصلوٰۃ وتنزیہا خارجہا ج ۱ ص ۵۴۳۔
اس روایت سے معلوم ہوا کہ نماز کے اندر غیر زبان عربی میں دعاء کرنا یا حرام ہے یا مکروہ تحریمی
اور حضرت عمرؓ کا اثر اسی پر محمول ہے اور نیز یہ وجہ بھی ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی کسی عجمی
کو اس کی اجازت نہیں دی اور رہا یہ کہ بے سمجھے دعاء میں حضور نہ ہوگا سو ایسی مختصر دعاؤں کا جو کہ
نماز میں اپنے محل پر پڑھی جاتی ہیں کسی سے پوچھ کر ترجمہ یا اس کا حاصل معلوم کر لینا اور اس کا
استحضار کیا دشوار ہے ورنہ اسی عذر سے شدہ شدہ بجائے قرآن مجید کے اس کا ترجمہ نماز میں
پڑھنے کی رائے دی جانے لگے گی۔ ۲۹ ربیع الآخر ۱۳۳۲ھ (تمتہ رابعہ ص ۲۷)

عدم کراہت امامت در نماز فجر و ظہر و عشاء بدون اداء سنن قبلیہ

سوال (۳۳۳) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ وقت فجر و ظہر و عصر یا عشاء قبل فرض مقتدی سنتیں پڑھ چکے ہوں اور امام صاحب نے بے سبب کسی عذر یا بلا عذر نہ پڑھی ہو جماعت میں کوئی شبہ کراہت تو نہ ہوگا۔؟

الجواب۔ نہیں۔ ۱۹ رذی الحجہ ۱۳۳۸ھ (حوادث خامسہ ص ۳۷)

جامع مسجد کی فضیلت

سوال (۳۳۴) (۱) جامع مسجد میں پنج وقتی نماز با جماعت پڑھنا افضل ہے یا محلہ کی مسجد میں پڑھنا با جماعت افضل ہے۔ (۲) اور یہ فضیلت مختص بصلوٰۃ جمعہ ہے (۳) یا عام ہے۔

الجواب۔ (۱) محلہ کی مسجد میں (۲) ہاں غیر اہل محلہ کے لئے (۳) ہاں اہل محلہ کے لئے۔

۶ رمضان ۱۳۳۰ھ۔

فقط۔

حکم خواندن نمازیان را برائے ادائیگی نماز در مسجد

سوال (۳۳۵) ہمارے محلہ میں یہ انتظام ہوا ہے کہ پنج وقتہ ہر آدمی کو نماز کے واسطے بلایا جاوے اس کے لئے چودہ آدمی مقرر کر دیئے ہیں جس وقت اذان ہوئی اسی وقت یہ سب آدمی آوازیں محلہ میں لگاتے ہیں کہ چلو نمازیوں نماز تیار ہے مسجد میں اذان ہوئی اور وہ اپنے اپنے گھروں سے نکل کر آدمیوں کو بلاتے ہوئے مسجد میں آ جاتے ہیں ایسا کرنا درست ہے یا نہیں ایک مولوی صاحب نے فرمایا کہ یہ بدعت و مکروہ ہے۔

الجواب۔ مجھ کو بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ ۱۳۳۹ھ

سوال نمبر ۲۔ اور اگر بعد اذان کے مسجد ہی میں سے مؤذن یا اور آدمی نمازیوں کو بلانے جاوے تو بھی جائز ہے یا نہیں اور جائز ہے تو مکروہ وغیرہ تو نہیں ہے۔

الجواب۔ وہی حکم ہے۔ تارتخ بالا۔

باب ما یفسد الصلوٰۃ وما یکرہ فیہا

حکم تغنی بالقرآن در نماز

سوال (۳۳۶) اگر کوئی شخص قرآن شریف بطور راگ ادا کرے اس کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟

الجواب۔ اگر وہ پڑھنے والا محض تحسین صوت کرتا ہے تو عین خوبی ہے اور ایسے کے پیچھے نماز جائز بلکہ افضل ہے۔ عن البراء بن عازب قال سمعت رسول اللہ ﷺ يقول حسنوا القرآن باصواتکم فان الصوت الحسن تزيد القرآن حسنا رواه الدارمی اور اگر حرف اس قدر گھٹاتا بڑھاتا ہے کہ جس سے الفاظ و معانی متغیر و غلط ہو جاویں تو ایسے کی نماز خود بھی نہیں (۱) ہوتی مقتدیوں کی تو اس کے پیچھے کس طور ہوگی۔ عن حذیفہ قال قال رسول اللہ ﷺ اقرؤا القرآن بلحون العرب واصواتها وایاکم ولحون اهل العشق ولحون اهل کتابین وسیجی بعدی قوم یرجعون بالقرآن ترجیع الغناء والنوح لایجاوز حنا جرهم مفتونة قلوبهم وقلوب الذین یعجبهم شانهم رواه البیهقی فی شعب الإیمان ورزین فی کتابہ ۱۲ من المشکوۃ فی کتاب فضائل القرآن۔ واللہ اعلم (امداد ص ۱۶ ج ۱)

معنی کراہت قیام امام در محراب

سوال (۳۳۷) محراب مسجد کے علاوہ صحن مسجد میں محاذی محراب کھڑا ہو کر امام راتب کو جماعت کرانا جائز بلا کراہت ہے یا نہیں اور فقہاء کرام جو قیام محراب کو مکروہ لکھتے ہیں اس کے کیا معنی ہیں اور گرمی تبدل جماعت کے لئے عذر شرعی ہو سکتی ہے یا نہیں آنحضرت ﷺ سے

(۱) یعنی جبکہ معنی میں بھی تغیر اور فساد ہو جاوے۔ اور اگر صرف حروف گھٹ بڑھ جاویں اور معنی میں فساد نہ ہو تو گو نماز ہو

جاوے گی مگر کراہت شدید ہوگی۔ ۱۲ منہ

گرمیوں کے ایام میں صحن مسجد میں جماعت کرنا ثابت ہے یا نہیں بعض علماء میں رسم ہے کہ محراب مسجد میں کھڑے ہو کر جماعت کرنا ضروری جانتے ہیں خواہ کیسی ہی تکلیف ہو اور طبیعت باقاعدہ نماز کی طرف متوجہ ہو یا نہ ہو اس کی کوئی سند ہے یا نہیں۔؟

الجواب۔ فی رد المحتار (تنبیہ) يفهم من قوله اوالی ساریة کراهة قیام الإمام فی غیر المحراب ویؤیدہ قوله قبلہ السنة ان یقوم فی المحراب و کذا قوله فی موضع اخر السنة ان یقوم فی المحراب و کذا قوله وسط الصف الا ترى ان المحارب ما نصب الاوسط المساجد وهی قد عینت لمقام الإمام اه و الظاهر ان هذا فی الإمام الراتب لجماعة كثيرة اه لئلا یلزم عدم قیامه فی الوسط فلولم یلزم ذلك لایکرہ تأمل۔

اس (۱) عبارت سے صاف معلوم ہوا کہ محاذی محراب صحن میں کھڑا ہونا بلا کراہت جائز ہے بلکہ عبارت اخیرہ سے تو یہ مفہوم ہوتا ہے اگر محراب کے محاذ بھی نہ ہو مگر صف کا وسط ہو تب بھی جائز ہے پس معلوم ہوا کہ قول فقہاء میں محراب سے مراد وسط مساجد یا وسط صف ہے اب گرمی کا تبدیل مکان کے لئے عذر ہونا محتاج استفسار نہ رہا اور اس باب میں کوئی حدیث فعلی مرفوع نظر سے نہیں گزری البتہ قولی حدیث غالباً ابوداؤد میں ہے تو سطوا الإمام وسدوا الخلل اس سے بھی تائید حکم مذکور ہوتی ہے اور اگر حضور ﷺ کے غیر مسجد میں بحالت سفر نماز پڑھنے سے استدلال کیا جاوے کہ وہاں محراب ہی نہ تھی تو گنجائش ہے اور اس تقریر سے رسم مذکور فی السؤال کا بے اصل ہونا بھی ظاہر ہو گیا۔ (امداد ص ۳۵ ج ۱)

سوال (۳۳۸) مسجد کے در میں بوقت جماعت لوگوں کا کھڑا ہونا کیسا ہے اور جب محراب ایسی گہری ہو کہ امام بالکل اس میں چھپ جاوے تو امام کا ایسی محراب میں کھڑا ہونا کیسا ہے۔؟

(۱) شامی ص ۶۷۵ باب الامامة میں مذکور ہے۔ تنبیہ فی معراج الدراية من باب الامامة الاصح ما روی عن ابی حنیفة انه قال اکرمہ للإمام ان یقوم بین الساریتین اوزاویۃ اوناخیۃ المسجد اوالی ساریۃ لانه بخلاف عمل الامۃ اه وفيه ایضاً السنة ان یقوم الإمام ازاء وسط الصف الا ترى ان المحارب ما نصب الاوسط المساجد وهی قد عینت مقام الإمام اه وفي التتارخانیۃ ویکرہ ان یقوم فی غیر المحراب اب الا بضرة آه ومقتضاه ان الإمام لو ترک المحراب وقام فی غیرہ لکرہ لو کان قیامہ وسط الصف لانه خلاف عمل الامۃ و هو ظاہر فی الإمام الراتب دون غیرہ فانتم هذه الفائدة فانه وقع السؤال عنها ولم یوجد نص فیہا آه یہ عبارت عبارت منقولہ فی الجواب کے معارض ہے اس لئے جواب میں اس کا بھی لحاظ رکھنا چاہئے۔ ۱۲ (صحیح الاغلاط ص ۷)

الجواب۔ فی الدر المختار فی مکروہات الصلوة و قیام الامام فی المحراب لا سجوده فیہ و قدماء خارجة لان العبرة للقدم مطلقاً وان لم یشتبه حال الإمام ان علل بالتشبه وان بالاشتباه ولا اشتباه فلا اشتباه فی نفی الکراهة و فی رد المحتار سواء کان المحراب من المسجد كما هو العادة المستمرة اولاً كما فی البحر و فیہ عن الولوالجیة اذالم یضق المسجد بمن خلف الإمام لا ینبغی له ذلك لانه یشبه بتباين المکانین و فیہ بعد صفحة و حکى الحلوانی عن ابی اللیث لا یکره قیام الإمام فی الطاق عند الضرورة بان ضاق المسجد علی القوم و فی رد المحتار باب الإمامة فی الکلام علی الصف الاول هكذا و یعلم منه باولی ان مقصورة دمشق الی فی وسط المسجد خارج الحائط القبلی یكون الصف الاول فیها ما یلی الإمام فی داخلها وما اتصل به من طرفیها خارجاً عنها من اول الجدار الی اخره فلا ینقطع الصف بینائهما كما لا ینقطع بالمنبر الذی هو داخلها فیما یظہر اہ۔ ان روایات سے چند امور معلوم ہوئے اول امام کا محراب کے اندر کھڑا ہونا کہ قدم بھی اندر ہیں مکروہ ہے۔ دوم یہ کہ اگر ضرورت ہو تو مکروہ نہیں۔ تیسرے یہ کہ انقطاع صف موجب کراہت ہے پس جماعت کا دروں کے اندر کھڑا ہونا موجب انقطاع صف ہے اس لئے مکروہ ہوگا۔ یتأید بحديث رواه الترمذی عن عبد الحمید بن محمود قال صلینا خلف امیر من الامراء فاضطربنا الناس فصلینا بین الساریتین فلما صلینا قال انس بن مالک کنا نتقی هذا علی عهد رسول الله ﷺ۔ لیکن ضرورت میں یہ بھی جائز ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم و علمہ اتم و احکم۔

۱۷ / ذیقعدہ ۱۳۲۳ھ (امداد ص ۶۷ ج ۱)

قیام امام در محراب

سوال (۳۳۹) مسجد کے در میں امام کو کھڑا ہونا کیسا ہے دلیل سے بیان فرمادیں؟

الجواب۔ فی الدر المختار مکروہات الصلوة و قیام الإمام فی المحراب لا سجوده فیہ و قدماء خارجة لان العبرة للقدم مطلقاً وان لم یشتبه حال الإمام الخ و فی رد المحتار اقتصر علیہ فی الهدایة واختاره الإمام السرخسی وقال انه الاوجه الخ ج ۱ ص ۶۷ امام کا مسجد کے اندر در میں اس طرح کھڑا ہونا کہ پاؤں بھی اندر

ہوں مکروہ ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۷ ربیع الثانی ۱۳۲۵ھ (امداد ص ۸۹ ج ۱)

محراب میں نماز کا حکم

سوال (۳۴۰) محراب داخل مسجد ہے یا نہیں اگر فقط محراب ہی میں کھڑے ہو کر نماز پڑھائی جاوے صحیح ہوگی یا نہیں بہر صورت صورت صحت کیا ہے۔؟ فقط

الجواب۔ فی الدر المختار باب ما یفسد الصلوۃ وما یکرہ فیہا الإمام فی المحراب لا سجودہ فیہ و قدماہ خارجۃ الخ اس سے ثابت ہوا کہ محراب میں کھڑے ہو کر نماز پڑھانا مکروہ ہے گو محراب داخل مسجد ہے۔ (تمہ اولی ص ۱۸)

حکم غیر مفسد بودن فتح بر امام اگر چہ بعد سے آیات باشد

سوال (۳۴۱) بعد پڑھے جانے تین آیت کے نماز فرائض میں امام کو اگر لقمہ لگے اور مقتدی لقمہ دیدے تو نماز فاسد یا مکروہ تو نہیں ہوتی اور اگر فاسد ہوئی تو کس کی ہوئی اب مکرر پڑھنی چاہئے۔؟

الجواب۔ فوراً بتلادینا یا امام کو منتظر رہنا کہ مجھ کو کوئی بتلا دے تو یہ بہتر نہیں ہے بلکہ بہتر یہ ہے کہ دوسری جگہ سے پڑھنا شروع کر دے یا اگر بقدر کافی پڑھ چکا ہو تو رکوع کر دے لیکن پھر بھی اگر مقتدی نے بتلادیا اور امام نے لے لیا تو نماز میں کسی کی خلل نہیں۔

فی الدر المختار باب ما یفسد الصلوۃ بخلاف فتحہ علی إمام فانہ لا یفسد مطلقاً الفاتح واخذ بکل حال فی رد المحتار قوله بکل حال ای سواء قرأ الإمام قدر ما تجوز الصلوۃ ام لا انتقل الی اية اخرى ام لا تکرر الفتح ام لا هو الاصح نہر ثم قال بعد اسطر تتمہ یکرہ ان یفتح من ساعتہ کما یکرہ للامام ان یلجئہ الیہ بل ینتقل الی اية اخرى لا یلزم من وصلها ما یفسد الصلوۃ اوالی سورة اخرى او یرکع اذا قرأ قدر الفرض کما جزم بہ الزیلعی وغیرہ وفی رواية قدر المستحب کما حجه الکمال بانہ الظاهر من الدلیل واقره فی البحر والنہر۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۵ شعبان ۱۳۲۲ھ (امداد ص ۵۵ ج ۱)

سوال (۳۴۲) اگر امام تین آیت سے زیادہ پڑھ کر بھول جائے مقتدی اس کو لقمہ دے تو

امام لے لے یا نہ لے مشہور یہ ہے کہ اگر امام لقمہ لے لے تو نماز نہیں ہوتی پھر دوبارہ نماز پڑھنا ضرور ہے اگر امام نے لقمہ نہیں لیا تو بتلانے والے کو پھر دوبارہ نماز پڑھنا چاہئے میں نے کہا نماز ہو جاتی ہے۔ ایک صاحب بولے کہ شافعی مذہب میں ہو جاتی ہوگی مگر حنفی مذہب میں نہیں ہوتی۔ کیا حنفی مذہب میں اس مسئلہ کے اندر اختلاف ہے؟

الجواب۔ ہاں اختلاف ہے مگر صحیح یہی ہے کہ نہ مقتدی کی نماز فاسد ہوگی نہ امام کی۔

فی العالمگیریۃ باب مفسدات الصلوۃ ومکروہاتہا۔ وان فتح علی امامہ لم تفسد الی قوله قالوا هذا اذا ارتج علیہ قبل ان یقرأ قدر ما یجوز بہ الصلوۃ او بعد ما قرأ ولم یتحول الی ایه اخرى واما اذا قرأ او تحول ففتح علیہ تفسد صلوۃ الفاتح و الصحیح انه لا تفسد صلوۃ الفاتح بکل حال ولا صلوۃ الإمام لو اخذ منه علی الصحیح هكذا فی الکافی۔ ۵ رجب الثانی ۱۳۲۲ھ (تمتہ خمسہ ص ۲۵۷)

حکم تنحنح در نماز

سوال (۳۴۳) نماز میں مطلقاً تنحنح جائز بلا کراہت ہے یا نہیں اور تحسین صوت کے لئے امام اور مقتدی تنحنح کریں تو کیا حکم ہے؟

الجواب۔ فی الدر المختار والتحنح بحرفین بلا عذر امامہ بان نشأ من طبعہ فلا او بلا غرض صحیح فلو لتحسین صوته اولیہتدی امامہ اولاعلام انه فی الصلوۃ فلا فساد علی الصحیح (جلداول ص ۶۲۶ باب المفسدات)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ اگر تنحنح بلا اختیار ہو تو بھی جائز ہے اگر تحسین صوت کے لئے ہو تو بھی درست ہے اور امام اور غیر امام اس میں برابر ہیں۔ واللہ اعلم۔ ۲۰ رمضان ۱۳۲۲ھ (امداد ص ۵۶ ج ۱)

حکم تاؤہ در نماز

سوال (۳۴۴) گزارش یہ ہے جناب والا بہشتی زیور کی ایک جگہ میں ایک مسئلہ کم فہمی کی وجہ سے سمجھ میں نہیں آتا ہے مہربانی فرما کر اس کا مطلب تحریر فرمادیں۔ بہشتی زیور حصہ دوم صفحہ تین میں مسئلہ نماز میں آہ یا اوہ یا اُف یا ہائے کہے یا زور سے روئے تو نماز جاتی رہتی ہے البتہ اگر جنت دوزخ کو یاد کرنے سے دل بھر آیا اور زور سے آواز نکل پڑی تو نماز نہیں ٹوٹی ۱۲۔ اس

عبارت کے معنی میں یہ سمجھا ہوں اگر نماز میں آہ یا اوہ یا اف یا ہائے کہے یا زور سے روئے تو نماز جاتی رہتی ہے اور جنت دوزخ کو یاد کرنے سے دل بھرا یا اور زور سے رونے کی آواز نکل پڑی تو نماز نہیں ٹوٹی اور آہ یا اف یا ہائے کہے تو بھی نماز جاتی رہتی ہے۔ میری یہ سمجھ صحیح ہے یا غلط تحریر فرمادیں۔؟

الجواب۔ فی الدر المختار والانی والتأوه والتأفیف والبكاء بصوت يحصل به حروف موجه او مصیبة قید للاربعة الالمريض لا یملک نفسه عن انین وتأوه لانه حینئذ کعطاس وسعال وجشاء وتثاؤب وان حصل حروف للضرورة لالذکر جنة او نار فی ردالمحتار لالذکر جنة او نار لان الانین و نحوه اذا کان بذکرهما صار کانه قال اللهم انی اسئلك الجنة وان کان من وجع او مصیبة صار کانه یقول انا مصاب فعزونی کذا فی الکافی اه ملخصاً ج ۱ ص ۶۴۷۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ جنت و دوزخ کی یاد سے اگر آہ یا اف وغیرہ بھی منہ سے نکل جاوے تب بھی نماز فاسد نہیں ہوتی۔ پس عبارت بہشتی زیور کی صاف نہیں ہے جہاں اس میں یہ ہے کہ زور سے آواز نکل پڑے وہاں یہ بھی بڑھانا چاہئے تھا کہ یا آہ وغیرہ نکل گیا (ترجیح خامس ص ۱۳۱)

حک بدن در نماز

سوال (۳۴۵) نماز میں کھجلا نا درست ہے یا نہیں۔؟

الجواب۔ فی الدر المختار و کرہ کفه ای رفعه ولو لتراب کمشمر کم او ذیل و عبثہ به ای بثوبه و بجسده للنهی الالحاجة فی ردالمحتار قوله لحاجة کحک بدنہ شیئ کله واضره و سلت عرق یؤلمه و یشغل قلبه وهذا لو بدون عمل کثیر قال فی الفیض الحک بید واحدة فی رکن ثلث مرات یفسد الصلوة ان رفع یدہ فی کل مرة اه و فی الجوہرۃ عن الفتاویٰ اختلافوا فی الحک هل الذهاب والرجوع مرة او الذهاب مرة والرجوع اخرى) جلد ۱ ص ۶۶۹ مکروہات

اس روایت سے معلوم ہوا کہ ضرورت سے کھجلا نا جائز ہے جبکہ عمل کثیر تک نوبت نہ پہنچ جاوے اور عمل کثیر کی تفسیر میں اختلاف مشہور ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

دامن چیدن در نماز

سوال (۳۴۶) تشمیر ذیل یا پانجامہ بحفاظت در یدگی از تنگی یا عموماً جائز ہے یا نہ ؟
 الجواب۔ غالباً سوال کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح بعض آدمیوں کی عادت ہوتی ہے کہ اکثر سجدہ میں جاتے ہوئے یا اس سے کھڑے ہوتے ہوئے پائے دامن وغیرہ کو سمیٹتے ہیں یہ درست ہے یا نہیں پس اگر یہی مطلب ہے تو جواب یہ ہے کہ اگر عمل کثیر تک نوبت نہ پہنچے تو مکروہ ہے۔ البتہ اگر حاجت شدید ہو تو کراہت نہیں دلیلہ ما مر فی الجواب عن السؤال السابق۔ اور اگر کچھ اور مطلب ہے تو بیان کرنے پر جواب ممکن ہے۔ واللہ اعلم۔
 ۲۰ رمضان المبارک ۱۳۲۲ھ (امداد ص ۵۷ ج ۱)

کراہت نماز در لباس متبذل مرد اجدر

سوال (۳۴۷) جو اکثر کتابوں میں لکھا ہے کہ اگر کسی شخص کے پاس قمیص اور ازار اور عمامہ موجود ہو تو اس کو صرف ازار یا صرف قمیص سے نماز پڑھنا مکروہ ہے یہ مسئلہ فقہ حنفی میں موجود ہے یا نہیں ؟

الجواب۔ فی الدر المختار و صلاتہ فی ثياب بذلة بلبسها فی بیتہ و مہنتہ ای خدمتہ ان لہ غیرہا والا لا وفسرہا فی رد المحتار عن شرح الوقایۃ بما یلبسہ فی بیتہ ولا یذهب بہ الی الا کابر و الظاہر ان الکراہۃ تنزیہیۃ۔
 اس روایت سے معلوم ہوا کہ جیسے لباس سے اہل وجاہت لوگوں کے پاس کوئی جاسکتا ہے اس سے نماز پڑھنا مکروہ نہیں اور اس سے کم حیثیت میں کراہت ہے لیکن تنزیہی ہے۔ واللہ اعلم
 ۲۱ ذیقعدہ ۱۳۲۲ھ (امداد ص ۶۲ ج ۱)

دلیل کراہت استعانت بالربکب در غیر نفل

سوال (۳۴۸) عن ابی ہریرۃؓ قال اشتکی اصحاب النبی ﷺ الی النبی ﷺ مشقة السجود علیہم اذا تفرجوا قال استعینوا بالربکب۔ حنفیہ اس کو نوافل پر محمول کرتے ہیں اس کی کیا دلیل ہے۔ رواہ الترمذی ص ۶۸ مطبوعہ اصح المطابع ؟
 الجواب۔ روی مسلم عن البراء بن عازبؓ قال قال رسول اللہ ﷺ اذا

سجدت فضع کفیک وارفع مرفقیک وعن عائشۃؓ قالت کان النبی ﷺ اذا سجد لو شاء ت بهیمۃ ان تمرین یدیه لمرت۔ مشکوٰۃ باب السجود۔

یہ دونوں حدیثیں صاف نفی کر رہی ہیں استعانت بالرب کی پس تطبیق کے لئے واجب ہوگا کہ نوافل پر محمول کیا جاوے۔ یا ضرورت و مشقت پر چنانچہ خود حدیث میں اس کا قرینہ واضح ہے۔ فقط ۱۵ ربیع الاول ۱۳۲۵ھ (امداد ص ۸۷ ج ۱)

حکم مفسد نہ بودن جلسہ استراحت بعد السجدتین

سوال (۳۴۹) جلسہ استراحت مبطل نماز ہے پس حنفی کی نماز جلسہ استراحت کرنے والے کے پیچھے ہوگی یا نہ؟

الجواب۔ اس کا مفسد نماز ہونا میری نظر سے نہیں گزرا لہذا مانع صحت اقتداء نہیں البتہ جو لوگ اس وقت تارک تقلید ائمہ ہیں بوجہ عدم مراعات خلافت کے نواقض وضوء میں و نیز (۱) تعدیہ افساد کے عوام میں ان کی اقتداء خلاف مصلحت و خلاف احتیاط ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم۔
۲۱ شوال ۱۳۳۳ھ (امداد ص ۶۶)

(۲) کراہت فصل بسورۃ قصیرہ و قرأت خلاف ترتیب بلا لزوم سجدہ سہو

سوال (۳۵۰) مسند احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ہے عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کان رسول اللہ ﷺ یوتر بتسع سور من المفصل قال اسود یقرأ فی الركعة الاولى الهاکم التکاثر وانا انزلناہ فی لیلة القدر واذ ازلزلت الارض و فی الركعة الثانية والعصر و اذا جاء نصر اللہ والفتح وانا اعطیناک الکوثر و فی الركعة الثالثة قل یا ایہا الکافرون و تبت یدا ابی الہب و قل هو اللہ احد۔

جس ترتیب سے اس میں سورتیں ذکر کی گئی ہیں اس ترتیب سے پڑھنا درست ہے یا مقدم اور مؤخر کرنا درست ہے اس طور پر کہ پہلی میں نمبر ۲ و ۳ و دوسری میں نمبر ۴ و ۶ و ۵ تیسری میں

(۱) و نیز اس لئے کہ یہ حضرات اکثر پیشاب کر کے کلوخ نہیں لیتے اور بوجہ ضعف قوت ماسکہ کے قطرہ آجانا غالب ہے جس کی بعض اوقات خبر بھی نہیں ہوتی پس چار پانچ بار میں ظن غالب یہ ہے کہ نجاست قدر درہم سے زیادہ پانچامہ میں لگ جاتی ہوگی جو مانع صلوٰۃ ہونے کی وجہ سے منافی صحت امامت بھی ہے ۱۲

(۲) یہ سوال و جواب ص ۱۵۸ ص ۲۳۳ پر آچکا ہے (امداد ص ۶۸)

موافق حدیث یا اسی طرح پڑھنا مسنون رہے گا۔؟

الجواب۔ قبل جمع قرآن ترتیب سوراختیاری تھی یہی وجہ ہے کہ صحابہ میں اس میں اختلاف تھا یہ خود دلیل ہے کہ کسی خاص ترتیب کی رعایت واجب نہ تھی ورنہ صحابہ اس کو نہ چھوڑتے اس کے بعد ترتیب موجودہ پر صحابہ کا اجماع ہو گیا اور اجماع کا اتباع ضروری ہے اب اس کی مخالفت نہ چاہئے اور مقرر ہے کہ عمل مرفوع کے خلاف پر اجماع ہو جانا علامت ہے اس مرفوع کی منسوخیت کی اس لئے اب اگر یہ سورتیں پڑھیں بہ ترتیب حال پڑھیں۔ ۱۹/ ذی الحجہ ۱۳۳۷ھ (تمہ ثانیہ ص ۱۰۶)

صرف از ارور داء پہن کر نماز پڑھنے کا حکم

سوال (۳۵۱) ایک استفتاء کے متعلق مدرسہ سبحانیہ جو یہاں ایک مدرسہ ہے اس کے مدرسین نے عجیب باتیں تحریر کی ہیں سائل نے یہ سوال کیا کہ چادر اور لنگی پہن کر نماز پڑھنا باوجودیکہ پاجامہ وغیرہ موجود ہو نماز درست ہے یا نہیں۔ جواب یہ لکھا گیا کہ مکروہ ہوگی جب عمدہ لباس موجود ہے تو امراء کے یہاں تو عمدہ لباس پہن کر جاویں اور خدا کے سامنے ردی لباس یہ نہ ہونا چاہئے۔ جناب مولانا منیر الدین صاحب نے جو میرے مدرسہ میں ہیں اس کا جواب تحریر فرمایا کہ یہ لباس فعل رسول ہے جب کپڑا صاف ہو تو یہ ثیاب بذلہ جس کو فقہاء رحمہم اللہ نے مکروہ لکھا ہے نہ ہوگا ثیاب بذلہ وہی ہوگا جو ردی ہو جس میں بدبو وغیرہ موجود ہو۔ چادر اور لنگی جب صاف ہے تو یہ عمدہ لباس ہے اس سے نماز مکروہ نہیں ہو سکتی جناب مولانا محی الدین صاحب نے اس کی تصدیق کی جس کو جناب مولانا منیر الدین صاحب نے تحریر فرمایا تھا اور مولانا ولایت حسین نے بھی اسی کی تصدیق کی کہ نماز مکروہ نہیں ہو سکتی اس کا رد مدرسہ سبحانیہ کے مدرسین نے بڑے زور و شور سے کیا۔ رد یہ تھا کہ فقہاء رحمہم اللہ نے ثیاب بذلہ کی عام تعریف کی ہے وہ یہ لایذہب بتلک الثیاب الی الامراء جب عادت لوگوں کی اس طرح پر ہے کہ چادر اور لنگی پہن کر امراء کے پاس نہیں جاتے معیوب سمجھتے ہیں تو بالضرور یہ ثیاب بذلہ ہوگا اور نماز مکروہ ہوگی اور ہر فعل رسول اللہ ﷺ سے جواز بلا کراہت پر استدلال کرنا جائز نہیں اور جہاں کہیں فقہ میں خدمت کا کپڑا ہو یا بدبودار ہو یہ لکھا ہے وہ فرد ثیاب بذلہ ہے تعریف عام وہی ہے جو لایذہب بتلک الثیاب الی الامراء سے ثابت ہے۔ آنحضور اس کے متعلق کچھ تصریح کے ساتھ تحریر فرمائیں کہ لایذہب بتلک الثیاب الی الامراء کا کیا مطلب ہے محض رواج یا عادت سے لوگوں کی چادر اور لنگی ثیاب بذلہ میں جاوے گا اور نماز مکروہ ہوگی اور حضور ﷺ نے اس لباس

کو ہمیشہ پہنایا نہیں پا جامہ وغیرہ یہ فعل رسول اللہ ﷺ ہے یا نہیں یا صرف پسند فرمایا تھا۔؟
 الجواب۔ میرے نزدیک محقق اس میں تفصیل ہے کہ جس شخص نے رداء و ازار سے نماز پڑھی آیا سنت سمجھ کر پڑھی ہے یا لباس معتاد کے پہننے سے کسل کر کے پڑھی ہے اول صورت میں کراہت نہیں کیونکہ ایسا شخص اس لباس سے دوسرے مجمع میں بھی بے تکلف چلا جائے گا کہ وہ اس کو لباس محترم سمجھتا ہے اور دوسری صورت میں کراہت ہوگی کہ خود وہ لباس اس کی نظر میں غیر واقع ہے۔ اس تفصیل سے متنازعین کے سب دلائل درست رہے اور نزاع لفظی ہو گیا موضوع کے بدلنے سے محمول بدل گیا۔ اشرف علی ۲۵ شعبان ۱۳۲۷ھ (تتمہ اولیٰ ص ۱۷)

صلوۃ بین الساریتین کا حکم

سوال (۳۵۲) (۱) باب الامامة فتح القدیر اور رد المحتار کی اس عبارت سے الاصح ماروی عن ابی حنیفہ انه قال اکره للامام ان يقوم بین الساریتین او زاویة او ناحية المسجد او الی ساریة لانه خلاف عمل الامة ۱ھ۔ بقول و تحقیق حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بلا ضرورت امام کا بحالت امامت مسجد کے در میں جو بین الساریتین ہو کھڑے ہونے کی کراہت ثابت ہوتی ہے یا نہیں (۲) بصورت ثبوت حکم کراہت صحیحین وغیرہما کی وہ حدیثیں قول امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے معارض ہو سکتی ہیں جن سے رسول اللہ ﷺ کا بقول حضرت بلال رضی اللہ عنہ کعبہ کے اندر بین العمودین کھڑے ہو کر نماز پڑھنا ثابت ہے یا بوجہ منفرد ہونے حضرت علیہ الصلوۃ والسلام کے معارضہ مذکور قیاس مع الفارق و باطل ہوگا (۳) بدائع کی یہ عبارت الافضل للامام ان یقف فی مقام ابراہیم (جس کو شامی نے حواشی در مختار کے باب الامامة و باب الصلوۃ فی الکعبہ میں نقل کیا ہے) معارض قول امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (بوجہ وقوع مقام ابراہیم بین الساریتین) ہے یا نہیں۔ بصورت ثانی تعارض ظاہری کے دفع کی کیا تقریر و تنقیح ہے۔؟

الجواب۔ (۱) کراہت ثابت ہوتی ہے کما ہو ظاہر۔ (۲) قیاس مع الفارق سے للوجه المذكور فی السؤال (۳) یہ مقام ابراہیم کہنا ایسا ہے جیسا باب الامامة میں اس کے ذرا قبل کی عبارت میں السنة ان يقوم فی المحراب الخ۔ فی المحراب کہنا۔ مگر دوسری دلیل سے فی المحراب یقیناً مقید ہے خروج قد مین کے ساتھ فی مکروہات الصلوۃ من الدر المختار و قیام الامام فی المحراب لا سجودہ فیہ و قدماہ خارجہ۔ پس اسی طرح فی مقام

ابراہیم بھی مقید ہے اسی قید کے ساتھ اس لئے کچھ تعارض نہ رہا۔

۲۱/ رزی الحجہ ۱۳۲ھ (تتمہ اولیٰ ص ۲۳)

حکم قیام امام اور صحن مسجد بمقابلہ محراب

سوال (۳۵۳) کیا فرماتے ہیں علمائے احناف اس مسئلہ میں کہ (۱) مسجد کے صحن میں یا آگے کے درجہ میں یا سائبان میں محراب کی سیدھ میں امام کا کھڑا ہونا مکروہ ہے یا نہیں اور محراب سے علیحدہ ہونا کب متصور ہوتا ہے اور مکروہ ہونے پر فرض اور تراویح اور وتر وغیرہ کا حکم ایک ہے یا الگ الگ اور کیوں (۲) مقتدی کو یا منفرد کو یا امام کو مسجد کے دروں میں سائبان کے ستونوں کے درمیان کھڑا ہونا خواہ وہ ستون لکڑی کے یا لوہے کے یا پتھر کے یا پختہ عمارت کے ہوں اور ان پر گول ڈاٹ ہو یا نہ ہو جیسے کہ محراب میں کھڑا ہونا مکروہ ہے ان میں بھی مکروہ ہے یا نہیں اور سب کا ایک حکم ہے یا الگ الگ۔؟

الجواب۔ (۱) ردالمحتار جلد ۱ ص ۵۹۳ و ص ۵۹۴ میں اول معراج سے السنة ان يقوم فی المحراب اور اس کی علت یہ بیان فرمائی ہے لیعتدل الطرفان اسکے بعد امام صاحب کا قول نقل کیا ہے اکره ان يقوم بین الساریتین اوفی زاویة او فی ناحية المسجد اوالی ساریة لانه خلاف عمل الامة اور اس پر اس حدیث سے استدلال کیا ہے توسطوا الإمام اس کے بعد اس کی تائید اس طرح کی ہے الاتری ان المحاریب ما نصبت الاوسط المساجد وهی قد عینت لمقام الإمام۔ اس سبب سے ظاہر ہے کہ مقصود محراب نہیں بلکہ توسط امام ہے اور ترک محراب سے جبکہ ایک ناحیہ زاویہ میں ہو توسط کا ترک لازم آتا ہے یہی وجہ ہے کہ کراہت میں قیام بین الساریتین و قیام فی زاویة و قیام فی ناحية کا ذکر کیا۔ قیام فی الصحن کا ذکر نہیں کیا کیوں کہ قیام فی الصحن مستلزم ترک توسط کو نہیں ہے چنانچہ اس کے بعد تصریح کر دی۔ والظاهر ان هذا فی الإمام الراتب لجماعة كثيرة لتلا يلزم عدم قیامه فی الوسط فلولم يلتزم ذلك لا یکرہ تامل۔ اور ان احکام کو مطلقاً امام کے لئے کہا گیا ہے فرض و غیر فرض میں کسی نے فرق نہیں لکھا۔ اور اگر کسی کو ردالمحتار کی اس عبارت سے شبہ واقع ہو و فی التاتارخانیہ و یکرہ ان يقوم فی غیر المحراب الا للضرورة اه و مقتضاه ان الإمام لو ترك المحراب و قام فی غیره یکرہ ولو كان قیامه وسط الصف لانه خلاف عمل الامة۔ اس کا جواب یہ ہے کہ غیر محراب سے مراد غیر وسط

مسجد ہے چنانچہ اس سے اوپر کی عبارت اس کا قرینہ ہے۔ السنۃ ان یقوم الإمام بازاء وسط الصف الاثری ان المحاریب ما نصبت الاوسط المساجد وہی قد عینت لمقام الإمام ص ۶۷۵ ج ۱۔ وجہ یہ کہ وسط مسجد کو چھوڑنے سے جب مسجد میں پوری صف ہوگی تو ایک طرف مقتدی کم ہوں گے دوسری طرف زیادہ۔ (۲) امام کو مکروہ ہے لا شتراک العلة اور مقتدی کو انقطاع صف کی حالت میں اور منفرد کو مکروہ نہیں۔ لا انتفاء علة الکراہۃ۔

۲۰/ رمضان ۱۴۳۳ھ (تمہ خامہ ۳۶۹)

تخلل ستون ہا در صف

سوال (۳۵۴) در دیار پنجاب و خراسان بوقت ساختن مساجد در صیفی و شتوی زیر صف میان ہر دو جدار ستون مید و ہندو بوقت صف بستن مصلیان آں ستونہا میان می آیند و جائے یک مصلی میکیرند بعض علماء فرمایند کہ ایں حائل کعدم الحائل ست پس فرجات الشیطان متحقق شد و یدخل فیہ الشیطین کانہا خذف برو مطلق و بعض مے سرایند کہ حیولت ستون در میان صف مثل ایستادن مصلے شد و در فرجات شیطان داخل نشد چہ دخول شیطان بر آں صورت است کہ قصد افرجہ در صف میان دو کس گزاشتہ شود و ایں آمدن ستون حالت اضطراری ست نہ اختیاری چہ ایں قدر دراز چوب کہ سر بسر بر جدران نہادہ شود نا در الوجود ست و الضرورات تیج المخطورات دریں امر ہر چہ ارشاد شود واجب العمل خواہد شد اگر قول بعض اول درست شود تا ستونہا را از مساجد کشیدہ صورتے دیگر کروہ شود و اگر قول بعض ثانی درست شود ما از وسواس و عید ایمن باشیم اما دریں صورت جزئیہ نوشتہ شود بحوالہ کتاب و صفحہ و باب تا کہ بر مخالف حجت قوی گردد۔؟

الجواب۔ ایں (۱) جزئیہ تصریحاً از نظر نہ گزشتہ و نہ ذخیرہ کتب نزد خود دارم کہ در اں تتبع نمایم لیکن انچہ از کلیات و نظائر فہمیدہ ام آن ست کہ اگر از آمدن ستونہا میان صف تحرز بوجہ ممکن باشد تحرز باید کرد زیرا کہ مراصۃ در صفوف مامور بہ است و حیولۃ سواری مفوت مراصۃ است و اگر تحرز ممکن نباشد پس امر واسع است۔ کما فی رد المحتار المجلد الاول ص ۵۹۵

(۱) مولوی خلیل احمد صاحب مدظلہم العالی نے تشیط الاذہان میں مبسوط نحسی سے نقل فرمایا ہے و الاضطاف بین الاسطوانین غیر مکروہ لانہ صف فی حق کل فریق وان لم یکن طویلاً و تخلل الاسطوانین بین الصف کتخلل متاع موضوع او کفرجۃ بین رجلین وذلک لا یمنع صحۃ الاقتداء آہ۔ اس عبارت کے ظاہر سے ضرورت و عدم دونوں میں عدم کراہت کا حکم مفہوم ہوتا ہے لا شتراک العلة۔ لیکن حدیث انس رضی اللہ عنہ اس کی معارض ہے فالحق ہوا التفصیل المذکور فی الجواب۔ ۱۲ (صحیح الاغلاط ص ۱۳)

(۱) قال فی البحر تکلموا فی الصف الاول قیل هو خلف الإمام فی المقصورة وقیل ما یلی المقصورة وبه اخذ الفقیہ ابو اللیث لانه یمنع العامة عن الدخول فی المقصورة فلا تتوصل العامة الی نیل فضیلة الصف الاول ثم قال ویعلم منه بالاولی ان مثل مقصورة دمشق التی هی فی وسط المسجد خارج

(۱) اس نقل میں اختصار مخل ہے اسلئے اول پوری عبارت نقل کی جاتی ہے اس کے بعد ضروری تحقیق لکھی جائے گی۔ شامی ص ۵۹۵ میں ہے۔

قال فی البحر فی اخباب الجمعة تکلموا فی الصف الاول قیل هو خلف الإمام فی المقصورة وقیل ما یلی المقصورة وبه اخذ الفقیہ ابو اللیث لانه یمنع العامة عن الدخول فی المقصورة فلا تتوصل العامة الی نیل فضیلة الصف الاول اه اقول والظاهر ان المقصورة فی زمانهم اسم لبيت فی داخل الجدار القبلی من المسجد کان یصلی فیہا الامراء الجمعة ویمنعون الناس من دخولها خوفا من العدو فعلى هذا اختلف فی الصف الاول هل هو ما یلی الإمام من داخلها ام ما یلی المقصورة من خارجها فاخذ الفقیہ بالثانی توسعة علی العامة کی لا تفوتهم الفضیلة ویعلم منه بالاولی ان مثل مقصورة دمشق التی هی فی وسط المسجد خارج الحائط القبلی یكون الصف الاول فیہا ما یلی الإمام فی داخلها وما اتصل به من طرفیہا خارجا عنها من اول الجدار الی اخره فلا ینقطع الصف بینائها کما لا ینقطع بالمنبر الذی هو داخلها فیما یظهر وصرح به الشافعیة وعلیه الفتوی فلو وقف فی الصف الثانی داخلها قبل استكمال الصف الاول من خارجها ما یكون مکروها ویؤخذ من تعریف الصف الاول بما هو خلف الامام ای لا خلف مقتد آخران من قام فی الصف الثانی بحذاء باب المنبر یكون من الصف الاول لانه لیس خلف مقتد آخر والله تعالی اعلم آھ۔

اس عبارت میں علامہ شامی نے اول تعیین صف اول میں علماء کا اختلاف دکھلایا ہے کہ بعض اس صف کو اول کہتے ہیں جو کہ امام کے پیچھے مقصورہ کے اندر ہوتی ہے اور بعض اس صف کو جو کہ مقصورہ کے قریب اس کے باہر ہوتی ہے۔ اس کے بعد علامہ موصوف نے ابو اللیث رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ظاہر کی ہے کہ وہ اس غرض سے کہ عوام صف اول کی فضیلت سے محروم نہ ہو جائیں قول ثانی کو اختیار کرتے ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے استنباط کیا ہے اور کہا ہے کہ امام ابو اللیث کے فتوے سے یہ امر بالاولیٰ معلوم ہوتا ہے کہ جامع دمشق جس میں مقصورہ حائط قبلی سے باہر اور مسجد کے درمیان میں واقع ہے اس میں صف اول وہ ہے جو کہ مقصورہ کے اندر واقع ہے اور جو لوگ مقصورہ سے باہر صف مذکور کے دونوں پہلوؤں میں کھڑے ہیں وہ صف اول میں داخل ہیں اور مقصورہ کی دیواروں کے بیچ میں حائل ہونے سے صف منقطع نہیں ہوتی جیسا کہ مقصورہ کے اندر منبر کے حائل ہونے سے صف منقطع نہیں ہوتی اور گو علامہ موصوف نے اس استنباط کی وجہ نہیں بیان کی ہے مگر میرے نزدیک اس کی وجہ یہ ہے کہ جب امام ابو اللیث عوام کی فضیلت صف اول کو حاصل کرنے کے لئے اس صف کو صف اول کہتے ہیں جو کہ صف واقع فی المقصورہ کے پیچھے ہے تو جو صفیں کہ اس کے دونوں پہلوؤں میں ہیں۔ وہ تو بالاولیٰ صف اول میں داخل ہوں گی اور جبکہ وہ صف اول میں داخل ہوئیں تو اب پچھلی صف کو صف اول کہنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے لہذا صف اول وہ صف ہوگی جو کہ مقصورہ کے اندر اور اس کے دونوں پہلوؤں میں واقع ہے اور جبکہ صف اول صف مذکور قرار پائی تو اب دیوار ہائے مقصورہ قاطع صف نہ ہوں گی یہ تقریر تھی وجہ استنباط کی لیکن مجھے اس میں کلام ہے اولاً اس لئے کہ حصول فضیلت (بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

الحائط القبلی یكون الصف الاول فیہا ما یلی الإمام فی داخلہا وما اتصل بہ من طرفیہا خارجا عنہا من اول الجدار الی اخرہ فلا ینقطع الصف بینہا کمالا ینقطع بالمنبر الذی ہو داخلہا فیما یظهر و صرح بہ الشافعیۃ ۱۵

(۱) قلت وقد ثبت بہذہ الروایۃ ان القاطع فی محل الضرورۃ لیس بقاطع ویؤیدہ ماروی الترمذی فی باب کراہۃ الصف بین السواری عن عبد الحمید بن محمود قال صلینا خلف امیر من الامراء فاضطربنا الناس فصلینا بین الساریتین فلما صلینا قال انس بن مالک کنا نتقی هذا علی عهد رسول اللہ ﷺ الحدیث فلینظر فی قوله اضطربنا وقوله نتقی یحصل التفصیل الذی ذکر۔

(امداد ص ۸۰ جلد اول)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) صف اول کیلئے یہ ضروری نہیں ہے کہ صف ثانی کو صف اول کہا جاوے بلکہ اس کے لئے قرب امام کی امکانی کوشش کافی ہے کما لا ینحفی علی العارف بقواعد الشرع اور ثانیاً اس لئے کہ اگر صف خارج مقصورہ کو صف اول مان بھی لیا جاوے اور یہ بھی مان لیا جاوے کہ جو لوگ صف واقع فی المقصورہ کے پہلوؤں میں ہوں۔ وہ صف اول میں داخل ہیں تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ مقصورہ کی دیواریں قاطع صف نہ ہوں یہ ممکن ہے کہ نمازیوں کو قطع صف کا گناہ نہ ہو کیونکہ اس سے بچنا ان کے اختیار سے باہر ہے مگر بانیاں مقصورہ کا گناہ سے محفوظ رہنا دشوار ہے کیونکہ وہ اس قطع کا سبب اپنے اختیار سے بنے ہیں اور ثالثاً اس لئے کہ امام ابو الیث کے صف خارج مقصورہ کو صف اول کہنے سے یہ لازم بھی نہیں آتا کہ صف واقع فی المقصورہ دمشق صف اول ہو اور جو لوگ اس کے پہلوؤں میں کھڑے ہیں وہ صف اول میں داخل ہوں کیونکہ جس ضرورت سے امام ابو الیث نے صف خارج کو صف اول کیا تھا وہ ہنوز موجود ہے اس لئے کہ انہوں نے اس کی وجہ یہ بیان کی تھی کہ اگر صف مقصورہ کو صف اول کہا جاوے گا تو عوام فضیلت صف اول سے محروم ہو جاویں گے کیونکہ عوام حجرہ میں داخل نہیں ہو سکتے۔ اب میں کہتا ہوں کہ اگر جامع دمشق میں صف اول صف واقع فی المقصورہ کو کہا جاوے گا تو وہ لوگ فضیلت صف اول سے محروم ہو جاویں گے کیونکہ مقصورہ میں داخل ہونے سے حکومت مانع ہے اور اس کے پہلوؤں میں کھڑے ہونے سے شریعت مانع ہے للزوم القطع۔ پس ضرور ہے کہ صف خارج کو صف اول کہا جاوے۔ خلاصہ یہ ہے کہ نہ امام ابو الیث رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک قوی ہے نہ علامہ شامی کا اس سے یہ استنباط کرنا کہ جامع دمشق میں صف اول فی المقصورہ ہوگی اور جو لوگ اس کے دونوں پہلوؤں میں کھڑے ہیں وہ صف اول میں داخل ہوں گے اور جدران مقصورہ قاطع صف نہ ہوں گے جب یہ تمہیدی مضمون معلوم ہو گیا تو اب سمجھو کہ غالباً اس روایت سے استدلال کی وجہ یہ تھی کہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حائل بوقت ضرورت کا عدم ہے سو یہ مضمون صحیح ہے اور مدعی پر اس سے استدلال درست ہے گو یہ امر کہ جامع دمشق میں دیوار ہائے مقصورہ قاطع صف نہیں ہیں محل کلام ہے کما تبین ویؤید ما قلنا تصریح ابن الحاج المالکی بلزوم قطع الصفوف ببناء المقاصر لیکن اس کا اثر اصل مقصود پر کچھ نہیں پڑتا۔ پس یہ عبارت بر محل ہے اور اس کی بے متعلق مقام کا شبہ مندرج ہو گیا۔ جو کہ اول نظر میں احقر کو ہوا تھا ۱۲ (تصحیح الاغلاط ص ۱۲)

(۱) (حاشیہ صفحہ ہذا) یہاں پر عبارت میں تصحیح الاغلاط ص ۱۵ سے تغیر کیا گیا ہے ۱۲۔

تحقیق حکم صلوٰۃ بحالت اطلاق ازار (گھنڈیاں بٹن وغیرہ)

سوال (۳۵۵) کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسائل ذیل میں۔ (۱) کرتہ اور اچکن کی گھنڈیاں یا بوتام اور انگرکھ کا بند کھول کر نماز پڑھنا یا پڑھانا مکروہ ہے یا نہیں۔؟

(۲) رسول اللہ ﷺ یا صحابہ کرام سے کرتہ کی گھنڈی کھول کر نماز پڑھنا ثابت ہوا ہے یا نہیں۔؟ (۳) بہشتی گوہر کے صفحہ ۵۸ باب مکروہات نماز میں یہ مسئلہ ہے (حالت نماز میں کپڑے کا خلاف دستور پہننا یعنی جو طریقہ اس کے پہننے کا ہو اور جس طریقہ سے اس کو اہل تہذیب پہنتے ہوں اس کے خلاف اس کا استعمال کرنا مکروہ تحریمی ہے) اس میں یہ صورت داخل ہوتی ہے یا نہیں کیونکہ تمام مہذب لوگ گھنڈی اور بوتام لگانے اور بند باندھنے کو عملاً داخل تہذیب سمجھتے ہیں۔؟

الجواب۔ عن الثالث وهو يغني عن الجواب عن الاولين۔ اصل میں کراہت کا حکم سدل میں منقول ہے۔ اور اس کی تفسیر ارسال ثواب بلا لبس معتاد ہے۔ کذا فی الدر المختار وحواشیہ خواہ کل ثوب میں ہو یا جزو میں مثل آستین وغیرہ بعض نے اس میں توسیع کر کے مطلق لبس غیر معتاد کو بھی اس میں داخل کر دیا۔ چنانچہ رد المختار میں ہے۔ قال فی الخزائن بل ذکر ابو جعفر انه لو ادخل يديه في كميه ولم يشد وسطه ولم يزر ازاره فهو مسيئ لانہ يشبه السدل ۵۔ عجب نہیں علم فقہ میں جو کہ اصل ہے بہشتی گوہر کی (جس کے انتخاب کی کیفیت اس کے خطبہ میں مذکور ہے جس کی بناء پر مسئلہ کی نسبت میری طرف تام بھی نہیں) اس قول کو لے لیا ہو لیکن خود شامی ہی نے اس قول کا رد بھی اس کے بعد ہی نقل کر دیا ہے۔ ونصہ قلت لكن قال فی الحلۃ فیہ نظر ظاهر بعد ان يكون تحته قميص او نحوه مما يستر البدن الخ۔ جلد ۱ ص ۶۶۸ و ص ۶۶۹ اور وجہ اس کی ظاہر ہے کہ عدم لبس معتاد سدل کی حقیقت نہیں۔ بلکہ ایک قید ہے اس کی حقیقت یعنی ارسال کی اور وجود قید مستلزم نہیں وجود مقید کو نیز اس کا لبس غیر معتاد ہونا بھی مسلم نہیں۔ صد ہا صلحاء و متواضعین میں یہ معتاد ہے اس لئے جتنی نا تمام نسبت اس مسئلہ کی میری طرف ہے اس بناء پر میں اس سے رجوع کرتا ہوں۔

ذی الحجہ ۴۲ھ (ترجیح ص ۱۴۸ ج ۵)

نماز میں عورتوں کا کہنیوں تک ہاتھ کھولنے یا ٹخنے کھولنے کا حکم

سوال (۳۵۶) کشف دست زنان تا مرفق در نماز و نیز کشف کعبین ایشان مفسد آں نماز است یا نہ۔؟

الجواب۔ ذراع تا مرفق عضو کامل است کشف او مفسد است اگر بقدر سه تسبیح باشد و کعبین عضو کامل نیست کشفش مفسد نیست رد المحتار ج ۱ ص ۴۲۳ و ۴۲۴۔ حصہ اخیر۔
۱۱ صفر ۱۳۲۸ھ (تمتہ اولیٰ ص ۳۰)

نماز میں رونے کا حکم

سوال (۳۵۷) ایک شخص جماعت میں نماز پڑھ رہا ہے اور وہ یک بیک از خود رو پڑایا بآواز بلند لفظ (اللہ یا حق یا اہ یا ہو ہو) کہہ کر کانپ اٹھا اور ہم کو یہ علم نہیں کہ یہ بذوق الہی کہتا ہے یا بغیر ذوق الہی کے۔ دریں صورتہائے مرقومہ شخص مذکور کی نماز درست ہوگی یا نہیں اور قرب و جوار کے آدمیوں کی نماز ہوگی یا فاسد ہو جائے گی۔؟

الجواب۔ فی الدر المختار مفسدات الصلوۃ والانیین والتاویہ والتافیف و البکاء بصوت لوجع او مصیبة قید للاربعۃ الالمریض لا یملک نفسه عن انین او تاویہ الی قوله لالذکر جنة او نار الخ باب الإمامة اما ماتعارفوه (عن رفع المؤذنین اصواتهم) فی زماننا فلا یبعد انه مفسد اذ الصیاح ملحق بالكلام فتح وبسط القول فیہ فی رد المحتار ج ۱ ص ۶۱۶

اس روایت سے معلوم ہوا کہ اگر اس نے شوق و محبت الہی میں ایسا کیا اس کی نماز درست ہوگئی ورنہ نہیں۔ یہ تفصیل تو خود اس کی نماز میں ہے لیکن پاس والوں کی نماز میں کسی حال میں فساد نہیں آتا۔ ۲۸ رذی الحجہ ۱۲۸۰ھ (تمتہ اولیٰ ص ۳۲)

بطلان نماز بکشف ربع عضو

سوال (۳۵۸) کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ کس قدر ستر مصلیٰ اندر نماز کے مکشوف ہو جاوے تو نماز باطل ہوتی ہے۔؟

الجواب۔ ربع عضو اگر کھل جاوے اور بقدر ادائے ایک رکن کے کھلا رہے نماز باطل ہو جاتی ہے۔ یہ تو جب ہے کہ ایک جگہ سے اس قدر کھل جائے اور اگر دو جگہ سے تھوڑا تھوڑا کھل جائے تو اگر ایک عضو میں دو جگہ کھلا ہے تو اگر دونوں کو ملا کر بقدر ربع اس عضو کے ہو جاوے تب بھی نماز باطل ہو جاوے گی اور اگر ایک عضو میں ایک جگہ سے دوسرے عضو میں دوسری جگہ سے تھوڑا تھوڑا کھل رہا ہے تو ان دونوں عضو میں جو چھوٹا عضو ہے اگر اس کے ربع کے برابر دونوں

جگہ ملا کر ہوگئی تب بھی نماز باطل ہوگئی۔ ویمنع کشف ربع عضو قدر اداء رکن بلا صنعه و تجمع بالاجزاء لو فی عضو واحد والاقبال قدر فان بلغ ربع ادناها کاذن منع۔ درمختار مختصراً۔ واللہ اعلم (امداد ص ۱۰۱ ج ۱)۔

نماز میں عینک لگانے کا حکم

سوال (۳۵۹) حالت نماز میں عینک لگائے رکھنا جائز ہے یا نہیں بر تقدیر ثانی کراہت تنزیہی ہے یا تحریمی فقہائے متقدمین میں سے کسی نے اس مسئلہ کی تصریح کی ہے یا نہیں۔ بینوا تو جروا۔؟

الجواب۔ عینک لگانے کی عادت مستحذ ہے اس لئے امید نہیں کہ کسی کے کلام میں اس کی تصریح ملے مگر قواعد سے یہ جواب ہے کہ فی نفسہ جائز ہے لیکن فعل عبث ہے اور عبث نماز میں مکروہ ہے اس عارض کے سبب یہ فعل مکروہ ہوگا۔ (تمتہ اولیٰ ص ۴۱)

مکروہ تحریمی بودن نماز بر سجاده کہ در اں بر جائے سجده تصویر جاندار باشد

سوال (۳۶۰) اگر کسی سجاده پر سجدہ کی جگہ تصویر انسانی یا حیوانی ہو مذہب امام شافعی و حنفی کے علماء اس پر نماز کا حکم دیتے ہیں یا نہیں ہر دو مذہب کے مسئلہ کے حل سے بحديث صحیح و آیات قرآنیہ یا بہ نص پورے طور سے واضح و خلاصہ تحریر فرماویں کہ اس سجاده پر نماز درست یا مکروہ یا واجب جو کچھ حل حرمت سے ہو بنظر عنایت رحمت آگاہی بخشیں۔؟

الجواب۔ فی الدر المختار مکروهات الصلوۃ وان یکون فوق رأسه و بین یدیه او بحدائیه یمنة او یسرة او محل سجوده تمثال الخ و فیہ اولها ذکرہ هذه نعم التنزیہیۃ التي مرجعها خلاف الاولى فالفارق الدلیل فانها ظنی الثبوت ولا صارف فتحريمية والافتنزیہیۃ۔ اس روایت سے ثابت ہوا کہ صورت مسئلہ میں نماز مکروہ ہوگی اور کراہت بھی تحریمی ہوگی جو حکم حرام میں ہے۔ اور میرے پاس مذہب شافعی کی کتاب نہیں ہے۔ ۲۷ شوال ۱۳۳۵ھ (تمتہ ثانیہ ص ۸۱)

حکم استقبال مصلیٰ نقشہ روضہ مطہر را

سوال (۳۶۱) مسئلہ مدینہ منورہ کا نقشہ جس میں حضور ﷺ کے مزار کا قبہ بھی ہے اگر

نماز میں سامنے لٹکا ہو تو نماز میں کچھ خرابی تو نہ ہوگی۔؟

الجواب۔ فی ردالمحتار عن الحلیۃ وتکرہ الصلوة علیہ (ای علی القبر) والیہ لورود النہی عن ذلك ج ۱ ص ۹۴۵ وفی الدرالمختار اولغیر ذی روح لایکرہ لانہا لاتعبد فی ردالمحتار فعلى هذا ینبغی ان یکرہ استقبال عین ہذہ الاشیاء (ای الشمس والقمر والکواکب والشجرة الخضراء) معراج لا نہا عین ماعبد بخلاف مالو صورہا واستقبل صورتہا۔ (ج ۱ ص ۶۷۸)

اس سے معلوم ہوا کہ اگرچہ قبر کا نماز کے سامنے ہونا مکروہ ہے لیکن قبر کے نقشہ کا سامنے ہونا کچھ حرج نہیں کیونکہ نقشہ قبر کی کوئی پرستش نہیں کرتا البتہ اگر کسی قوم کی یہ رسم بھی ثابت ہو جاوے تو پھر اس میں بھی کراہت ہو جاوے گی۔ ۷/ شوال ۱۳۳۲ھ (تمتہ ثانیہ ص ۱۷۳)

حکم مشی در صلوة بعد رمطر

سوال (۳۶۲) امام نے اپنے مقتدیوں سے کہا کہ دیکھو اگر پانی برسنے لگے تو میں مسجد کے اندر ہولوں گا اور تم لوگ میرے پیچھے آ جانا مگر رخ قبلہ سے نہ پھرنے پاوے چنانچہ امام اور مقتدیوں نے ایسا کیا بھی تو ایسی صورت میں نماز میں فساد آویگا یا نہیں خصوصاً جبکہ فاصلہ امام کے پہلے مقام اور دوسرے مقام کا اس مقدار سے کہیں زیادہ ہے جتنے میں دو صفیں قائم ہو سکتی ہیں شامی میں تلاش کیا عذر مطر کی تخصیص ایسی صورت میں تو ملی نہیں اگر بحوالہ شامی جواب عنایت ہو تو زیادہ سہولت ہوگی حدث و خوف کے علاوہ اعذار میں بشرط عدم تحویل قبلہ تو عدم فساد صلوة کی طرف رجحان معلوم ہوتا ہے مگر شبہ یہ ہے کہ مطر عذر بھی ہے یا نہیں کیونکہ معمول علماء کا ایسا نہیں دیکھا کہ پانی برسنے کے وقت نماز ہی میں مسجد کے اندر چلے جاتے ہوں خیر دلیل شرعی ہونا ضروری ہے۔؟

الجواب۔ حدیث میں نص ہے اقتلوا الاسودین فی الصلوة الحیة والعقرب اور باوجود اس کے اس قتل کو عمل کثیر مفسد صلوة علی الاصح کہا گیا ہے۔ کما فی الشامی قولہ لکن صحیح الحلبي الفساد حیث قال تبعاً لابن الهمام فالحق فیما یتظہر هو الفساد والامر بالقتل لا یتلزم صحة الصلوة مع وجودہ کما فی صلوة الخوف بل الامر فی مثله لا باحة مباشرة وان کان مفسدا للصلوة اه ونقل کلام ابن الهمام فی الحلیۃ والبحر والنہر واقروہ علیہ و قالو ان ما ذکرہ السرخسی

(من انه عمل رخص فيه للمصلى فهو كالمشي بعد الحدث بحر) رده فی
النهاية بانه مخالف لما عليه عامة رواة شروح الجامع الصغير ومبسوط شيخ
الاسلام من ان الكثير لا یباح اه ج ۱ ص ۶۸۱۔ اور مطر تو ہر طرح اس سے اخف ہے کہ
نہ اس میں کوئی ایسی نص ہے اور نہ اس میں ایسا خوف ضرر ہے اس لئے اس کے سبب سے مشی بدرجہ
اولیٰ مفسد صلوٰۃ ہوگی البتہ اگر درمیان میں وقفات ہوتے جائیں تو اس کو عمل کثیر نہ کہا جاوے گا۔ کما
فی العالمگیریۃ المشی فی الصلوٰۃ اذا کان مستقبل القلبۃ لا یفسد اذا لم یکن
متلاحقا الی قوله لو مشی فی صلاتہ مقدار صف واحد لم تفسد صلوٰتہ
ولو کان مقدار صفین ان مشی دفعة واحدة فسدت صلوٰتہ وان مشی الی
صف ووقف ثم الی صف لا تفسد کذا فی فتاویٰ قاضی خان ج ۱ ص ۶۵
واللہ اعلم ۲۷/رمضان ۱۳۳۳ھ (تمتہ ثالثہ ص ۸۲)۔

حکم خواندن نماز سر بر ہنہ

سوال (۳۶۳) ٹوپی کے اوپر دستار باندھی اور دستار کے بیچ کے درمیان سے ٹوپی نظر
آوے یعنی سر کی سطح اعلیٰ پر جو ٹوپی ہے وہ نظر آوے اس صورت میں نماز مکروہ تحریمی ہوگی یا نہ کہ
ننگے سر پر دستار باندھی اور سر کی سطح اعلیٰ دیکھی گئی نماز اس صورت میں مکروہ ہوگی اس بارہ میں بھی
اختلاف بہت ہو رہا ہے جواب با صواب ارقام فرمادیں۔؟

الجواب۔ فی الدر المختار مکروہات الصلوٰۃ وصلوٰتہ حاسرا ای کاشفا
رأسہ للتکاسل ولا بأس به للتذلل واما للاهانة بها فکفرو لو سقطت قلنسوتہ
فاعادتها افضل الا اذا احتاجت لتکویرا وعمل کثیر مع رد المختار ج ۱ ص ۶۷۰۔
اس روایت سے معلوم ہوا کہ اگر ٹوپی نظر آوے تو کراہت نہیں ہے۔ لانہ لیس بحاسر کیف
واذا جاز الا کتفاء بالقلنسوة کما يدل عليه قوله ولو سقطت قلنسوته الخ
فکیف اذا كانت علی بعضها العمامة ایضاً۔ اور اگر سر نظر آوے تو کراہت ہے۔ لانہ
حاسر۔ فقط واللہ اعلم ۱۶/شوال ۱۳۳۳ھ (تمتہ ثالثہ ص ۸۹)

شبہ بر عبارت تذکرۃ الرشید در بارہ فساد صلوٰۃ از ختم کردن مقتدی سلام اول را قبل امام خود
سوال (۳۶۴) قطب الاقطاب حضرت مولانا گنگوہی نور اللہ مرقدہ کا ایک فتویٰ

مولوی عاشق الہی صاحب میرٹھی تذکرۃ الرشید جلد اول میں ارقام فرماتے ہیں وہ یہ ہے ”کہ مقتدی اپنے پہلے سلام کو امام سے پہلے ختم کرے تو مقتدی کی نماز فاسد ہو جاوے گی۔ اکثر لوگ اس سے غافل ہیں سننے والا دوسروں کو سنا دے۔“ اس عبارت میں اور در مختار کی اس عبارت میں تعارض ہے۔ ولو اتمہ قبل امامہ فتکلم جازو کرہ فلو عرض مناف تفسد صلوٰۃ الامام۔ فقط در مختار ص ۸۷ ج ۱) مطبوعہ مطبع مجتہبی دہلی صاحب در مختار کے قول سے ثابت ہوتا ہے کہ نماز فاسد نہیں ہونے کی۔ قول فیصل اس بارہ میں کیا ہے۔ فقط؟

الجواب۔ یہی شبہ مجھ کو بھی ہوا تھا اور ہے میرا گمان یہ ہے کہ حضرت نے کراہت فرمایا ہوگا ناقلین نے فساد نقل کر دیا۔ اگر خود جامع تذکرہ سے تحقیق کی جاوے شاید وہ کچھ زیادہ تفصیل لکھ سکیں۔ فقط۔ ۲۴ صفر ۱۳۳۳ھ (تمہ خامہ ص ۸۲)

کیا چادر و رضائی کا لٹکانا اسبال میں داخل ہے

سوال (۳۶۵) کرتا۔ انگرکھا۔ پانجامہ ٹخنے سے نیچے لٹکانا مردوں کو جائز نہیں۔ آیا اس میں چادر و رضائی داخل ہوگی جبکہ اس کا آچل کندھے پر نہ ڈالا جاوے اور ٹخنوں سے نیچے لٹک جاوے اوڑھنے کی حالت میں۔؟

الجواب۔ چادر، رضائی کا لٹک جانا اس میں داخل نہیں کیونکہ وہ موضوع اس لئے نہیں ہیں کہ ٹخنے سے نیچے رہے محض اتفاقی امر ہے۔ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۹ھ (تمہ اولیٰ ص ۱۳۸)

قراءة لفظ عطاء در محل عذاب

سوال (۳۶۶) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ لفظ عطاء جو قرآن میں آیا ہے وہ موقع انعام و جزائے اعمال صالحہ میں آیا ہے اگر کوئی شخص اس لفظ کو غلطی سے موقع عذاب میں پڑھے تو نماز فاسد ہوگی یا نہ اعادۃ نماز مستحب ہوگا یا نہ۔؟

الجواب۔ فی فتاویٰ قاضی خان وان تغیر المعنی بان قرأ ان الابرار لفی حجیم و ان الفجار لفی نعیم او قرأ ان الذین امنوا و عملوا الصلحت اولئک ہم شر البریہ او قرأ وجوہ یومئذ علیہا غبرۃ اولئک ہم المؤمنون حقا تفسد صلوٰۃ لانہ اخبر بخلاف ما اخبر اللہ بہ۔ چونکہ صورت مسئلہ میں بھی ظاہراً تغیر فاحش

ہو گیا لہذا اقتضاء قاعدہ کافساد ہے لیکن احقر کے نزدیک اس کی یہ تاویل ہو سکتی ہے کہ اس کو تہکم پر محمول کیا جاوے جیسے فبشر ہم بعذاب الیم اور اس کا مقتضاء عدم فساد ہے اول کا مقتضاء وجوب اعادہ ہے نہ کہ ثانی کا والا اول احوط والثانی اوسع۔ ۲۱/ رمضان ۱۳۲۵ھ (امداد ص ۹۲ ج ۱)

مسجد کی چھت پر نماز مکروہ ہے

سوال (۳۶۷) ہم مصلیان مسجد میر محمود صاحب مرحوم مندرجہ ذیل وجوہ کی بناء پر دریافت کرتے ہیں کہ مسجد کی چھت پر نماز جماعت سے پڑھ سکتے ہیں یا نہیں۔ (۱) مسجد پست بنی ہے۔ (۲) در چھوٹے اور موٹے کولوں کے ہیں اور اندرون مسجد ہوا کی آمد و رفت کم ہے جس کے باعث نماز میں گرمی کی شدت سے طبیعت پریشان ہوتی ہے۔ (۳) مسجد کی وضع قطع کے ماتحت یہ نہیں معلوم ہوتا ہے کہ مسجد بناتے وقت چھت پر نماز پڑھنا بھی مقصود تھا زینہ بہت عرصہ کے بعد بنالیا گیا ہے۔ (۴) کسی مکان کی بے پردگی نہیں ہوتی ہے۔؟

الجواب۔ فی الغالمگیریۃ الباب الخامس من الکراہیۃ الصعود علی سطح کل مسجد مکروہ ولہذا اذا اشتد الحریکرہ ان یصلوا بالجماعۃ فوقا الا اذا ضاق المسجد فحينئذ لا یکرہ الصعود علی سطحہ للضرورة کذا فی الغرائب۔ اس میں تصریح ہے کہ صورت مسئول عنہا میں چھت پر جماعت کرنا مکروہ ہے۔

۱۲/ صفر ۱۳۵۲ھ (النور محرم ۱۳۵۵ھ ص ۹)

(نوٹ) ہوا اور گرمی کا علاج دیوار قبلہ یا یمن و شمال میں دریچہ کھولنے سے ہو سکتا ہے۔ اشرف علی

مواضع غضب و عذاب میں ممانعت نماز اور اس کی حکمت

سوال (۳۶۸) کئی ایام سے ایک شبہ دل میں واقع ہو رہا ہے اب تک بدستور ہے اس لئے عرض کر کے حل چاہتا ہوں۔ وہ یہ کہ بندہ چونکہ ضعیف و ناتواں ہے ایک ضد سے تاثر کے وقت دوسری ضد کا تحمل نہیں کر سکتا۔ مگر حق تعالیٰ چونکہ قادر مطلق ہیں وہ متاثر و منفعل نہیں ہوتے۔ پھر مواضع غضب و عذاب میں جانے آنے یا نماز پڑھنے سے نہی کیوں فرمائی گئی ہے۔ چنانچہ اصحاب حجر کے متعلق ارشاد ہے لا تدخلوا علی هؤلاء الا ان تکونوا باکین فان لم تکونوا باکین فلا تدخلوا علیہم ان یصیبکم مثل ما اصابہم الحدیث اس کی حکمت ارشاد فرمادی جاوے؟

الجواب۔ ایک توجیہ یہ خیال میں آئی تھی مگر اس احتمال پر کہ شاید کسی نے اس سے اچھی توجیہ لکھی ہو کتابوں کا مطالعہ کیا بحمد اللہ تعالیٰ فتح الباری میں بتغیر الفاظ وہی توجیہ نکلی جو خیال میں آئی تھی اس میں شبہ مذکورہ فی السؤال کا جواب بھی ہے اس لئے اس کو نقل کر دینا کافی سمجھتا ہوں۔

فقال وجه هذه الخشية ان البكاء يبعثه على التفكير والا اعتبار فكانه امر لهم بالتفكر في احوال توجب البكاء من تقدير الله تعالى على اولئك بالكفر مع تمكنه لهم في الارض وامها لهم مدة طويلة ثم ايقاع نعمته بهم و شدة عذابه وهو سبحانه مقلب القلوب فلا يأمن المؤمن ان تكون عاقبته الى مثل ذلك والتفكر ايضاً في مقابلة اولئك نعمة الله بالكفر واهمالهم اعمال عقولهم فيما يوجب الايمان به والطاعة له فمن مر عليهم ولم يتفكر فيما يوجب البكاء اعتباراً باحوالهم فقد شابههم في الاهمال ودل على قساوة قلبه وعدم خشوعه فلا يأمن ان يجره ذلك الى العمل بمثل اعمالهم فيصيب ما اصابهم وبهذا يندفع اعتراض من قال كيف يصيب عذاب الظالمين من ليس بظالم لانه بهذا التقرير لا يأمن ان يصير ظالماً فيعذب بظلمه اه (جلداول باب الصلوٰۃ في مواضع الخسف والعذاب)

میری توجیہ کے یہ الفاظ ہیں کہ جس طرح مواضع طاعت میں نور ہوتا ہے اور وہ نور حامل ہوتا ہے طاعات پر۔ اسی طرح مواضع معصیت میں ظلمت ہوتی ہے اور وہ ظلمت حامل ہوتی ہے معاصی پر تو ایسے مواضع سے تلبس سبب ہو سکتا ہے قساوت و غفلت و معصیت کا۔ اور اس پر نزول عذاب مرتب ہو سکتا ہے اور بکاء و خشیت اس اثر سے مانع ہو جاتا ہے پس یہ اصابت متلبسین کو اپنے اعمال سے مسبب ہوگی نہ کہ ان کے اعمال سے ولعل هذا العنوان السهل - فكان في قوله عليه السلام ان يصيبكم مثل ما اصابهم دون ان يقول يصيبكم ما اصابهم اشارة واضحه الى ذلك - والله اعلم - اشرف على ۶ محرم ۱۳۵۶ھ

نماز میں دونوں پاؤں پر برابر زور دے کر کھڑا ہونا مکروہ ہے یا ایک ایک پیر پر زور دیکر کھڑا ہونا۔

سوال (۳۶۹) نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم۔ حضرت حکیم الامت۔

السلام علیکم۔ آج میں نے اعلاء السنن جلد خامس میں ایک حدیث دیکھی وہ اس بیان میں ہے کہ نماز میں دونوں پاؤں پر برابر زور دینا مکروہ ہے کبھی ایک پاؤں پر اور کبھی دوسرے پر

زور دینا مستحب ہے۔ کیا یہ حدیث صحیح ہے اور ہم کو ایسا ہی کرنا چاہئے۔؟ یہ عبارت ترجمہ کی ہے (عن ابن مسعود انه رأى رجلاً صافاً او صافناً قدمیه فقال اخطأ هذا السنة۔ اخرجه سعيد بن منصور كذا في تخريج الإحياء للعراقي وسكت عنه وخرجه عبد الرزاق بلفظ مر ابن مسعود برجل صاف بين قدميه فقال اما هذا فقد اخطأ السنة لو راوح بينهما كان احب الى كذا في كنز العمال وقال الطحاوی فی معانی الآثار كمن قام فی الصلوٰۃ امران یراوح بین قدمه وقدروی ذلك عن ابن مسعود اه ذكره محتجابه علی ان تفريق الاعضاء اولی من الصاق بعضها ببعض واحتجاج المحدث الحافظ الناقد بحديث دليل على صلاحيته له۔ احياء السنن جلد خامس ص ۸۶۔

میں نے مولوی رونق علی صاحب سے دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے اب سے پہلے یہ حدیث نہیں دیکھی۔ تم حضرت حکیم الامت سے دریافت کر لو تب اس پر کار بند ہونا۔ فقط۔
الجواب۔ السلام علیکم۔ حدیث کا درجہ باعتبار سند کے تو اعلاء السنن میں بتلادیا گیا ہے کہ طحاوی نے اس سے احتجاج کیا ہے اور مذہب کے اعتبار سے حاشیہ میں بتلادیا گیا ہے کہ (تراوح بین القدمین) حنفیہ کے نزدیک افضل ہے طحاوی نے ظہیر یہ سے نقل کیا ہے نص الإمام علی ذلك امام صاحب نے اس کی تصریح کی ہے۔ اور بعض کتب فتاویٰ میں جو کراہت تراوح مذکور ہے اس میں محمل تمایل علی سبیل التعاقب بغیر تخلل سکون ہے۔ ظفر احمد بامرسیدی حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب دام مجدہم از تھانہ بھون ۱۵ جمادی الاول ۱۳۵۷ھ

تنبیہ۔ اعلاء السنن میں صف القدمین کو مکروہ کہا گیا ہے اس سے مراد وصل القدمین ہے جو مقابل تفرج کا ہے۔ جیسا آگے چل کر امام مالکؒ سے قرن القدمین کی کراہت نقل کی گئی ہے اور نصب القدمین جو مقابل تراوح بین القدمین کا ہے مکروہ نہیں کیونکہ تراوح کا صرف افضل ہونا منقول ہے۔ اس کی ضد کا مکروہ ہونا منقول نہیں۔ پس مؤلف اعلاء السنن کا صف القدمین کی تفسیر نصب القدمین سے کرنا مسامحت ہے۔

نیز تراوح کی افضلیت کو جس علت سے معلل کیا گیا ہے وہو انه ایسر و امکن لطول القيام۔ یہ علت قیام قصیر میں ظاہر نہیں۔ پس قیام قصیر میں تراوح اور نصب القدمین دونوں برابر ہیں۔ قال الطحاوی ”ثم ان هذه العلة لا تظهر فيما اذا كان القيام قصيراً۔“

(ص ۱۵۳ مراقی الفلاح) تراوح اور صفن میں فرق ہے۔ صفن یہ ہے کہ ایک قدم پر زور دے کر دوسرے قدم کو اس طرح ڈھیلا چھوڑ دیا جائے کہ وہ کسی قدر مڑ جاوے۔ جیسا گھوڑا ایک پیر کو ڈھیلا چھوڑ دیتا ہے یہ مکروہ ہے۔ جیسا ابن مسعودؓ کے قول سے ظاہر ہے۔ تراوح میں ایک قدم پر زور دیا جاتا ہے دوسرے پر زور نہیں دیا جاتا مگر اس کو بالکل ڈھیلا بھی نہیں چھوڑا جاتا کہ مڑ جاوے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ ظفر احمد عفا اللہ عنہ

وفی مجمع البحار کان یراوح بین قدمیہ من طول القیام ای یعتمد علی احدہما مرۃ وعلی الاخری مرۃ لیوصل الراحة الی کل منہما ص ۴۳ ج ۲ فیہ ایضاً حدیث نہی عن الصلوۃ الصافن ای من یجمع بین قدمیہ وقیل من یشی قدمہ الی ورائہ کفعل الفرس اذا نشی حافرہ ص ۵۴ ج ۲۔ ۲ ربیع الاول ۱۲۵۵ھ (النور ص ۱۰)

تحقیق صحت وعدم صحت صلوۃ باستعمال خف ساختہ از صوف حیوان غیر مذبوح
سوال (۳۷۰) اگر اون غیر ذبیحہ سے موزہ بنایا جاوے تو اس کو پہن کر نماز جائز ہوگی یا نہیں خواہ جانور حلال ہو یا حرام؟

الجواب۔ نماز جائز ہے اور وہ ظاہر ہے بخزیر (۱) کے۔ فی الدر المختار وشعر المیتۃ غیر الخنزیر علی المذہب و عظمہا وعصبہا وحافرہا و قرنہا الی قولہ طاہر ۵۱۔ ۱۳ رزیقہ ۱۳۲۲ھ (امداد ص ۵۹)

حکم ترک قعدہ اخیرہ در سنن یا تراویح

سوال (۳۷۱) اگر سنت مؤکدہ کے قعدہ اخیرہ کو فراموش کر کے پانچویں رکعت کا سجدہ کر لیا تو یہ سنتیں مؤکدہ مبدل بنقل ہو جائیں گی یا نہ جیسا کہ فرائض میں اگر قعدہ اخیرہ اور ایک رکعت اور پڑھ لی تو فرائض مبدل بنقل ہو جاتے ہیں اور اعادۂ نماز ضروری ہوگا۔ یا مثلاً کسی نے دو تراویح میں قعدہ اخیرہ نہ کیا بلکہ بھول سے تیسری رکعت ملا لی بعد کو یاد آیا اور چوتھی رکعت پڑھ کر سجدہ سہو کیا تو اب یہ دو رکعت تراویح مبدل بنقل ہو جائیں گی اور ان کا اعادہ ہوگا یا نہ۔ مع حوالہ فقہ ارقام ہو؟

الجواب۔ فی فتاویٰ قاضی خان المجلد الاول صفحہ ۱۱۵ اذا صلی الإمام اربع رکعات بتسلیمۃ واحده ولم یقعد فی الثانیۃ فی القیاس تفسد صلوۃ

(۱) اور انسان کے بالوں کا استعمال بوجہ تکریم کے حرام ہے۔ ۱۲ منہ

وہو قول محمد وزفر رحمہما اللہ ویلزمہ قضاء هذه التسلیمة وهو رواية عن ابی حنیفۃؒ وفی الاستحسان وهو اظهر روایتین عن ابی حنیفۃؒ وابی یوسفؒ لا تفسد واذالم تفسد اختلفوا فی قول ابی حنیفۃؒ وابی یوسفؒ انها تنوب عن تفسد تسلیمة او تسلیمتین قال الفقیہ ابو اللیث تنوب عن تسلیمتین لان الاربع لما جا زوجب ان تنوب عن تسلیمتین کمن اوجب علی نفسه ان یصلی اربع رکعات بتسلیمتین فصلی اربعا بتسلیمة واحدة ذکر فی الإمالی عن ابی یوسف انه یجوز فکذا ههنا وكذا لوصلی الاربع قبل الظهر ولم یقعد علی رأس الركعتین جاز استحسانا اه قلت ویلزمہ سجدتا السهو۔ اس روایت سے معلوم ہو گیا کہ سنت مؤکدہ اور تراویح ہر دو صحیح ہو گئیں۔ واللہ اعلم۔ ۲۱/ رمضان ۱۳۲۵ھ (امداد ص ۹۲ ج ۱)

حکم لحن فی الاعراب در نماز

سوال (۳۷۲) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے نماز میں سبح اسم ربك میں اسم کے میم کو زیر پڑھ دیا۔ آیا نماز درست ہوئی یا فاسد؟
الجواب۔ جس غلطی سے قرآن کے معنی میں تغیر فاحش آ جاوے اس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے ورنہ نہیں ہوتی تو اسم کے میم کو زیر پڑھنے سے معنی میں کوئی فساد نہیں ہوا اس لئے نماز درست ہو گئی۔ اذا لحن فی الاعراب لحن لا یغیر المعنی بان قرأ لا ترفعوا اصواتکم برفع التاء لا تفسد صلوٰتہ بالإجماع۔ عالمگیری ج ۱ ص ۸۰ فقط واللہ اعلم۔ (امداد ص ۱۰۵ ج ۱)

حکم فتح امام در تکبیر قنوت

سوال (۳۷۳) تراویح پڑھنے کے بعد وتروں میں یہ واقع پیش آیا کہ امام تیسری رکعت میں بلا تکبیر کہے ہوئے اور رفع یدین کیے ہوئے دعائے قنوت پڑھنے لگا کسی مقتدی نے اسے اللہ اکبر کہہ کر آگاہ کیا چنانچہ اس نے اللہ اکبر کہہ کر اور رفع یدین کر کے پھر قنوت پڑھی اور نماز تمام کر کے سجدہ سہو کیا تو نماز میں کوئی خرابی تو نہ رہی۔

الجواب۔ فی الدر المختار فی واجبات الصلوٰۃ وقراءة قنوت الوتر وهو مطلق الدعاء وكذا تکبیر قنوتہ فی رد المحتار ای الوتر قال فی البحر فی باب سجود السهو ما الحق به ای بالقنوت تکبیرہ و جزم الزیلعی بوجوب السجود بترکہ الی قوله و ینبغی ترجیح عدم الوجوب الخ ج ۱ ص ۲۸۸۔

پس روایت وجوب پر تو کوئی شبہ ہی نہیں کہ بتلانا ٹھیک ہوا اور دوسری روایت یعنی عدم وجوب پر بتلانا زائد ہوا مگر مفسد صلوٰۃ نہیں ہے اور نماز ہر حال میں صحیح ہوگئی جیسے قراءت میں بلا حاجت بتلانے سے نماز صحیح ہو جاتی ہے اگرچہ امام لقمہ لے لے اور چونکہ کوئی امر موجب سجدہ سہو کا نہیں پایا گیا اس لئے سجدہ سہو واجب نہیں ہوگا۔ ۸/ رمضان ۱۳۳۳ھ (تمتہ ثالثہ ص ۷۳)

حکم قطرہ آمدن وقت سجدہ

سوال (۳۷۴) مجھ کو مرض ہے کہ اکثر قطرہ خطا ہو جاتا ہے۔ جس وقت سجدہ میں جاتا ہوں اس وقت بھی اکثر ایسی حالت ہو جاتی ہے اس کے لئے کیا کیا جاوے۔؟

الجواب۔ اگر لنگوٹ باندھنے سے رک جاوے باندھنا چاہئے اور اگر اس سے نہ رکے تو دیکھنا چاہئے کہ سجدہ میں جانے سے اگر گاہ گاہ قطرہ آتا ہے تب تو جب آوے وضو کرے اور اگر ہمیشہ آتا ہے تو بجائے سجدہ کے اشارہ کر لیا کرے۔ فی رد المحتار عن الذخیرۃ رجل بحلقه خراج ان سجد سال وهو قادر علی الركوع والقیام والقراءۃ الخ ج ۱ ص ۷۹۳۔ ۶/ شعبان ۱۳۳۱ھ (تمتہ ثانیہ ص ۶۲)

مفسد نہ بودن فتح علی الامام در ہر حال

سوال (۳۷۵) امام و مقتدی در حین نماز بود مذکیہ از مقتدی در قیام رکعت سوم کہ امام برخاست سبحان اللہ گفت بخیاں آنکہ ایں رکعت چہارم است چونکہ امام را یقین بود کہ ایں رکعت سوم است گوش نہ کرد قیام فرمودہ رکعت چہارم را ختم کردہ نماز خود و مقتدی ان را تمام کرد دریں صورت نماز آں مقتدی کہ سبحان اللہ گفت بلاشبہ تمام شد یا بسبب کلام لغو نماز آں فاسد شد صورت مسئلہ چیست در مذہب حضرت امام اعظم چیست و در مذہب حضرت امام شافعی چه حکم دارد و در مذہب امام شافعی کدام کتاب کہ مثل ایں مسئلہ جزئیات در آں بسیار باشد اگر حضرت تم معلوم باشد ایماء فرمائید۔؟

الجواب۔ فی الدر المختار مفسدات الصلوٰۃ بخلاف فتحہ علی امامہ فانہ لا یفسد مطلقا لفتح و اخذ بکل حال۔ چوں در صورت مسئلہ ایں سبحان اللہ گفتن بہ نیت فتح علی الامام است و خود از کلام ناس نیست لہذا نماز امام و مقتدی ہر دو صحیح است و مذہب شافعی مرا معلوم نیست و نہ کتاب مذہب شاہ مرا معلوم است۔ (تمتہ اولی ص ۳۱۲)

بَابُ صَلَوةِ الْوُتْرِ

حکم تعیین سورہ مخصوصہ در نماز وتر

سوال (۳۷۶) نمبر (۱) نماز وتر میں سورہ قدر و کافرون و اخلاص واسطے مرض بواسیر کے مجرب بتلاتے ہیں اگر اس کو التزام کے ساتھ پڑھا جاوے تو کوئی قباحت تو نہیں؟
(۲) دانتوں کی پائیداری کے واسطے وتروں میں :- سورہ نصر و لہب و اخلاص کا پڑھنا مجرب بتلاتے ہیں؟

الجواب - (عن کلا السوالین) اس میں منشاء سوال یہ ہے کہ طاعت مقصودہ کو ذریعہ بنایا گیا غرض دنیوی کا۔ سو اس میں تفصیل یہ ہے کہ یہ ذریعہ بنانا دو قسم ہے ایک بلا واسطہ جیسے عاملوں کا طریقہ ہے کہ ادعیہ و کلمات سے خاص اغراض مقاصد دنیویہ ہی ہوتے ہیں اور دوسری قسم بواسطہ برکت دینیہ کے کہ طاعات سے اولاً برکت دینیہ مقصود ہوتی ہے پھر اس برکت دینیہ کو مؤثر اغراض دنیویہ میں سمجھا جاتا ہے احادیث میں جو قربات اور طاعات خاصہ کی بعض خاصیتیں از قبیل اغراض دنیویہ وارد ہیں وہ اس دوسری قسم سے ہیں جیسے سورہ واقعہ کی خاصیت آئی ہے کہ لم تصبہ فاقۃ اور یہ دنیوی خاصیتیں جس طرح وحی سے معلوم ہوتی ہیں کبھی الہام سے بھی معلوم ہوتی ہیں پس عمل مذکورہ فی السؤال بطریق اول نماز کی وضع کے خلاف ہے اور بطریق ثانی کچھ حرج نہیں۔
۱۶ رمضان المبارک ۱۳۵۵ھ (تمتہ خامسہ ص ۵۱۸)

رمضان میں وتروں کا تہجد کے ساتھ پڑھنا افضل ہے یا جماعت کے ساتھ تراویح کے بعد
سوال (۳۷۷) جو شخص نماز تہجد میں وتر ہمیشہ پڑھتا تھا وہ رمضان میں وتروں کو بجماعت ادا کرے یا بوقت تہجد ادا کیا کرے؟
الجواب - جماعت کے ساتھ بہتر ہے کہ جماعت کی رعایت اولویت وقت کی رعایت سے مقدم ہے۔ و نیز اعراض عن الجماعت کی صورت سے تحرز ضروری ہے۔

۲۲ رمضان ۱۳۲۹ھ (تمتہ اولیٰ ص ۳۸)

سوال (۳۷۸) ایک امر در یافت طلب ہے کہ بعد نماز عشاء بیس رکعت تراویح پڑھنے

کے بعد وتر پڑھ لئے جاویں اور پھر سحر کے وقت تہجد پڑھا جاوے یا نہیں۔؟

الجواب۔ ہاں یہی افضل ہے۔ ۲۸ شعبان ۱۳۳۷ھ (تمتہ خامسہ ص ۹۰)

سوال (۳۷۹) ایک شخص تہجد کے وقت وتر کو ادا کرتا ہے اور رمضان شریف میں وتر کی جماعت ہوتی ہے سو وہ جماعت کو ترک کر کے پچھلے کے وقت اس کے لئے وتر کا ادا کرنا افضل ہے یا اس کو جماعت کے ساتھ ادا کرنا چاہئے اور جماعت کا ثواب ترک نہ کرنا چاہئے۔؟

الجواب۔ ہاں ایسا ہی چاہئے یعنی جماعت ترک نہ کرے اگرچہ تنہا بھی جائز ہے۔

فی الدر المختار وفيه ای فی رمضان یصلی الوتر و قیامہ بہا و هل الا فضل فی الوتر الجماعة او المنزل فی رد المحتار ربح الکمال الجماعة الى قوله و فی شرح المنیة والصحيح ان الجماعة فيها افضل الا ان سنيتها ليست كسنیة جماعة التراویح ج ۱ ص ۷۲۲ ۶ شوال ۱۳۳۷ھ (تمتہ خامسہ ص ۹۰)

جواز جہر وعدم جہر در وتر بماء رمضان

سوال (۳۸۰) وتر جب اکیلا نماز رمضان شریف میں پڑھتا ہو قرأت جہر سے پڑھنا جائز ہے یا نہیں۔؟

الجواب۔ دونوں جائز ہیں یعنی جہر بھی اور اخفا بھی۔ کیونکہ وتر رمضان میں جہریات میں سے ہے اور جہریات میں منفرد جہر وعدم جہر میں مخیر ہوتا ہے۔

دلیل المقدمة الاولى ما فی رد المحتار ان الجهر يجب على الامام فيما يجهر فيه وهو صلوٰۃ الصبح والاولیان من المغرب والعشاء و صلوٰۃ العیدین والجمعة والتراویح و الوتر فی رمضان الخ ج ۱ ص ۲۸۸ و دلیل المقدمة الثانية ما فی العالمگیریة وان كان منفردا ان كانت صلوٰۃ يخافت فيها بخافت حتما هو الصحيح وان كانت صلوٰۃ يجهر فيها فهو بالخيار والجهر افضل (ج ۱ ص ۲۴۰) قلت هذا هو المشهور وان اختلف بعضهم فی التقييد بقوله فی رمضان كما فی رد المحتار لكن یرد علیه انه يقتضى انه لو صلى الوتر جماعة فی غیر رمضان انه لا يجهر به وان لم يكن على سبيل التداعی ويحتاج الى نقل صريح واطلاق الزيلعي يخالفه وكذا ما ياتی من المتفل باللیل لوام جهر فتامل ج ۱ ص

۵۵۶ لکنہ لا یضر الحکم بجہر المنفرد فی رمضان وانما یفید عدم تخصیص
ہذا الحکم برمضان - واللہ اعلم - ۶/رمضان ۱۳۳۳ھ (تمہ ۵ ص ۹۴)

وتر بعد تہجد یا بعد تراویح

سوال (۳۸۱) اگر تہجد پڑھا جاوے گا تو وتروں کا بعد تراویح پڑھنا اچھا ہے یا بعد تہجد۔
الجواب۔ بعد تراویح کیونکہ جماعت کی افضلیت زیادہ مہتمم بالشان ہے وقت کی فضیلت سے۔

حکم خواندن وتر باجماعت در غیر رمضان و مخصوص بودن جماعت وتر بمہ ماہ رمضان بشروط

سوال (۳۸۲) نماز وتر بجماعت و جہر در ہر رکعت مخصوص در رمضان است یا نہ؟
الجواب۔ جماعت وتر بتدائی مخصوص بر رمضان است و خارج آں مکروہ اگر تدائی نباشد
احیاناً خارج رمضان ہم مکروہ نیست و زیادہ از سہ داخل تدائی است اگر جماعت کند جہر بر امام
واجب است و منفرد مخیر است خواہ رمضان باشد یا غیر رمضان - ۱۶/رمضان ۱۳۳۳ھ (تمہ ۵ ص ۷۰)

حکم انفرادی وتر و تارکین جماعت تراویح را

سوال (۳۸۳) رمضان شریف میں اگر عشاء کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھی اور
تراویح کو بالکل تمام آدمیوں نے ترک کر دیا تو اس صورت میں وتر باجماعت جائز ہیں یا نہ؟

الجواب۔ فی الدر المختار بقی لو ترکھا (ای جماعۃ التراویح) الكل هل
یصلون الوتر بجماعۃ فلیراجع فی رد المحتار تحت قوله بقی الذی یظہر ان
جماعۃ الوتر تبع لجماعۃ التراویح وان کان الوتر نفسہ اصلا فی ذاته لان سنة
الجماعۃ فی الوتر انما عرفت بالاثرتابعۃ للتراویح علی انہم اختلفوا فی افضلیۃ
صلوتہا بالجماعۃ بعد التراویح کما یأتی ۵ - ج ۱ ص ۴۷۱

اس سے معلوم ہوا کہ قواعد سے اسی کو ترجیح ہے کہ اس صورت میں یہ جماعت وتر بھی فرادی
فرادی پڑھیں۔ یکم محرم ۱۳۳۴ھ (تمہ ۴ ص ۶)

حکم لفظ واجب گفتن یا نہ گفتن در نیت وتر

سوال (۳۸۴) عالمگیری میں لکھا ہے وفی الوترینوی صلوٰۃ الوتر کذا فی